دل کے داغ



نیلم ریاست

ناول نیلم ریاست

دل کے داغ

شہر لاہور کی سڑکوں پر اس وقت ٹریفک نہ ہونے برابر تھی۔ رات کی سیاہی نے مکمل طور پر ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ آوارہ کتے یہاں وہاں گلیوں چوراہوں پر کسی ریڑھی کے نیچے یا گھروں اور دکانوں کے تھڑوں پر پوری آزادی کے ساتھ پرسکون پڑے نیند پوری کر رہے تھے۔ جیسے انسانوں کے روپوش ہونے پر شکر ادا کر رہے ہو۔ کچھ ادھر ادھر خفیہ مشن پہ مصروف زبان نکالے آجا رہے تھے۔ اسی خاموشی کو ایک سپورٹس بائیک تیر کی طرح تیزی سے چیرتی ہوئی گزر گئی۔ اس پر بیٹھے سوار نے کالی جینز پر کالی ہی لیدر کی جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ اپنا چہرہ ہلمیٹ میں چھپایا ہوا تھا۔ وہ اس بات سے یقیناً لاعلم تھا۔ اس نے سڑکوں کی رکھولی کرنے والے عزت دار شہریوں کی نیند خراب کی تھی۔ ایک کتے نے غصے سے منہ اٹھا کر دور ہوتی سرخ اکلوتی بتی کو گھورا اور دوبارہ سر گرا کر لیٹ گیا۔

وہ بائیک ایک قبرستاں کے باہر رکی۔ سوار نیچے اترا' آگے ہینڈل کے ساتھ بندھا پھولوں کا بیگ کھولا۔ ہیلمٹ اتار کر ہینڈل کے اوپر رکھا۔ بکھرے بالوں کو ایک ہاتھ سے سنوارتا ہوا قبرستان کا دروازہ وا کر کے اندر چلا گیا۔

شہرِ خاموشاں میں رگوں میں اتر کر چونکا دینے والی وحشت تھی۔ ویسی ہی وحشت اس شخص کے چہرے پر موجود تھی۔ وہ جیسے ہر خطرے ہر ممکن حادثے سے بے نیاز ہو کر آیا تھا۔ وہ جب بھی آیا ہمیشہ رات کے وقت ہی آیا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ بہت سال گزر جانے کے باوجود بھی اسکے دشمن اسکے پیروں کے نشان ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ اور وہ انکو یونہی خوار کرتے رہنا چاہتا تھا۔

جبڑے کی ہڈی سختی سے بھینچنے کی وجہ سے تھرک رہی تھی۔ آنکھوں میں گہری لالی۔ بھاری بوٹ ایک جگہ رک گئے۔ کہیں پر الو بولا تھا۔ قریب کے ایک درخت پر سے کوئی جانور اتر کر تیزی سے دوسری سمت میں بھاگا۔

اس کی توجہ اس جانب نہیں تھی۔ بلکہ سامنے موجود ایک ساتھ لائن میں بنی تین قبروں پر تھی۔ اس کے بس میں نہ تھا۔ ورنہ قبروں میں سو جانے والوں کو کسی طرح سے صحیح سلامت اپنے سامنے کھڑا کر لیتا۔ یہ اس کے دل کے حصے یہاں پڑے تھے۔ اسکی ساری دنیا انہی تین لوگوں کے گرد گھومتی تھی۔ اور وہی تینوں چھین لیے گئے۔ وہ آج تک اسی مقام پر کھڑا تھا۔

جیب میں سے ٹارچ نکال کر باری باری تینوں قبروں کو اپنے ہاتھ سے صاف کیا۔ ایک پر تھوڑا سا سوراخ نظر آ رہا تھا۔ اس نے پھولوں کا بیگ ایک جانب رکھا۔ قبرستان کے باہر لگے مٹی کے ڈھیر میں سے مٹی لا کر قبر پر ڈالی۔ اسکے بعد پانی کا چھڑکاؤ کر کے پھول چڑھائے۔ اتنے زیادہ پھول ڈالے یہاں تک کہ تینوں قبروں کی مٹی پوری طرح سے چھپ گئی۔

پیروں کی جانب کھڑے ہو کر اس نے دعا میں ہاتھ اٹھائے۔

وہ قبروں کے مکین بے شک خوش نصیبوں میں سے تھے۔ انکے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی کسی کو ان سے اتنی محبت تھی۔ کوئی اتنے خطرے کے باوجود ان کو ملنے آنا نہیں بند کرتا تھا۔ جبکہ کچھ لوگ زندہ تابندہ ہوتے ہوئے بھی تنہا ہوتے ہیں۔ کوئی انکی خبر لینا بھی گوارا نہیں کرتا۔

وہ قبرستان سے نکلا تو گھڑی کی سوئیاں آدھا گھنٹہ آگے جا چکی تھیں۔

اس نے ایک نظر آسمان کی جانب سر اٹھا کر دیکھا۔ آسمان بادلوں سے گھرا ہوا تھا۔ چاند کا دور دور کوئی سراغ نہ تھا۔ ہوا چلنا شروع ہو چکی تھی۔ نہ جانے آج آنے والے بادل برسنے تھے۔ یا اس جوان کے آنسوؤں کی

طرح بغیر برسے ہی خشک ہو جاتے تھے۔وہ بھاری دل اور بوجھل قدموں سے بائیک تک آیا۔ہیلمٹ پہنا بائیک کو کِک ماری پہلی کِک پر ہی اس میں زندگی دوڑ گئی۔ایک الوداعی نظر قبرستان پر ڈالی اگلے پل ہوا سے باتیں کرتا وہاں سے نکل گیا۔

ہتھیں دفن جنہاں نوں کریئے۔۔۔
تے لے گئی آس اونہاں دی۔۔۔۔۔

☆......☆......☆

اس کا تو دماغ ہی گھوم کر رہ گیا تھا۔ایک کمزور اور بوڑھی سی مائی اس آفت کے پرکالے کو ہاتھوں ہاتھ لے گئی تھی۔دو چار دھمکیاں یا تین چار آنسوؤں کے ساتھ سنائی گئی بے بسی کی کہانی تو شائد ہی اسے اپنے دشمن کی ہونے والی بہو سے شادی کرنے پر راضی کرتی مگر اینڈ پہ مائی اللہ رسول کا واسطہ لیکر میدان میں اتری اور اسے چاروں شانے چت کر گئی۔وقت زیادہ ہوتا تو شائد وہ کچھ اور سوچتا مگر ایک آخری چوبیس گھنٹے بچے تھے۔اپنی جیب سے موبائل نکال کر مائی کے حوالے کیا۔

''آپ ایک معمولی سے قابل قبول صورت کے الیکٹریشن کے حوالے اپنی بیٹی اپنی مرضی سے کر رہی ہیں۔یہ بات مت بھولیے گا۔اور اگر کوئی پھڈا ہوا تو میں نے صاف مکر جانا ہے۔ہوسکتا ہے آپ جس کے ساتھ میرا نکاح پڑھوانا چاہ رہی ہیں۔میں عین وقت پر اسے بہن ہی بول دوں اسلیے ایک دفعہ پھر سوچ لیں۔۔۔''

بوا نے اسکی ساری بات سنی ایک دفعہ سر سے لیکر پاؤں تک اسکا سارا جائزہ لیا۔اور سر اثبات میں ہلا دیا مجبوری کے وقت تو مردار بھی جائز ہوتا ہے۔یہ تو پھر جیتا جاگتا انسان تھا۔

جب کسی طرح سے بھی مائی اپنی بات سے نہ ہٹی تو اس نے بھی زیادہ بحث نہ کی۔اسی دن شام کے وقت ایک نامعلوم مقام سے اپنا ہی نمبر ملاتے وقت ایک مولوی اسکے ساتھ تھا۔دوسری جانب بھی جیسے مائی انتظار کی گھڑیاں ہی گن رہی تھی۔

پہلی ہی بیل پہ فون اٹھایا گیا۔

یوں ایک بالکل انجان اور خطرناک خاندان کی لڑکی اس کے نکاح میں تھی۔
آج مشن کا آخری دن تھا۔غلطی کی گنجائش سرے سے تھی ہی نہیں۔ ٹارگٹ اسکے سامنے تھا۔ وہ پوری طرح سے اپنا کام کرنے کیلیے تیار بھی تھا۔مگر وقت نہیں مل رہا تھا۔
بارات کیا آئی رنگ ونور کا سیلاب ہی تھا۔وہ جس موقع کی تلاش میں تھا۔آخر آ ہی گیا۔
دولہا واش روم گیا تھا۔اسے اندر بھیجنے سے پہلے اسکے گارڈز نے اچھی طرح تسلی کر کے اجازت دی تھی سکیورٹی اتنی سخت تھی۔ چڑیا بھی پر نہ مارے مگر وہ تو وہ ہی تھا۔
دوسری جانب کے دروازے کا لاک بڑی پھرتی اور مہارت سے بغیر آواز پیدا کیے کھول کر وہ اندر آیا۔اگلے چند سیکنڈ میں اپنا کام پورا کر کے اسی دروازے کو واپس لاک کرتا وہ کیٹرنگ کا سامان اٹھائے مگن اور مصروف انداز میں باہر کی طرف بڑھ گیا۔
لوگوں کے ہجوم اور رونق میں اسکی خوش قسمتی تھی۔کسی کا اس کی طرف دھیان نہ گیا۔۔باہر کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے پیجر کر دیا۔
''بیک ڈور شارپ۔۔''
اگلے چند سیکنڈ میں وہ روشنیوں میں گھری عمارت سے باہر تھا۔
اپنی گاڑی میں بیٹھنے کے بعد اگلے تین منٹ اس پر تین صدیوں جیسے بھاری گزرے مسلسل بیک ویو مرر میں دیکھتے ہوئے جبڑے سختی سے آپس میں جکڑے ہوئے تھے۔

''Hurry up Goddamn''

سٹیرنگ پر ہاتھ مارتے ہوئے اسکی جھنجلاہٹ پورے عروج پر تھی۔اگلے چالیس سیکنڈ تک وہ اندھیرے میں گھورتا رہا۔
تب ہی دو ہیولے گاڑی کی جانب آتے دکھائی دیے۔ چابی کے اوپر اسکی گرفت مضبوط ہوئی پر جونہی ہیولے قریب آنے پر کچھ واضح نظر آئے وہ گاڑی سے باہر تھا۔
پچھلا دروازہ کھولا اور بوا کے ساتھ لگے کھڑے وجود کو بازو سے پکڑ کر پھینکنے کے انداز میں اندر بٹھاتے ہی

دروازہ بند کر کے بوا کی طرف مڑا۔

''میرے پاس آپکو وعدے وعید دینے کا کوئی وقت نہیں ہے۔اگر ایک منٹ بھی مزید یہاں ضائع کیا۔یہ تو ماری جائے گی ہی۔مجھ غریب کی بھی شامت آسکتی ہے۔اور آج تو میں گولی چلانے کے موڈ میں ہرگز نہیں ہوں۔اسلیئے اب بس دعا کریں۔او کے اللہ حافظ۔''

بوا کو حیران چھوڑ کر یہ جا وہ جا۔

مین روڈ پر جانے کی بجائے وہ اندرونی گلیوں سے ہی بڑی مہارت سے گاڑی بھگائے لیے جا رہا تھا۔رات ہونے کی وجہ سے گلیاں تقریباً سنسان پڑی تھیں۔گاڑی کی سپیڈ نارمل ہی رکھی۔تاکہ کسی کی نظروں میں آئے بغیر شہر کی حدود سے باہر نکلا جا سکتا۔

شہر سے باہر ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد گاڑی سڑک سے اتار کر ایک سنسان حویلی نما اجاڑ عمارت کے احاطے میں روک دی۔

اپنی سیٹ سے اتر کر ایک سمت کو بڑھ گیا۔سوائے چاندنی کے وہاں اور کوئی روشنی نہ تھی۔تھوڑے سے فاصلے پہ ٹوٹے سے برآمدے میں ایک اور گاڑی کھڑی تھی وہ ابھی اس طرف ہی گیا تھا۔گاڑی پہ ڈالا ہوا کور ہٹا کر ڈکی میں موجود ایک بیگ نکالتے ہی واپس آیا۔

بیک سیٹ کا دروازہ کھول کر نیچے کو جھکا تاکہ اندر بیٹھے وجود کا جائزہ لیا جا سکے۔

دوسری طرف اس پہ نظر پڑتے ہی ڈالے کی چیخ نکل گئی۔

چھوٹے چھوٹے بال موٹے موٹے بھنویں اوپر سے سیاہ لباس پہ اپنا لشکارے مارتا رنگ بھی شا کالا سامنے والے دو دانت منہ سے باہر بیٹھے تھے۔

فوراً بوا سے شکوہ پیدا ہوا۔

''اندھیری رات میں انجان منزلوں پہ روانہ کرتے ہوئے میرا نجات دہندہ بھی ڈھونڈا تو یہ؟''

آنکھوں میں آنسو لیئے اس نے نظریں جھکا لیں دوسری طرف اس نے ایک بے نیاز مگر بھرپور نظر اپنی منکوحہ پہ ڈالی۔جو کہ سرخ جوڑے میں فل برائیڈل میک اپ اور جیولری کے ساتھ آسمان سے اتری ہوئی کوئی مخلوق

معلوم ہو رہی تھی۔اس کی جگہ کوئی باذوق انسان ہوتا۔اس دوشیزہ کی شان میں کھڑے کھڑے اک دیوان تو لکھ ہی دیتا۔اور نہیں تو اپنی خوش نصیبی پر سجدہ بجالاتا۔او بھائی میرے لاٹری لگ آئی ہے۔

مگر اس انسان پہ ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہونے والا تھا باریک مردانہ آواز تھی۔

تمہارے پاس کوئی اور لباس ہے۔؟۔

ژالے نے سر نفی میں ہلا دیا۔

جس پہ وہ بڑبڑاتا ہوا مڑا۔''عجیب مصیبت ہے۔''

ژالے چاہ کر بھی نہ پوچھ سکی کہ''کون؟۔''

دماغ میں صرف ایک ہی فکر جاری تھی۔اگر کوئی پیچھے سے آ گیا اور وہ لوگ پکڑے گئے تو۔۔؟۔'

جتنی بھی قرآنی آیات یاد تھیں سارا رستہ انکا ورد کرتی آئی تھی۔

دو چار منٹ وہ واپس نہ آیا تو ویرانے میں نئی فکر نے آ لیا۔

''کہیں مجھے چھوڑ کر تو نہیں چلا گیا۔؟''

اس سے پہلے کے بوکھلا کر بھاگتی مکانوں کے پیچھے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔

دوبارہ اسکے سر پہ آ کر دھاڑا۔

''تم ابھی تک ویسے ہی بیٹھی ہوئی ہو۔؟۔''

(تو اور مجھے کیا کرنا تھا۔۔؟)

''اس بیگ میں ایک ٹراوزر شرٹ موجود ہیں۔فوراً چینج کرو۔''

کھلے دروازے سے بیگ اسکی جھولی میں پھینک کر ایک دفعہ پھر ہٹ گیا۔

ژالے نے ہاتھ تیز تیز چلاتے ہوئے سارا زیور اتار کر سیٹ پہ رکھا۔اندھیرے میں ٹٹول کر بیگ میں سے کپڑے نکال رہی تھی۔

اچانک گاڑی کے اندر کی لائٹ روشن ہونے پر ژالے کی پھر سے چیخ نکل گئی۔

''او خدا کا نام لو بی بی اور جلدی کرو نہیں تو میرے سسرالی ادھر میرے سر پر سلامتی دینے آتے ہی ہونگے۔''

(سر پر سوار ہے اور سارا قصور میرا ہے۔)

"ہمیں اگلے دو چار منٹ میں یہاں سے نکلنا ہے میں گاڑی سٹارٹ کر رہا ہوں فوراً آؤ۔"

اسکے جاتے ہی ژالے نے لائٹ واپس بند کر دی۔ جلدی سے لباس بدل کر لہنگا زیور وغیرہ سب بیگ میں ٹھونس کر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

اس سے پہلے کے وہ گاڑی میں بیٹھتی وہ باہر نکل آیا۔"یہ ساتھ کیا اٹھا لائی ہو؟"۔

ژالے نے تعجب سے اسکی طرف دیکھا۔"اس میں کپڑے اور جیولری ہے۔"

اس نے آکر اس کے ہاتھ سے بیگ پکڑا۔"گولی مارو ان چیزوں کو ادھر ہی چھوڑ دو۔"

ژالے کا دل ہی ڈوب گیا۔۔فوراً ہاتھ بڑھا کر بیگ واپس کھینچ لیا۔

"کیوں چھوڑ دوں یہ میری امی کی جیولری ہے۔پہلے ہی میرے پاس ہے ہی کیا جواب یہ بھی ادھر ویرانے میں پھینک جاؤں۔" ڈبڈباتی آنکھوں کے ساتھ بولنے پہ آئی تو بولتی چلی گئی۔سامنے والا جی بھر کر حیران ہوا۔

"کیا جوڑا بھی تمہاری اماں کا ہے؟"۔

ژالے نے نظر پھیر کر نفی میں سر ہلایا۔

بولی "مگر پھینکوں گی وہ بھی نہیں۔" بیگ کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

"کیوں۔۔؟" وہ ضبط کی انتہا پر تھا۔ جب کہ وہ بولی۔

"کیونکہ اسکی مالیت بیس لاکھ ہے۔میں اسے بیچ کر کسی غریب کی مدد کر دونگی۔

سامنے والے نے ایک دفعہ سر سے لیکر پاؤں تک دیکھا اور شروع ہو گیا۔

"میرے پاس ابھی پھول ہوتے نا مدر ٹریسا تو میں تمہارے سنہری آدرش کی داد تم پہ پھول پھینک کر دیتا۔یا تمہاری طرح کسی حاتم طائی کی اولاد ہوتا۔تو ابھی اپنے مزارعوں کو حکم دیتا۔اسی جگہ اس عظیم لڑکی کے اعزاز میں اسکا مجسمہ بنایا جائے۔بیچاری کو مرتے سمے بھی اس دنیا کے غریبوں کا اتنا خیال ہے۔پر بدقسمتی تمہاری کے میں حد سے زیادہ خود غرض ہوں۔اور تمہارے ان دو ٹکے کے کپڑوں پیچھے اپنی جان کا نذرانہ پیش نہیں کر سکتا۔اسلیئے اپنی اماں کی یاد سینے سے لگاؤ باقی سب یہیں چھوڑ کر جاؤ۔"

ایک تو الفاظ اتنے سخت اوپر سے آگ برساتا لہجہ ژالے نے جیولری والا ہینڈ بیگ لیکر دوسرا بیگ اسکے حوالے کر دیا۔گاڑی میں بیٹھنے کے بعد ناراض نظروں سے باہر دیکھا۔جہاں اس نے بیگ گاڑی کے اندر رکھا سارا تیل چھڑکنے کے بعد تیل والی بوتل بھی گاڑی کے اندر ہی پھینکتے ہوئے آگ لگادی۔خود تقریبا دوڑتا ہوا اپنی نئی گاڑی کی جانب آیا۔گاڑی کا انجن پہلے سے ہی اسٹارٹ تھا۔اس نے اندر بیٹھ کر کلچ پر پاؤں رکھا۔گیر میں ڈالتے ہوئے گاڑی کو آگے بڑھا دیا۔

جتنی سپیڈ سے وہ جی ٹی روڈ تک آیا۔اپنے پیچھے آگ کے شعلوں کے ساتھ ساتھ گرد و دھول کے بلند ہوتے بادل چھوڑ آیا۔بیک ویو مرر سے ایک نظر پیچھے نظر آتے دھوئیں کو دیکھ کر اس نے اللہ کا نام لیکر گاڑی کی سپیڈ مزید بڑھا دی دیکھتے ہی دیکھتے سارے منظر پیچھے رہ گئے۔گاڑی آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔

پچھلی سیٹ پہ بیٹھی ژالے باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھ دیکھ کر اکتا جاتی۔تو نظریں سیاہ بالوں پہ ٹک جاتیں وہاں سے ہٹ کر کبھی سٹیرنگ پر مضبوط گرفت پہ بھٹکتیں کبھی سنجیدہ سے سائیڈ پوز سے الجھ جاتیں۔وہ اب تک اس آدمی کی اصل شکل وصورت دیکھنے میں ناکام ہوئی تھی۔

مگر وہ اسکی نظریں تو دور اسکے وجود سے ہی بے نیاز نظر آرہا تھا۔یونہی اندر باہر دیکھتے نہ جانے وہ نیند کی وادی میں اتر گئی۔اسے خود بھی علم نہ ہوا۔

”اوئے۔۔۔ہیلو میڈم۔۔!!اودیارہ زندہ بھی ہو کہ لڑھک گئیں۔“

اسکو نیند میں جونہی احساس ہوا کہ کوئی اٹھا رہا ہے ژالے نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

گاڑی کے اگلے پچھلے سب دروازے کھلے ہوئے تھے۔اردگرد اتنا شور تھا۔کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دے۔وہ خود اس وقت ساری سیٹ پہ بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھی۔کچھ پل تو لگے صورتحال کو سمجھنے میں کیونکہ کچھ لمحے پہلے وہ اپنے بیڈروم میں محو خواب تھی۔آنکھ کھلی تو سب ختم۔

دن ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔ملگجا سا اندھیرا روشنی کی راہ روکنے میں مصروف تھا۔مگر روشنی پھر بھی جیت رہی تھی۔وہ کوئی سروس سٹیشن تھا۔جہاں زیادہ تر ٹرک اور ٹرک ڈرائیور ہی نظر آرہے تھے۔ہر کوئی مصروف تھا۔ایک سائیڈ پر ٹرک دھوئے جارہے تھے۔کوئی کھانا کھا رہا تھا۔کوئی ابھی تک محو خواب تھا۔ٹرک کا ہارن بجا وہ اپنی جگہ

اچھل پڑی۔

"توبہ ہے کونسی جگہ ہے یہ؟۔اوہ وہ کدھر گیا۔؟"

جوڑے سے نکل کر بکھرے بال ایک ہاتھ سے کانوں کے پیچھے ٹھونستے ہوئے گاڑی سے باہر نکل آئی اب وہ کالا سالمبا سا کلین شیو والا آدمی ڈھونڈ نا تھا۔اسی وقت وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا اور اسے دیکھتے ہی کاٹ کھانے کو دوڑا تو ژالے بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹی۔

"کیا افیم کھائی ہوئی تھی؟۔اتنا شور ہے اوپر سے کوئی دس دفعہ میں نے تمہیں ہلایا۔پر کوئی ہوش ہی نہیں۔ اور یہ تمہارا جوتا اور چادر کدھر ہے؟ ویسے ہی منہ اٹھا کر باہر نکل آئی ہو۔"

خود تو وہ خاکی ٹراوزر اور گہری براؤن شرٹ میں پورا حبشی لگ رہا تھا۔مگر ژالے کا حلیہ کافی مضحکہ خیز تھا۔ ٹراوزر پیروں کے نیچے جا رہے تھے۔شرٹ آلموسٹ گھٹنوں کو چھو رہی تھی۔بال بکھر کر گھونسلا بنے تھے۔

"چلو جوتا پہنو اور چادر اوڑھ کر جاؤ وہ اس جانب باتھ روم ہیں۔جا کر یہ چہرے سے پینٹ اتار کر آؤ۔"

اسے حکم دیکر وہ مکینک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہاں بھئی چھوٹے سارے ٹائر چیک کر لیے؟۔"

چھوٹا فوراً برآمد ہوا۔

"جی سر جی تیل پانی سب ٹپ ٹاپ کر دیا ہے۔"

اس نے اپنی جیب میں سے رقم نکال کر لڑکے کے حوالے کی۔

"تم یہ پکڑو بل میں دے آیا ہوں۔یہ تمہاری ٹپ ہے۔اور اگلی سیٹ پر تھرموس رکھا ہوا ہے۔لیجاؤ کھانے کا میں نے جو آڑر دیا ہے۔اسکے ساتھ یہ بھی بھر لانا۔" اپنی بات پوری کر کے گاڑی کے دروازے بند کرنے کی نیت سے پلٹا تو سامنے اسے کھڑا پایا۔غصہ ہی چڑھ گیا۔

"تم ابھی تک ادھر کیوں کھڑی ہو؟۔"

ژالے کے چہرے پر میلے میں بچھڑے ہوئے بچے جیسے تاثرات تھے۔اپنی بے بسی پر جی بھر کر رونا آیا۔ آنسو تیزی سے گالوں پر پھیلنے لگے۔جنہیں ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کرنے سے سارے گال پر مسکارے

اور لائنز کی سیاہی پھیل گئی۔

''جوتا پہنو۔''

ثالے نے نفی میں سر ہلایا۔اور آنسوؤں کے درمیان بولی۔''جوتے بیگ میں جل گئے۔''

اس نے ثالے کو اگنور کیا۔گاڑی کے سب دروازے بند کرنے کے بعد ڈکی میں سے سائز بارہ کے جوتے اور ایک عدد مردانہ سکارف نکال کر اسکی طرف بڑھایا۔جنہیں ثالے نے کچھ بھی کہے بغیر پکڑ کر اسکارف گلے میں اوڑھ لیا۔جوتے بھی گلے میں ڈالنے کے قابل ہی تھے۔

مگر ان میں پیر ڈال کر اسکے پیچھے چل پڑی۔جو کہ میرے ساتھ آؤ کہنے کا بول کر مسجد کی جانب جا رہا تھا۔

وہ دروازے کے قریب رک گیا۔ثالے کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔اندر جا کر ثالے نے لیٹرین کی حالت دیکھی تو فوراً وہیں سے واپس پلٹ آئی۔آگے وہ دیوار بنا کھڑا تھا۔

''واپس کیوں آئی ہو۔؟''

اس نے نظر چرائی''مجھے باتھ روم کی ضرورت نہیں ہے۔''

وہ اسکو شکی نظروں سے گھور رہا تھا۔پھر گہرا طنز مارا۔

''کیا ہی اچھی بات ہوتی اگر غریبوں کا دم بھرنے والی مدر ٹریسا انہی کے لئے بنائی گئی سہولیات کا ایک دفعہ تو استعمال کرتی۔''

ثالے کی آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی۔

''ویل میڈم مجھ سے امید مت رکھنا کہ میں کسی فائیو سٹار میں آرام کروانے کو رکوں گا۔کیونکہ ابھی کافی سفر باقی ہے۔۔''

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''جاؤ اپنا منہ دھو کر آؤ جلدی نکلنا ہے۔''

وہ ایک دفعہ پھر اسکے کہنے پر ایک طرف لائن میں لگے نل کی جانب بڑھ گئی۔خوب اچھی طرح مل مل کر چہرہ دھونے کے بعد اسکارف سے ہی چہرہ خشک کرتے ہوئے مڑی اور اپنے ہی جوتوں سے الجھ کر پٹ سے اینٹوں

کے فرش پر گری۔

مسجد کے چھوٹے سے صحن میں موجود تقریباً سبھی لوگ اسکی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

وہ جو باہر دروازے کے پاس کھڑا تھا۔ بادنخواستہ اس کے پاس آیا بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا اور اسی طرح بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا اپنے ساتھ لیکر گاڑی تک لایا۔ جوتے وہیں کہیں گر گئے تھے۔

جب وہ بیٹھ گئی تو اس نے پیک کیا گیا ہوا کھانا اور چائے کا تھرمس اسکی گود میں ڈال دیا۔ خود ایک دفعہ پھر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

میدانی علاقہ وہ لوگ کب کا پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ انجانی راہوں پر گاڑی بغیر مزید کوئی سٹاپ کئے بھاگتی گئی۔ رستے میں کئی ٹول کراس آئے۔ موٹروے پر جانے کی وجہ سے قریب کوئی آبادی یا دیہات نظر نہ آئے۔ دو تین دفعہ اسکو پھر سے اونگھ آ گئی۔ پر اسکو حیرت اس شخص پر تھی۔ جو پچھلے کئی گھنٹوں سے مسلسل گاڑی چلا رہا تھا۔

اللہ اللہ کر کے آبادی نظر آئی پہاڑی علاقہ لباس اور چہرے سے لوگ پٹھان لگ رہے تھے۔ مگر وہ نہیں جان پائی کہ کونسا شہر ہے۔

مختلف گلیوں بازاروں سے ہوتی ہوئی گاڑی ایک گھر کے باہر رک گئی۔ ڈرائیور باہر نکلا اور اسکو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے گیٹ پر لگا تالہ کھولنے لگا۔ بیٹھ بیٹھ کر ٹانگیں اکڑ گئی ہوئیں تھیں۔ اسلیے فوراً چلنے میں دشواری ہوئی۔ اس دوران ساتھ والا جن کب کا باہر والا گیٹ اسکے لیے کھلا چھوڑ کر اندر جا چکا تھا۔ وہ بھی اردگرد کا جائزہ لیتی ہوئی اسکے پیچھے آ گئی۔ گھر کے اندرونی حصے کا لاک کھول کر وہ اندر غائب ہو گیا۔ گیٹ اور اندرونی حصے کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔ جب تک وہ اندر آئی وہ سارے گھر کا چکر لگا چکا تھا۔ اسکو آگے آ کر ہال میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ کسی ربوٹ کی طرح حکم بجالائی۔

"لڑکی میری بات ذرا غور سے سنو۔۔۔ میں تمہیں اس گھر میں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ کتنے دن یہاں رہنا پڑے گا۔ کچھ نہیں کہہ سکتا ہوں۔ گھر میں کھانے پینے کی ہر چیز موجود ہے۔ کھانا تو تم بنا ہی لیتی ہو گی۔ کوشش کرنا چھت یا باغیچہ وغیرہ میں نہ جاؤ۔ فون کی بیل ہو مت اٹھانا۔ اتنا یاد رکھو تم اپنی شادی سے بھاگ کر آئی ہو۔ اور یہ

کوئی عام سے آدمی کی شادی نہیں تھی۔اس ملک کے بہت بڑے سیاستدان کے بیٹے کی شادی تھی۔وہ لوگ کتوں کی طرح تمہیں سونگتے پھریں گے۔اسلئے اس چاردیواری کو اپنا سیف ہاؤس تصور کر کے عیاشی مارو۔مجھے اب یہاں سے نکلنا ہے۔زندگی رہی تو ملیں گے۔"

اپنی بات پوری کر کے انہی قدموں واپس مڑا ہال کا دروازہ باہر سے لاک کیا۔ساتھ ہی باہر گیٹ بند ہونے کی آواز آئی پھر گاڑی کے انجن کی۔اسکے بعد تمام بیرونی آوازیں بند ہوگئیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ سب کچھ صرف تین منٹ میں ہوا تھا۔وہ اگلا آدھا گھنٹہ وہاں سے حل تک نہ سکی۔ذہن بالکل منجمد ہوگیا تھا۔اور بظاہر دل کو تسلی دیتی رہی ایسے کیسے وہ مجھے ایک نامعلوم جگہ پر اکیلی چھوڑ کر جا سکتا ہے۔مگر یہ خیال محض خوش فہمی ثابت ہوا۔

پلوں گھنٹوں کا حساب بھول گئی۔تنہائی اور خاموشی میں خوف نے اسکے وجود میں پنجے گاڑھ دیئے۔کچھ پتا نہ چلتا کب دن چڑھا کب رات ہوئی۔وہ کسی کمرے میں داخل نہ ہوئی۔سوائے باتھ اور کچن کے وہ بھی تب جب ضرورت حد سے سوا ہوگئی۔

اسکا ذہن سوچ سوچ کر مفلوج ہو رہا تھا۔پر کوئی جواب نہ کوئی حل نظر آتا۔عصاب ذہنی کشمکش کی وجہ سے بہت متاثر ہوئے۔اس دن دو دن سے وہ ہائی ٹیمپریچر کا شکار تھی۔اتنی ٹھنڈ میں بھی وہ صوفے پر پہلے سے پڑی چادر کو ہی کور کے طور پر استعمال کرتی رہی۔

کچن سے چائے کا کپ بنا کر نکل رہی تھی۔جب باہر گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔اس کے قدم وہیں ساکت ہوگئے۔دل کی دھڑکن کانوں میں سنائی دینے لگی۔ہاتھ کی کپکپاہٹ کو تو نہ روک سکی پر کپ ہاتھ سے رکھ دیا۔

قدموں کی آواز پھر کچھ وقفے سے ہال کا دروازہ کھلا۔۔

ژالے کچن میں ہی رہی اور دروازے سے پیچھے ہٹ گئی۔

اندر آنے والی ہستی نے کندھے پر ڈالا بیگ اتار کر پوری قوت سے فرش پہ دے مارا تھا۔ساتھ ہی نسوانی آواز آئی۔

"بس میری ہڈیاں گل جانی ہیں۔منحوس بورے اٹھا اٹھا کر۔نہ جانے کون سے خوش نصیب لوگ ہیں۔جنکو

دولت 'ہمت 'وراثت' حکومت ہر چیز چھپڑ پھاڑ کر ملتی ہے۔ ہمیں تو بس ملی مشقت 'محنت 'بہادری۔ ہائے میری دادی کہاں ہو تم ایک گلاس پانی ہی پلا دو۔''

ژالے عجیب احساس کا شکار ہوئی۔ سمجھ نہ آیا باہر جا کر پانی کا گلاس پیش کر دے یا اندر ہی چھپی رہے۔ تھوڑا سا سر نکال کر دیکھا۔ کالی جینز کے اوپر ریڈ ٹی شرٹ باب کٹ بال پیروں میں جوگرز وہ جو کوئی بھی تھی۔ جوتے سمیت صوفے پر ڈھیر تھی۔

ژالے کچن سے نکلی اور دھیرے سے پوچھا۔''پانی پیو گی یا جوس لے آؤں۔؟''

ژالے کی آواز سن کر وہ ٹوٹے ہوئے سپرنگ کی طرح اچھل کر صوفے سے کھڑی ہوئی۔

''تم کون ہو۔اور ادھر کیسے آئیں۔۔؟؟''

''م میں ژالے ہوں۔''

سامنے والی گھوری ڈالتے ہوئے بولی۔''ہو گی۔ پر ادھر کیا۔ کر رہی ہو۔؟''

ژالے کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ جبکہ دوسری چمک کر بولی۔

''ویٹ آمنٹ۔۔۔!! کہیں تم چڑیل تو نہیں ہو؟۔''

ژالے نے نفی میں سر ہلایا۔

''واہ یعنی تم انکار کرو گی اور میں مان لوں گی۔ جانتی نہیں ہو تم مجھے بہن چڑیل۔۔۔ ذرا سامنے آؤ ناں اپنے پیر دیکھاؤ دادی کہتی ہیں۔ چڑیل کے پیر الٹے ہوتے ہیں۔ آؤ ذرا سامنے ڈرتی ورتی میں چڑیلوں سے بھی نہیں ہوں۔ کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ بلیک بیلٹ ہوں۔ اور ابھی دبئی مقابلوں میں گولڈ میڈل جیت کر آئی ہوں۔ یقین نہ آئے۔ تو وہ بیگ کھول کر دیکھ لو۔ پر پہلے سامنے آ کر پیر دیکھاؤ۔۔۔''

ژالے صوفے کی اوٹ سے سامنے آئی۔ اس لڑکی نے اسکو سر سے لیکر پیروں تک دیکھا۔

''چلو شکر ہے۔ ایک بات تو کنفرم ہوئی۔ تم چڑیل نہیں۔ ہو۔ پر پھر کون ہو؟۔''

''میں نے بتایا تو ہے۔ ژالے ہوں۔''

''اچھا ژالے صاحبہ آپ کس سلطنت کی ملکہ ہیں۔ یا یہ ہی بتا دیں کس ملک کی صدر ہیں؟؟''

ثالے کے چہرے پر سایہ سا گزرا بولی۔

''اپنے بارے میں نام کے علاوہ بتانے کو میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔''

وہ اس کے اردگرد گھوم کر جائزہ لینے لگی۔

''یو مین ٹو سے نام ہی کافی ہے؟ اچھا چلو یہ بتاؤ ادھر کیسے آنا ہوا؟ کب سے ہو یہاں؟ کیا نعمان بھائی کی رشتے دار ہو؟ یا کس بھائی کی۔ دیکھو یہاں پانچ لڑکے رہتے ہیں۔ جو سارے کے سارے اس وقت کرسمس اور نیو ائیر کی چھٹیاں منانے گھروں کو گئے ہوئے ہیں۔ تمہاری یہاں پر موجودگی ان پانچوں کو میری نظر میں مشکوک بنا رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اپنے بھائی کو فون کر کے ان پانچوں کی شامت بلواؤں تم خود ہی بول دو۔''

ثالے ہکا بکا اسکو دیکھتی رہ گئی۔ پھر بولی۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں یہاں اپنے شو۔۔۔۔۔۔۔۔شوہر کے ساتھ آئی ہوں۔''

اب کہ سامنے والی کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''کس نے گاؤں میں میری غیر موجودگی میں شادی کر لی؟ نام کیا ہے تمہارے شوہر کا سسر کا ساس کا اگر نعمان بھائی سے ہوئی ہے ناں تو اللہ کی قسم میں انکا حلوہ بنا کر کھا جاؤنگی۔''

''B u tw a iam in u ite''.!!

نعمان بھائی کی یہ اتنی بڑی فیملی اتنا مالدار آدمی اور بیوی ادھر اور سائز مردانہ شرٹ ٹراؤزر میں۔۔ نہ نہ بات کوئی جچی نہیں۔ شوہر کا نام بتاؤ۔''

اس کی زبان کو تالے لگ گئے۔ پھر اپنی بے بسی پر آنکھوں سے سیلاب جاری ہو گیا۔

''بھئی نام پوچھا ہے۔ اس میں نیر بہانے کی کیا بات ہے۔''

''مجھے اسکا نام نہیں پتا ہے؟۔۔''

سامنے والی نے ثالے کو ایسے دیکھا۔ جیسے اسکی دماغی حالت پر شبہ ہوا ہو۔

''لگتا ہے تم خود نہیں جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو۔ کس قسم کی بیوی کو شوہر کا نام معلوم نہ ہوگا۔''

ثالے کی آنکھوں سے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔

''غور سے دیکھ لو تمہارے سامنے کھڑی ہے۔ایسی لڑکی جسکا نکاح تیئس تاریخ کو اسکی بوا نے ایک بالکل انجانے آدمی سے کر دیا۔جسکا نہ مجھے نام معلوم ہے۔نہ اسکی شکل یاد ہے۔نہ ہی یہ جانتی ہوں کہ تھا کدھر سے۔بس لاہور سے راتوں رات لایا۔ادھر چھوڑ کر چلا گیا۔کہاں گیا ہے۔میں نہیں جانتی ہوں۔کب آئے گا۔میں نہیں جانتی ہوں۔آئے گا بھی یا نہیں۔'' وہ ہچکیوں کے دوران ساری بات مکمل کی۔

اب حیران و پریشان ہونے کی باری دوسری لڑکی تھی۔اسکو بھل بھل روتا دیکھتی رہی۔جیسے یقین کر رہی ہو۔آنسو سچے ہیں۔یا مگرمچھ۔پھر آگے بڑھی۔

''اچھا اچھا ژالے رونا بند کرو۔آؤ بیٹھو۔۔''

وہ ژالے کے کانپتے وجود کو صوفے پر بیٹھا کر کچن تک گئی۔واپس آئی تو ہاتھ میں پانی کا گلاس تھا۔اور چہرے پر سوچوں کا جال۔

''یہ لو پیو۔۔''

ژالے نے گلاس تھام لیا۔مگر فوراً پیا نہیں۔

''ژالے پانی پیو تا کہ تمہاری سانس ہموار ہو۔''

اب کے ژالے نے دو تین گھونٹ بھرنے کے بعد گلاس فرش پر رکھ دیا۔

''تمہیں تو بخار ہے۔تیئس تاریخ کو اگر تمہارا نکاح ہوا تو آج تمہیں اس گھر میں پانچواں دن ہے؟ کیونکہ آج اٹھائیس ہے۔او مائے گاڈ۔۔۔کھانا کب سے کھایا ہوا ہے۔؟''

ژالے نے کوئی جواب نہ دیا اب تو رونے کی طاقت بھی نہ بچی تھی۔بازو ٹانگوں کے گرد لپیٹ کر صوفے پر نیم دراز ہو گئی۔

''ایسا ہے کہ ہمیں کچھ پوائنٹس پر بات کرنی پڑے گی۔مگر پہلے پیٹ پوجا۔کونے پر ایک فوڈ شاپ ہے۔میں انکو کال کرتی ہوں۔چاچا جی جو کہو گی۔دے جائینگے بتاؤ کیا کھاؤ گی؟؟۔۔''

''میرا کچھ کھانے کو دل نہیں کر رہا۔''

''دل تو میرا تمہاری کہانی ماننے پر بھی نہیں کر رہا۔پھر کیا کروں۔تمہیں یہاں مرنے کو چھوڑ کر چلی جاؤں؟''

ژالے نے خوفزدہ نظروں سے اسکو دیکھا۔تو اس نے بھنویں اچکا کر جتایا پھر بولی۔

"دیکھا۔۔۔۔!! تو چلو میں بھی دل کی نہیں سنتی۔تم بھی نہ سنو اس وقت وہ کرتے ہیں۔جو ضروری ہے۔ پہلے زندہ رہو گی تو اگلا سٹیپ اہم ہو گا۔سو شاباش بتاؤ کیا کھاؤ گی۔دال چاول۔۔نمکین گوشت' حلیم' نہاری سب کچھ ملتا ہے۔"

ژالے نے صرف اتنا کہا۔"جو تمہیں پسند ہے وہی منگوالو۔پر میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔بلکہ کچھ بھی نہیں ہے۔"وہ ایک دفعہ رونے کا پروگرام بنا چکی تھی۔

"اچھا اچھا اب پھر سے بوندا باندی نہ شروع کرنا پہلے ہی بڑی ٹھنڈ ہے۔تم نے تو کوئی ہیٹر بھی نہیں چلایا ہوا۔کوئٹہ کی سردی سے واقف نہیں ہو ناں اسی لیے یوں پڑی ہوئی ہو۔"

ژالے چونک کر اٹھ بیٹھی۔۔"کیا میں کوئٹہ میں ہوں؟"

"چلو۔۔۔۔یعنی تمہیں یہی نہیں پتا کہ کس شہر میں ہو۔نو ونڈر شوہر کا بھی کچھ علم نہیں۔ویسے آپس کی بات ہے۔کیا تم اسی صدی کی پیداوار ہو؟"ژالے کا جواب سنے بغیر فون سٹینڈ کی جانب بڑھ گئی۔

کھانا آڈر کر کے اسکی طرف واپس آئی۔

"اٹھو جب تک کھانا آتا ہے۔تم اپنا حلیہ بہتر کرو۔اب یہ نہ کہہ دینا کپڑے بھی نہیں ہیں۔"

ژالے نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔"سچ کہہ رہی ہوں۔نہیں ہیں۔"

وہ اپنے فرش پر پھیلے ہوئے بیگ کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"مجھے حیرت ہے کہ میں یہ سن حیران کیوں نہیں ہوئی ہوں۔خیر اسی لمحے سے تمہیں میری آمد کی اہمیت کا اندازہ ہونے والا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے بیگ کی زپ کھول کر سارا پنڈارو باکس کھول کر رکھ دیا۔

درمیانے سائز کا سوٹ کیس قسم کا بیگ اس وقت کسی منیاری کی دکان سا سما پیش کرنے لگا۔"اس نے ایک بیگ ژالے کی جانب اچھالا۔اس میں ایک سوٹ ہے۔باتھ کا تو علم ہو گا ہی کہاں ہے۔بس فوراً سے نہا کر آؤ۔ بچی میں بڑی بھوک لگی ہوئی ہے۔جہاز پر بھی نیند پوری کرنے کے چکر میں کھانا گول ہو گیا۔"

ژالے نے ہچکچاتے ہوئے بیگ کے اندر جھانکا۔اور نفی کرنا چاہی۔

''یہ یقیناً تمہارا نیا لباس ہے۔میں یہ نہیں لے سکتی۔کوئی پرانا ہے۔تو وہ دے دو۔''

وہ گھوری سمیت ژالے کی جانب مڑی۔

''سنا نہیں میں نے کیا کہا ہے۔مجھے بھوک لگی ہوئی ہے۔اب ادھر بحث نہیں کر سکتی ہوں۔پرانے سارے کپڑے میں نے وہیں پھینک دیئے بیگ میں انکی جگہ نہیں بچی تھی۔اب جاؤ شاباش جو کہا کرو۔''

ژالے مزید کچھ کہے اٹھ گئی۔

ٹھنڈے پانی سے نہانے سے چودہ کیا پندرہ سولہ یا جتنے بھی تھے سبھی طبق روشن ہو گئے۔

اسکو کانپتے ہوئے آتا دیکھ کر ہی وہ ڈپٹ کر بولی۔

''کیا ٹھنڈے پانی سے نہائی ہو۔؟؟''

ژالے نے منڈی ہلائی۔اسکی آنکھیں پھیل گئیں۔اور غصے سے بولی۔

''میری عمر جانتی ہو تیس سال ہے۔اور ان تیس سالوں میں ایک دن بھی ٹھنڈے پانی سے نہیں نہائی۔اور تم پہلے ہفتے ہی کوئٹہ کی سردی میں ٹھنڈے پانی سے نہا آئیں۔جبکہ تمہیں بخار بھی تھا۔''

ژالے کی سمجھ میں نہ آیا کیا بولے۔

وہ ایک کمرے کے دروازے کی جانب بڑھتی ہوئی بولی۔

''آجاؤ اس کمرے میں کھانا لگایا ہے۔ہیٹر بھی ہے۔آؤ''

ژالے اسکے پیچھے چل پڑی۔کمرہ کارپیٹڈ تھا۔فرش پر ایک دیواد کے ساتھ میٹرس پڑا تھا۔جس پر گہرے رنگوں کی چادر ڈالی گئی ہوئی تھی۔پیروں کی جانب نرم کمبل رکھا ملا۔

کمرے میں اسکے علاوہ ایک الماری ڈریسنگ ٹیبل اور ٹی وی موجود تھا۔میٹرس کے آگے ہی کارپٹ پر پلاسٹک شیٹ پر کھانا لگ چکا تھا۔جسے دیکھتے ہی ژالے کی سوئی ہوئی بھوک چمک اٹھی۔

کھانا کھانے کے دوران دونوں کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی۔دونوں نے ہی خوب جی بھر کر کھانا کھایا۔

کمرے میں ہیٹر کی وجہ سے سکون محسوس ہو رہا تھا۔

کھانے کے بعد اس نے ژالے کو چائے کے ساتھ پیناڈول کی گولیاں دیں۔

جب دونوں مزے سے بیٹھ کر چائے پی رہی تھیں۔ ژالے نے پوچھا۔ ''تم نے تو اپنا نام تک نہیں بتایا۔''

وہ ہنستے ہوئے بولی۔ ''تم نے پوچھا ہی نہیں۔''

پھر اپنا ہاتھ ژالے کی جانب بڑھا کر بولی۔

''اسلام وعلیکم ژالے میرا نام زینب خان ہے۔ سوفٹ وئر انجینیر بن رہی ہوں۔ اسکے علاوہ ہزاروں شوق ہیں۔ جن میں سرفہرست جہاز اڑانا' کراٹے' کرکٹ وغیرہ وغیرہ۔''

اتنے دنوں میں پہلی دفعہ اسکے لب مسکرا اٹھے۔ ساتھ ہی زینب کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

''وعلیکم اسلام اینڈ نائیس ٹو میٹ یو زینب۔''

زینب نے سینہ پھلا کر فخر سے کہا۔

''دیکھا میرے سے مل کر کسی کو اچھا نہ لگے ممکن ہی نہیں ہے۔''

ژالے اس کی اس ادا پر مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔ پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''زینب کیا یہ تمہارا گھر ہے؟۔''

زینب جو کہ فلور کشنز کے ساتھ نیم دراز آرام دہ حالت میں پڑی ہوئی تھی۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بتانے لگی۔ ''یہ گھر میری دادی اماں کے نانا کا ہے۔ سمجھ میں نہیں آیا ناں؟۔ پر ادھر وہ لوگ نہیں رہتے ہیں۔ بلکہ ہمارے گاؤں کے لڑکوں کا ایک گروپ جو ادھر شہر میں جاب یا پڑھائی کے سلسلے میں رہتے ہیں۔ انہوں نے کرائے پر لیا ہوا ہے۔ میں اور لالہ اس گھر کو کریش لینڈنگ کے وقت استعمال کرتے ہیں۔ جیسے میں آج دبئی سے آئی ہوں۔ گاؤں کو جانے والی بس شام پانچ چار بجے جائے گی۔ ایک صبح دس بجے جاتی ہے۔ تو دس بجے والی میں نے مس کر دی۔ چار بجے والی پر چلی جاؤں گی۔''

ژالے ہراساں ہو کر اٹھ بیٹھی۔ ''تو کیا تم چلی جاؤ گی؟؟؟''

''ظاہری بات ہے یار۔ پورا مہینہ ہو گیا گھر سے نکلے ہوئے۔ دادی میری تو بیچاری میرے ہجر میں آدھی ہو گئی ہوں گی۔ میں خود بھی انکے لئے بڑی اداس ہوں۔''

"کیا تم اکیلی ہی دبئی گئی ہوئی تھیں؟؟"

"نہیں میری پوری ٹیم ساتھ میں موجود ہوتی ہے۔ ہم ٹوٹل تین لڑکیاں اور چار لڑکے تھے۔ ساتھ میں ہمارے کوچ وغیرہ۔ ہاں پر فیملی ممبر کوئی نہیں تھا۔"

دونوں کے درمیان. چند پل کی خاموشی چھا گئی۔ ژالے دوبارہ سے اپنی سوچ میں جکڑی گئی۔ زینب جو بڑے غور سے اسکا جائزہ لے رہی تھی۔ ژالے کی آنکھ میں آنسو امڈتے دیکھ کر زور سے گلا کھنکارتے ہوئے شروع ہوئی۔

"دیکھو ژالے اگر تو جو کچھ تم نے اپنے بارے میں مجھے بتایا ہے۔ وہ سب سو فیصد سچ ہے۔ تو بہت بڑا مسئلہ ہے۔ جسکا ایک ہی حل مجھے یہ نظر آرہا ہے کہ تم یہاں رہ کر اپنے شوہر کے آنے کا انتظار کرو۔ مگر اس میں بھی بہت رسک ہے۔ چند دن بعد چھٹیاں ختم ہو جانے پر سارے لوگ واپس آجائیں گے پھر تم کیا کرو گی؟؟"

زینب مزید بولی۔ "بہت سارے سوال ہیں۔ جنکا فوری جواب نہ تمہارے پاس ہے ناں میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں جواب ڈھونڈ سکوں۔ اسلیے میں ایک ہی آفر کر سکتی ہوں۔ میرے ساتھ چلو۔ جا کر لالہ اور نعمان بھائی سے بات کرتے ہیں۔ اب ظاہر ہے ہمیں تو کوئی علم نہیں۔ ہوسکتا ہے وہ آدمی کوئی چور ہو۔ ہوسکتا ہے ادھر جو رہتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ہو۔ یا ہوسکتا ہے۔ انکا کوئی دوست وغیرہ ہو۔ تو اتنی لمبی کھوج لگانے کے لیے ہمیں مین پاور کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟؟۔۔"

وہ ایک دفعہ پھر زار و قطار رو دی۔

"میرا کیا خیال ہونا ہے۔ زینب میری بوا نے اپنی طرف سے مجھے ہر مصیبت سے بچانے کا حل نکالا تھا۔ مگر ادھر سب الٹ ہوتا نظر آرہا ہے۔ پہلے کم از کم میں اپنے گھر میں تو موجود تھی۔"

زینب نے بے چینی سے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

"دیکھو ژالے جو بھی فیصلہ لینا ہے جلدی لو۔ پونے تین ہو گئے ہیں۔ چار بجے بس نکلتی ہے۔ ہمیں ساڑھے تین تک سٹیشن پر ہونا چاہیے۔ ورنہ بس نکل جائے گی۔ اب تم فیصلہ کرو ادھر اکیلی بیٹھ کر شوہر کا انتظار کرنا ہے یا میرے ساتھ میرے گاؤں جانا ہے۔؟؟

’’میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ میں تمہارے ساتھ کیسے جاسکتی ہوں۔ تمہارے گھر والے کیا کہیں گے۔۔اور اگر پیچھے سے وہ مجھے لینے آگیا تو۔؟؟‘‘

’’تو یہ کہ اسکو علم ہی ہوگا یہ گھر کس کا ہے۔ انہیں کے پاس پوچھنے آئے گا ناں۔ اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے۔ تمہارا شوہر ہمارے گاؤں کا ہی ہو۔ پہچان کرا تار جوتا لینا اور اسکی ہڈی پسلی ایک کر دینا۔۔‘‘

’’ویسے ژالے کیا تم نے گھر سے بھاگ کر شادی کی ہے؟؟‘‘

’’بتایا تو ہے تمہیں میری بوا نے کروائی ہے۔ کہنے لگیں معمولی سا الیکٹریشن ہے۔ اسکے علاوہ کوئی اور امید نہیں ہے۔‘‘

’’اور تمہارے امی ابو؟؟‘‘

بھرائی ہوئی آنکھوں سے ژالے نے نفی میں سر ہلایا۔

’’کوئی بہن بھائی۔۔؟؟‘‘

ژالے نے ایک دفعہ پھر آنسو صاف کرتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

’’میں اکلوتی اولاد ہوں‘‘

’’یہ شادی کیوں اور کیسے ہوئی۔؟؟‘‘

’’نہیں بتا سکتی ہوں۔ کیونکہ اسکے ساتھ اور بھی بہت سے سوال پیدا ہونگے جنکے جواب نہیں ہیں۔‘‘

’’دیکھو اگر بتاؤ گی نہیں تو پتا کیسے چلے گا۔ اور میں تمہاری مدد کیسے کر پاؤنگی؟؟‘‘

’’میرے تایا میری جائیداد کے لالچ میں میری شادی اپنے بیٹے سے کروا رہے تھے۔ عین وقت پر میری بوا جو کہ میرے ابو کے گھر کی پرانی ملازمہ کہہ لو یا دور کی رشتے دار انہوں نے اس آدمی کو راضی کر کے نکاح پڑھوا کر اسکے ساتھ بھیج دیا۔ جو مجھے یہاں چھوڑ کر خود نہ جانے کہاں چلا گیا ہے۔ اگر مجھے چھوڑ کر ہی بھاگنا تھا۔ تو شادی ہی نہ کرتا۔ کم از کم میں اپنے گھر پر تو ہوتی۔‘‘

’’کتنی عجیب بات ہے۔ صرف دولت بچانے کے لیے تمہاری بوا یا نوکرانی جو بھی اس نے تمہیں یوں ایک اجنبی کے ساتھ بیاہ دیا۔ جہاں لوگ بیٹی دیتے وقت اتنی تفتیش کرتے ہیں۔ اس نے تمہیں سیدھا کھائی میں ہی

دھکا دے دیا۔''

ژالے نے دوپٹے کے پلو سے چہرہ صاف کرتے ہوئے۔نفی میں سر ہلایا۔

''ایسا نہیں ہے زینب میرے لئے آگے کنواں اور پیچھے کھائی تھی۔ بیچاری مجھے کنوے سے بچاتے بچاتے کھائی میں گرا گئیں۔''

''جب ڈوبنا ہی مقدر ہو تو آدمی سمندر کی بجائے گٹر میں گر کر بھی مر جاتا ہے۔''

''اگر صرف جائیداد کی بات ہوتی تو شاید بوا کو کیا مجھے خود بھی اعتراض نہ ہوتا۔مگر دنیا کی ہر برائی اس آدمی میں موجود ہے۔ سٹے لگانا' ڈرگ بیچنا' لڑکیوں کا کاروبار' بھتا خوری' لوگوں کی املاک پر قبضے کرنا۔اسکی تو پہلے ہی نہ جانے کتنی شادیاں ہو چکی ہیں۔ پر یہ تھا کہ مجھے اس نے عزت بنا کر ہی رکھنا تھا۔ میں اسکے خاندان کا خون ہوں۔اب کیا ہوگا کچھ نہیں جانتی ہوں۔''

''وہ مجھے ڈھونڈ رہا ہوگا۔عام آدمی ہوتا تو وہ بھی ایک دفعہ آسمان سر پر اٹھاتا اگر اسکی ہونے والی بیوی شادی والے دن ہی غائب ہو جاتی۔ یہ تو پھر بہت بڑا ڈون ہے۔میں اسکے ہاتھ لگ گئی مجھے علم ہے۔وہ میری بوٹی بوٹی کر کے کتوں کو کھلا دیگا۔اور جو محافظ بنا تھا وہ تو مٹس کارتوس ثابت ہوا۔۔''

''اوہ مائے گاڈ ژالے یہ تو کوئی فلم ڈرامے کی سٹوری لگ رہی ہے۔''

''Too much action too much fun''

''پر ژالے اگر وہ اتنا خطرناک آدمی ہے۔اس نے ضرور تمہارا پیچھا کیا ہوگا۔اگر ادھر آ گیا تو کیا کرو گی۔ دونوں کا گاٹا اتار کر کوئی بڑی آسانی سے چلا جائے گا۔میرے پاس تو اس وقت کوئی بندوق بھی نہیں ہے۔''

''اس لئے عقل کو ساتھی مانو اور چلو میرے ساتھ وہاں پر یہاں سے تو محفوظ ہو گی۔''

زینب نے اسکے پیچھے چڑھ کر اسے تیار کیا۔پر شاک رہ گئی۔

''تمہارے پاس جوتے بھی نہیں ہیں؟؟۔''

''خدایا اب میں جوتے کہاں سے لاؤں میرے والے تو تمہیں پورے بھی نہیں آنے۔ دیکھو ذرا تمہارا

پاؤں دیکھنے میں ہی میرے سے بڑا ہے۔"

اس نے اپنا پیر ژالے کے پاؤں کے پاس رکھا۔فرق صاف ظاہر تھا۔کپڑے بھی اسلیے پورے آگئے کیونکہ تھے ہی لمبے اور کھلے سے۔زینب اسی وقت مڑی ایک ایک کی الماری ڈریسنگ چھان کر ایک پشاوری چپل لائی جو کہ عین اسکے ماپ کی ہی لگ رہی تھی۔

"فوراً پہنو نکلیں ادھر سے۔"

اپنا لباس وہ پہلے ہی بدل چکی تھی۔ٹراؤزر اور ٹی شرٹ کے اوپر عبایا پہن لیا تھا۔اسکے پیچھے گھر کی دہلیز پار کر کے باہر آتے ہوئے ژالے اپنے گرد دوپٹہ اچھی طرح لپیٹنے کے بعد اپنا چہرہ بھی چھپا چکی تھی۔

تیز تیز قدموں سے دونوں گلی سے نکل کر سڑک تک آئیں۔رکشہ روکا اگلا سٹاپ بس سٹیشن تھا۔ژالے پریشان ڈھونڈتی نظروں سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی۔

زینب نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دیتے ہوئے۔اسکے کان کے قریب سرگوشی کی۔

"ریلیکس کرو۔بس چل پڑی ہے۔ڈیڑھ گھنٹے میں ہم گھر ہونگے۔"

پر جواب میں ژالے خاموش ہی رہی۔۔

اسکا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔نہ جانے اسطرح زینب کے ساتھ چل دینا ٹھیک بھی تھا کہ نہیں۔کیا اسکے گھر کے لوگ اسکے ساتھ ژالے کو دیکھ کر سوال جواب نہیں کریں گے؟؟۔اگر انہوں نے پوچھ تاچھ کی تو کیا ژالے کو اپنا ماضی اور گھر سے فرار ہونے کا قصہ یونہی ہر ایک کو سنانا پڑے گا؟؟۔آخر وہ آدمی چلا کہاں گیا؟؟ کم از کم مجھے اسکا نام تو یاد رہنا چاہیے تھا۔مگر اس وقت میرے دماغ میں یہ باتیں آئیں ہی نہیں۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا وہ یوں کرے گا۔آنکھ سے چند قطرے فرار ہو کر دوپٹے میں جذب ہو گئے۔۔۔

☆......☆......☆

وہ سراپا حسن تھی۔جو راہ چلتے ہوؤں کے ایمان ڈول دے۔اسکی طالب علمی کے زمانے میں ماں دادی نے ایک دن بھی پردے کے بغیر گھر سے قدم باہر نہ نکلنے دیا۔پردہ کوئی نیکیاں کمانے کے چکر میں نہیں کرواتی تھیں۔بلکہ کئیوں کو گناہگار ہونے سے بچانے کی تدبیر تھی۔اسکی جوانی بھی چپ چاپ چھپ کر گزرنے والی نہ

تھی۔ بلکہ کھنک دار دوسروں کو جھنجھوڑنے والی تھی۔ نزاکت اس قدر کہ لگتا زمین پر نہیں بلکہ قدم پانی کی سطح پر جما کر چلتی ہو۔ اسکو دیکھ کر پہلا خیال یہی آتا بڑی محنت اور وقت لگا کر تیار ہوئی ہوگی۔ پر حقیقت یہ تھی۔ جو رنگ پہنتی کھل جاتا۔ جو سٹائل اپناتی لگتا اسی کے لیے ہے۔ وہ عام سے حلیے میں خاص دکھتی۔ آج وہ انتیس سال کی عورت دو بچوں کی ماں کم اور ایک بیس بائیس سال کی طالبہ زیادہ لگتی۔

خوبصورتی و تازگی کے لحاظ سے اس کے کل اور آج میں کوئی فرق نہ تھا۔ بلکہ آج وہ گزرے کل سے بھی زیادہ شاداب تھی۔

مگر وہ کل والی ساحرہ جمال نہیں تھی۔ بلکہ آج وہ سردار احمد یار خان کی بیوی مسز ساحرہ احمد یار خان تھی۔

اسکی شخصیت میں پائی جانے والی تمکنت کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ وہ جمال علی گیلانی کی اکلوتی بیٹی تو تھی ہی پر سرداروں کی بڑی بہو بھی بنی۔ باپ نے اگر سکھ اور شانتی کے جھولے میں جھلا کر پالا تھا۔ تو دوسری طرف احمد یار خان بھی منہ میں سونے کا نوالا لیکر پیدا ہوا تھا۔ شائد یہ کوئی قانون ہے کہ جب سب کچھ بن مانگے بن چاہے مل جائے تو انسان یونہی ناشکرا اور منکر ہو جاتا ہے۔

اسکی دوست کا آج ولیمہ تھا۔ بارات اور مہندی میں شرکت نہ کر پائی تھی۔ اسلیے بھی آج آنا لازمی تھا۔

سکن اور میرون امتزاج کی کام والی شارٹ شرٹ کے ساتھ سکن رنگ کا ٹخنوں سے اٹھ کر ران کا نظارہ کرواتا پاجامہ۔ ساتھ میں ہیل۔ ایک کندھے پر لاپرواہی سے رکھا میرون دوپٹہ ہاتھ میں میرون پاؤچ۔ دونوں بازؤں میں سے ایک میں سونے کی موٹی موٹی نفیس چوڑیاں دوسرے بازو پر گولڈن راڈو کی گھڑی۔ کھلے بالوں میں سے کبھی کبھی جھانکتے میرون بڑے بڑے نگوں والے جھمکے لائٹ ہلکا سا میک اپ۔

خوشبو لٹاتے وجود کے ساتھ جب سٹیج پر دوست کو مبارکباد اور گفٹ دینے آئی۔ اس دوران ان گنت نگاہوں کا مرکز صرف وہی تھی۔

ابھی وہ وہاں کچھ پل دوست کے ساتھ بیٹھتی مگر دور ہال کے دروازے سے باہر کسی کی ایک جھلک دکھائی دی۔ جس نے نہ صرف ساحرہ کی دھڑکن بڑھا دی بلکہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی چھین لی۔ کیمرے کی آنکھ اور لوگوں کے تجسس کو فراموش کرتی تیز قدموں سے ہال سے باہر آئی۔ رات کے ساڑھے نو کا وقت ہونے کے

باوجود میریٹ کا احاطہ روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔

پارکنگ میں موجود اپنی گاڑی کا لاک کھولتا یقیناً وہ کوئی اور نہیں وہی تھا۔

پل ساکت ہو گئے۔آنکھوں کی پتلیاں جامد ہو گئیں۔اس ایک چہرے کو ساحرہ احمد یار نے کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا' کوئی بازار' چوراہا' چوک محلہ نہیں چھوڑا تھا۔ جہاں اس شخص کے نام کا پرچار نہ کیا ہو۔مگر یہ کہیں نہ ملا اور آج اتنے سالوں بعد یوں دکھائی دے گیا؟۔

وہ بھرائی ہوئی آنکھوں سے اسکو روکنے کی خاطر اسی جانب بڑھی تھی۔مگر دوسرے لمحے یہ آگہی ملی۔وہ اکیلا نہ تھا۔اسکے ساتھ ایک پیاری سی عورت اور سات آٹھ سالہ بچی تھی۔

اس نے پپا کہہ کر اپنی طرف آنے والی لڑکی کے گال پر پیار کرنے کے بعد اپنے برابر والی سیٹ عطا کی تھی۔

''تو کیا اس نے شادی کر لی؟؟''

یہ خیال ناگ بن کر اسکو ڈس گیا۔قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے۔ چہرے پر دکھ کی ایسی کیفیت جاگی کہ جن پلوں میں وہ پلٹ رہی تھی۔اس آدمی کی نظر اس پر پڑ گئی تھی۔اسکو دیکھ کر اسکی وہی کیفیت ہوئی تھی۔جو کچھ دیر پہلے ساحرہ کی ہوئی۔

مگر اس سے پہلے وہ اپنی گاڑی سے نکلتا۔وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ وہاں سے جا چکی تھی۔

☆......☆......☆

''اسلام علیکم آغا جی احمد یار عرض کر رہا ہوں۔''

''وعلیکم اسلام احمد ہم پہچان گئے ہیں۔سناؤ بچے اور تم سب ٹھیک ہو؟؟''

''جی آغا جی اللہ کا احسان ہے۔''

''اگر احسان ہے۔تو احمد تمہاری آواز میں یہ تھکاوٹ کیسی؟؟''

وہ مجروح سی ہنسی ہنس دیا۔

''پتا نہیں آغا جی کیوں پر تھکاوٹ میرے ریشے ریشے میں اتر کر دن بدن مجھے کھوکھلا کرتی جا رہی ہے۔''

اسکے لہجے میں بولتے دکھ نے باپ کے سینے کو چھلنی کر دیا تھا۔

''احمد تم اس عورت کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے ہو؟''

''آغا جی اسکو چھوڑ دینے سے اگر میرے دل کے زخموں کا علاج ہوتا تو کب کا میں یہ کام کر چکا ہوتا۔''

''احمد تمہارے ساتھ ہونے والی اس زیادتی کے لئے میں اور تمہاری ماں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر سکتے۔ کیونکہ بلآخر وہ پسند تو ہماری تھی۔''

''میں آپ سے لاتعداد مرتبہ درخواست کر چکا ہوں۔ آغا جی پلیز یوں سوچ کر خود کو اذیت نہ دیا کریں۔ خیر اب آپ کی پسند اتنی بھی بری نہیں ہے۔''

اس نے بات میں مزاح پیدا کرنا چاہا۔ ''بس تھوڑی موڈی اور نک چڑھی ہے۔''

''ہاں ساتھ میں بے حس، ظالم اور شوہر کی نافرمان بھی میرے ہیرے سے بیٹے کے دل کو توڑنے والی بد بخت عورت۔'' دوسری طرف فون پر بی جان آ گئیں تھیں۔

وہ دھیرے سے احتجاج کرتا بولا۔ ''بی جی ایسا نہ کہیں میرے بچوں کی ماں ہے۔ اگر انہوں نے آپ کے الفاظ سن لئے تو معصوم فرشتوں کے دل کو ٹھیس پہنچے گی۔''

''احمد یار میرے جگر کے ٹکڑے ہمارے معاشرے کا مرد تیرے سا صابر اور تحمل مزاج نہیں ہوتا۔ لوگ کہتے ہیں سردار احمد یار خان اپنی بیوی کو بارہ سالوں میں بھی قابو نہ کر سکا۔''

''بی جی لوگ تو پاگل ہیں۔ میں تو جانوروں کو قابو کرنے پر یقین نہیں رکھتا اور یہاں تو ایک جیتے جاگتے سانس لیتے وجود کی بات ہو رہی ہے۔ بی جی انسان کو اللہ پاک نے اشرف لمخلوق بنایا ہے۔ عقل فہم دیکر فرشتوں سے اسکو سجدہ کروایا ہے۔ کیا میں اسکے ساتھ اس وجہ سے سخت رویہ اپناؤں کہ وہ میرے آنے پر میرا ہنس کر استقبال نہیں کرتی؟۔ میرے بچوں کی خاطر اسکے پاس دو گھڑی وقت نہیں ہے۔ وہ انکی تعلیم و تربیت میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ وہ سال کے چھ مہینے اپنے بچھڑنے والوں کو یاد کر کر کے روتی ہے۔ اور باقی کے چھ ماہ دن رات پارٹیاں اڑا کر اپنا دکھ بھولنے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ تو پہلے ہی کوشش کر رہی ہے۔ اس میں مزید کچھ کہنے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔''

''اور بی جی کیا آپکا احمد اتنا گیا گزرا انسان ہے کہ بیوی کو مار پیٹ کر اسکے دل میں اپنی محبت پیدا کرے؟؟''

وہ اندازہ بھی نہ کر سکا کہ اسکا یہ شکستہ سوال ماں کے دل پر کیسی قیامت ڈھا گیا تھا۔ انکی آنکھیں احمد کے غم میں نم ہو گئیں۔۔

''خیر نہ جانے کیوں ہمیشہ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو ایک ہی رخ اختیار کر جاتی ہے۔ بی جی میں نے آپ کو فون اسلئے کیا ہے۔ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ ساحرہ اپنے والدین کی طرف گئی ہوئی ہے۔ کوئی علم نہیں کب واپس آتی ہے۔ ادھر گڑیا کو بڑا تیز بخار ہے۔ آپ پلیز اسکے پاس آجائیں میری کل ایک اہم میٹنگ ہے۔ نہیں تو میں آپ کو زحمت نہ دیتا۔''

''اچھا بس کرو احمد یار تمہیں ماں کے ساتھ تو کم از کم اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آجاؤنگی میری جان۔ ماں قربان اپنے بچوں پر۔ تم نے گڑیا کو دوا وغیرہ دلیوائی۔

''جی سات بجے سے اسی کو بہلا رہا ہوں۔ ابھی دوا کے زیر اثر سو گئی ہے تبھی اسکے پاس سے اٹھ پایا ہوں۔''

''یوں اچانک بخار آ کیسے گیا۔ ابھی پچھلے ہفتے تو بالکل ٹھیک ہنستی بولتی کو چھوڑ کر آئی ہوں۔''

''ڈاکٹر نے بتایا موسمی تبدیلی کی وجہ سے وائرس کیچ کر گئی ہے۔ اینٹی بائیوٹیک کا کورس دیا ہے۔ انشااللہ جلد ٹھیک ہو جائے گی۔

''انشااللہ تم فکر نہ کرو۔ مجھے اسی وقت فون کر دیتے میں آجاتی۔ ابھی نہ تو محمد یار گھر پر ہے۔ اور ڈرائیور بھی چلا گیا ہے۔ تم ایسا کرو اپنا ڈرائیور بھیج دو میں ابھی آجاتی ہوں۔''

''نہیں بی جی آپ صبح آرام۔ سے آجایئے گا۔ میں ڈرائیور بھیج دونگا۔ رات کو میں اسکے پاس سو جاؤنگا۔''

''احمد یار میرے لال میں جانتی ہوں۔ تم بہت اچھے باپ ہو۔ اپنی بیٹی کی خاطر ساری رات جاگ کر بھی گزار لوگے۔ چاہے صبح تمہیں کتنے ہی ضروری کام کیوں نہ سر انجام۔ دینے ہوں۔''

''پر میرے شہزادے اپنی ماں کے دل کا بھی سوچو کیسے ساری رات آرام سے رہ سکوں گی۔ اگر میرا بچہ بے آرام رہے گا۔ تم بھیجو ڈرائیور کو میں انتظار کر رہی ہوں۔''

''آپ کے اس وقت آنے سے آغا جی کو صبح آفس جاتے وقت تیاری میں مشکل پیش آئے گی۔''

''تمہارے آغا جی اب چھوٹے سے بچے تو نہیں ہیں۔ نوکروں کی فوج انکے اشارے پر کام کرتی ہے۔ میں

تو صرف لڑائی جھگڑے کے وقت کام آتی ہوں۔ آج بھی لیکر بیٹھے ہوئے تھے تمہارے بہنوئیوں کی باتیں۔ بس تھکتے نہیں ہیں۔ ہر وقت سر کھپانے کو تیار ہوتے ہیں۔ اسلئے انکی فکر نہ ہی کرو ویسے بھی محمد یار بھی تو ہے گھر پر۔ تم جلدی سے بھیجو ڈرائیور میری گڑیا کہہ رہی ہوگی۔ اماں نہ جانے کدھر کھپ گئی ہیں۔"

وہ اپنی ماں کے پیار پر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"جو حکم۔۔۔!! ابھی بھیج دیتا ہوں۔ اوکے خدا حافظ۔۔"

فون رکھ کر ارد گرد نظر دوڑائی۔ پاس کوئی نوکر نظر نہ آیا۔ خود ہی چلتا ہوا باہر کی طرف آ گیا۔

"رشید۔۔۔؟؟"

"جی آکھاں سردار جی۔۔۔"

"یار ذرا جا کر بی جی کو لے آؤ۔ وہ انتظار کر رہی ہیں۔"

"سو بسم اللہ سردار جی میں ہنے ہی جاناں۔"

"ہاں جاؤ۔ اور کھانا وغیرہ کھایا ہے۔۔؟؟"

"میں صدقے جاواں سردار جی اس گھر دا کوئی نوکر کدی بھکھا نہیں ستا۔ میں الحمد للہ فکر کدے دا کھا لیا اے۔"

"چلو جاؤ پھر رات گہری ہو جائے گی۔"

احمد یار واپس اندر کی جانب بڑھ گیا۔ جبکہ رشید اسی وقت روانہ ہو گیا۔

احمد یار کو علم تھا۔ ماں اسے رات کے دس بجے فارمل کپڑوں میں دیکھیں گی۔ تو انہیں اسکے آرام کی فکر نئے سرے سے لاحق ہو جائے گی۔ اسلئے اپنے کمرے آتے ہی اس نے تھری پیس سوٹ اتار کر سفید شلوار سوٹ زیب تن کر لیا۔ اس سارے عمل کے دوران۔ اسکے چہرے پر دکھ کی گہری تحریر تھی۔

وہ کوئی ہمیشہ سے اتنا سنجیدہ اور سوچوں میں ڈوبا رہنے والا انسان تو نہیں تھا۔ وہ تو ایک خوبصورت زندہ دل نوجوان تھا۔ جسکے بھرپور قہقہوں سے انکے گھر کا ماحول زندہ سانس لیتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ بہنوں سے چھیڑ چھاڑ کرنا۔ چھوٹے بھائی کی وقتاً فوقتاً ٹانگ کھینچنا۔ ماں سے ڈانٹ کھانی۔ آغا جی سے چوری دوستوں کے ساتھ ہر

سال پاکستان کی سیر کو جانا۔واپسی پر خوب ڈانٹ پڑنی پر وہ سر جھکا کر ساری ڈانٹ سن لیتا۔باپ کے سامنے زبان کو قفل لگ جاتے۔پر جیسے ہی آغا جی غصہ نکال کر منظر سے ہٹتے۔وہ فوراً سب کے درمیان راجہ اندر بن کر بیٹھ جاتا۔تصویروں کے ڈھیر۔شہر شہر سے خرید کر لائی ہوئی سوغاتیں اور دوستوں کے لطیفے آنے والی کئی دنوں تک یہ سب گھر کی مین انٹرٹینمنٹ رہتی۔نوشابہ چپ ہوتی تو شیبہ شروع ہو جاتی۔بھائی بتاؤ ناں جب گاڑی پہاڑوں پر چڑھ رہی ہوتی ہے۔کیا. تمہیں ڈر نہیں لگتا؟؟"

وہ گردن اکڑا کر فوراً جواب دیتا۔

"پاگل ہو گیا۔تمہارا بھائی اللہ کے بعد آغا جی کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا۔"

نوشابہ اسی وقت ماں کو پمپ کروانا اپنا فرض سمجھتی۔

"بی جی سن رہی ہیں۔۔؟؟احمد یار آپ سے بالکل نہیں ڈرتا۔۔"

"ہاں تو کیوں ڈروں؟؟میری بی جی کونسا کوئی باہر والی مخلوق ہیں۔"

نوشابہ نے دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"توبہ استغفار احمد یار تم آغا جی کو باہر والی مخلوق کہہ رہے ہو۔؟؟"

"بی جی چپ کروالیں اس ماسی سکینہ کو ورنہ دولگاؤنگا۔بھوتنی نہ ہو تو۔"

آخر کار بی جی کی باری آئی۔انہوں نے دونوں کو ڈانٹ دیا۔

"تم دونوں ہی کم نہیں ہو۔۔بہن کو ایسے بولتے ہیں؟؟اور نوشابہ تمہاری بھی گز بھر لمبی زبان ہے۔کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں۔اسکا نام لیکر مت بات کیا کرو۔وہ تم سے بڑا ہے۔"

"جانے دیں بی جی کونسا کوئی سو سال بڑا ہے۔ایک سال کا فرق ہے۔میں تو اسکو ہمیشہ احمد یار ہی بولونگی۔

"کوئی نہیں کہنے دیں جو کچھ بھی کہتی ہے۔بے جی میں بھی اسکو چڑیل ہی بلاؤنگا۔"

"ایویں چڑیل بلاؤ گے۔چڑیل ہو تمہاری کوئی ہوتی سوتی۔خبردار جو مجھے ایسا بولا۔جا کر سیدھا آغا جی کو بتا دونگی مہینے کی کون کونسی تاریخ کو دوستوں کے ساتھ مل کر فلمیں دیکھتے ہو۔"

"بتا دینا آخر ایک شکایتی چوہی سے اور کیا امید کی جا سکتی ہے۔اپنی دفعہ بھی آنا میرے پاس منہ لٹکا کر"

احمد دیکھو بھائی نہیں کس پیپر بتادو" آئی بڑی بلیک میلر۔۔۔۔"

وہ اسکی بیچاری سی صورت کو فاتح نظروں سے دیکھتے ہوئے چڑاتا۔نوشابہ کو اور آگ لگ جاتی۔

اور ہر دفعہ دونوں کی یونہی جھڑپیں ہوتیں۔مگر جب دونوں کو ایک دوسرے سے کوئی کام ہوتا۔ایک گھی تو دوسرا شکر ثابت ہوتا۔احمد یار آغا جی کی سب سے پہلی اولاد تھا۔اسلیے اس سے محبت اور امیدیں بھی زیادہ تھیں۔ وہ چاہے جتنا بھی لاابالی اور شوخ رہا ہو۔ماں باپ کو کبھی مایوس نہیں کیا۔ہر سال اپنی کلاس میں بہترین رزلٹ لینا۔کھیلوں میں اول آنا تقریری مقابلے میں اپنی دھاک بیٹھانا۔یہ سب اسکے کریڈٹ میں جاتا تھا۔وہ اپنے والد صاحب کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ملک کا سب سے قابل وکیل بننا چاہتا تھا۔دن رات کی محنت سے اس نے باپ کا یہ خواب بھی شرمندہ تعبیر کیا۔اسکے بعد احمد یار سے ایک سال چھوٹی نوشابہ تھی۔خوبصورتی تو تمام بہن بھائیوں کو خاندان سے وراثت میں ملی تھی۔وہاں چاروں میں کوئی مقابلہ نہ تھا۔چاروں کے چاروں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑتے تھے۔

نوشابہ نے ایم اے اسلامیات اور ناظرہ کا کورس کیا تھا۔نوشابہ چونکہ باپ کی لاڈلی رہی۔اسلیے موڈی تھی۔پر دل کی پیاری ایسے لوگوں میں سے جو زیادہ جتاتے نہیں مگر ہوتے سب کا خیال کرنے والے ہیں۔بی جی کی کڑی تربیت میں ہر کام کا ہنر سیکھا کھانے بنانے سے کپڑے سینے پرونے تک سب کچھ۔

نوشابہ سے چھوٹی توشیبہ من موجی انسان نرم لب و لہجے والی سب کی پیاری۔بھائیوں پر جان دینے والی بہن کو اپنا رول ماڈل سمجھنے والی۔چھوٹی چھوٹی باتوں پر رو دینے والی۔بڑی سے بڑی ناراضگی ایک مسکراہٹ پر لٹا دینے والی۔نوشابہ کی رائے کے مطابق حد سے زیادہ کام چور بی جی کو مسکا لگا کر پیسے بٹورنے والی۔کھانے پینے کی شوقین اور کھانا بنانے سے جان جاتی۔ایم کام کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔

نوشابہ اور احمد یار کی شادیاں ایک ساتھ ہوئیں تھیں۔توشیبہ کی چار سال بعد برادری میں ہی اچھا رشتہ مل جانے پر کر دی گئی۔اب صرف محمد یار ہی رہتا تھا۔جو اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد باپ کی بنائی ہوئی لاء فرم میں والد اور بڑے بھائی کے ساتھ ہی ایک وکیل کی حیثیت سے پریکٹس کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

دروازے پر دستک دیکر ایک دس سالہ لڑکا اندر آیا تھا۔

احمد یار نے نظر اٹھا کر اپنی کاربن کاپی اپنے بیٹے کو اپنے سامنے دیکھا۔ تو چہرے پر حد درجہ نرمی چھانے کے ساتھ آنکھوں کی چمک بھی بڑھ گئی۔

''پپا میں نے آپ کو ڈسٹرب تو نہیں کیا۔؟؟''

''ارے نہیں غازی۔۔ آؤ بیٹھو۔''

وہ خود ابھی آفس سے آیا تھا۔ بے جی نے ملازمہ کے ہاتھ چائے اسکے کمرے میں ہی بھجوادی تھی۔

اس وقت چائے پیتے ہوئے سی این این دیکھ رہا تھا۔

وہ آکر باپ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا۔

''چائے پیو گے؟؟''

غازی نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں آپ پیئیں میں دودھ پی کر آرہا ہوں۔ ہاں کیک ضرور کھاؤنگا۔۔''

''اچھا۔ ٹھہرو میں تمہیں نکال دیتا ہوں۔''

احمد یار نے آلمنڈ کیک کا سلائس کاٹ کر ایک پلیٹ میں ڈالنے کے بعد بیٹے کی جانب بڑھایا۔ جسے اس نے تھام لیا۔ ساتھ ہی بولا۔

''میں نے ہیومن باڈی کے بارے کچھ فیکٹس پڑھے ہیں۔ آپ کے ساتھ شیئر کروں؟۔''

اس نے پرامید نظروں سے باپ کے چہرے کو دیکھا۔''

احمد یار دھیرے سے مسکرایا۔ پر غازی کے چہرے پر ہمیشہ کی طرح آج بھی امید اور ناامیدی ایک ساتھ دیکھ کر دل اداس بھی ہوا۔ وہ اس بات کا راز بھی جانتا تھا۔ اسی لیے ہمیشہ کی طرح پوری دلچسپی سے بیٹے کی طرف رخ کر کے بیٹھتے ہوئے بولا۔

''غازی تم جانتے نہیں کیا۔ مجھے تمہارے منہ سے مختلف قسم کی معلومات سن کر کتنا مزا آتا ہے۔ میں خود تو سائنس کا سٹوڈنٹ نہیں تھا۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گا۔ تم جیسے اچھے استاد نے مجھے سائنس کے بارے میں بہت کچھ سیکھا

دیا ہے۔جلدی سے بتاؤ آج کیا نیا پڑھا۔''

غازی کے چہرے پر بڑی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''Thanks pappa's

'' آپ کو پتا ہے۔ ہر جاندار ہزاروں کروڑوں خلیوں کا مجموعہ ہے۔خلیوں کی بنیادی دو اقسام ہیں۔حیوانی خلیے اور نباتاتی خلیے۔انسانی جسم حیوانی خلیوں سے مل کر بنا ہے۔ ہر ایک جسمانی اعضا جیسے دل • گردہ • جگر ہزاروں خلیوں سے مل کر بنتے ہیں۔''

احمد کی ساری توجہ خود پر محسوس کرتے ہوئے۔غازی بڑے جوش سے بتاتا جا رہا تھا۔

''میں نے جن خاص خلیوں کے بارے میں آج سیکھا۔وہ ہمارے خون کے خلیے ہیں۔جو کے تین قسم کے ہیں۔سفید خلیے • سرخ خلیے اور پلاٹیلیٹس۔۔۔۔ یہ تینوں قسم کے خلیے ایک گدلے سے پانی میں تیر رہے ہیں۔ جسکو پلازمہ کہتے ہیں۔

''اور پپا ہمارے خون کا رنگ سرخ • سرخ خلیوں کی وجہ سے نہیں ہے۔بلکہ سرخ خلیے جو آکسیجن کو اپنے اندر جذب کر کے ہمارے سارے جسم. کو آکسیجن پہنچاتے ہیں۔اس آکسیجن کی وجہ سے ہی انکو سرخ رنگ ملتا ہے۔ پپا انکی شیپ گول ہوتی ہے۔یہ سپنج کے جیسے ہوتے ہیں۔کسی بہت تنگ نالی سے گزرتے ہوئے یہ اپنی ساخت بدل کر گزر جاتے ہیں۔''

احمد نے سوال کیا تا کہ بیٹے کو یقین ہو سکے کہ باپ واقعی سن رہا ہے۔

''غازی سفید خلیوں کا ہمارے جسم میں کیا کردار ہے۔؟؟''

''پپا بہت ہی حیران کن سفید خلیے ہمارے جسم کی فوج ہیں۔جو چوبیس گھنٹے باڈر پر پہرا دیتے ہیں۔''

احمد یار کو ہنسی آ گئی۔

''غازی تمہارا مطلب ہے۔ہمارے جسم میں بھی سرحدوں کی رکھوالی کو جرات مند جوان موجود ہیں۔''

غازی نے بھی ہنسی میں باپ کا ساتھ دیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

''یہ سچ ہے پپا۔بنیادی طور پر یہ ہمارا امیون سسٹم رن کرتے ہیں۔کوئی چھوٹے سے چھوٹا بیکٹیریا جسم میں

چلا جائے۔ یہ سسٹم کو ہائی الرٹ کر دیتے ہیں۔ اور پپا انکے کمانڈوز کا دستہ جا کر نئے آنے والے مہمان کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے۔ جدھر جدھر جراثیم جاتا ہے۔ گارڈز اسکا پیچھا کرتے ہیں۔ ساتھ میں پوری انویسٹی گیشن کی رپورٹ بنا کر ہیڈ کواٹر بھجوائی جاتی ہے۔ جہاں پر دشمن کی طاقت کے برابر ہتھیار سے لیس جوان جنکو اینٹی باڈیز بولتے ہیں۔۔ وہ اس جراثیم کو نیست و نابود کر دیتے ہیں۔۔"

احمد واقعی حیران ہوا تھا۔

"تو غازی اسکا مطلب یہ ہوا۔ اگر ہمارے جسم میں سفید خلیے مطلوبہ مقدار سے کم ہو جاتے ہیں۔ تو بیماریاں آسانی سے ہمیں یرغمال بنا سکتی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک پپا۔۔ بلکہ آپ کو ایک اور بات بتاؤں یہ جو ایڈز ہے ناں بنیادی طور پر اس بیماری میں آپ کے جسم میں موجود تمام سفید خلیے مر جاتے ہیں۔ آپ کے جسم کا دفاعی نظام ختم ہے۔ جسم سفید خلیے بنانے بند کر دیتا ہے۔ اسلیے ایڈز کے مریض بیماریوں سے لڑنے کی دوا ساری عمر کھاتے ہیں۔"

"اور پپا اس سے بھی مزے کی بات سنیں۔ یہ جو خون میں موجود پلاٹیلیٹس ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو کسی بھی معمولی سی چوٹ کے نتیجے میں نکلنے والا خون رکے ہی نہیں۔ آپکا مریض خون کے زیادہ بہنے سے مر بھی سکتا ہے۔ کیونکہ پلاٹیلیٹس وہ خلیے ہیں جو کسی بھی زخم کا منہ بند کرتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہے ناں پپا جب کہیں چھری کا کٹ لگ جائے یا دروازے میں ہاتھ آجائے خون نکلتا ہے۔ پر تھوڑی دیر بعد خون گہرا ہو کر جمنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ اصل میں پلاٹیلیٹس ہیں۔ جو بعد میں کھرنڈ بنتے ہیں۔"

بولتے بولتے ایک دم رکا لمبا سانس کھینچا۔

"پپا میں نے آپ کو بور تو نہیں کیا؟؟"

احمد یار نے نفی میں سر ہلایا۔

"بور؟؟؟" نہیں غازی میں تو ہر دفعہ تمہاری باتیں سن کر بڑا فخر محسوس کرتا ہوں۔۔ اور جانتے ہو جو بھی تم مجھے اپنے چاچو کو یا آغا جی کو بتاتے ہو۔ جب آفس میں ہم لوگ بات کرتے ہیں۔ تو ہمارے کلائینٹس حیران ہوتے ہیں۔ وہ ماننے پر تیار نہیں ہوتے کہ تم صرف دس سال کے ہو۔ تب آغا جی بڑے فخر سے کہتے ہیں۔ میرا

غازی جب تک انیس بیس سال کا ہوا۔اس نے ساری سائنس کھنگال لیتی ہے۔کیونکہ وہ ہر وقت سائنس میں سر دیئے نظر آتا ہے"۔

"آغا جی تو ہیں ہی سویٹ ہارٹ وہ میرے سے پیار بھی بہت کرتے ہیں۔آپکو پتا ہوگا جب آخری دفعہ سعد لوگ آئے تھے۔آغا جی بولے سعد چلو تمہارا اور غازی کا مقابلہ ہوگا۔تو نوشابہ پھوپھو نے منع کر دیا۔وہ بولیں آغا جی ہم سب جانتے ہیں غازی آپ کا ببر شیر ہے۔اور میرا سعد چھوٹا سا رٹے مارنے والا طوطا۔۔۔سعد کو اپنی امی کی بات بہت بے عزتی والی لگی۔"

احمد یار ہنستے ہوئے بولا

"پھوپھی تمہاری کو بھی تو ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔سعد کو غصہ تو آنا ہی تھا۔آخر کار وہ ہر سال اپنی کلاس میں ٹاپ پر آتا ہے۔"

"آپ کو علم ہے کہ سعد بڑا ہو کر اقوامِ متحدہ میں جاب کرنا چاہتا ہے۔"

احمد نے بھنویں اوپر اٹھاتے ہوئے۔کہا

"واؤ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔اور تم کیا بننا چاہتے ہو؟؟"

"پپا ابھی صرف اتنا جانتا ہوں۔میں وکیل نہیں بننے والا۔۔۔شائد سائنس دان بنوں۔"

احمد بیٹے کی بات پر خوش بھی ہوا اور حیران بھی دیر تک ہنستا رہا۔

☆......☆......☆

سورج ڈھلنے کی پوری تیاری کر کے اپنا سارا ساز و سامان باندھ کر تمام عالم کو الوداعی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔بچھڑنے کے پل اتنے بے رحم ہوتے ہیں۔انکے اندر ایک خوف کنڈلی مار کر بیٹھا ہوتا ہے۔جو دل کو سچائی کے ڈنگ مار کر لہولہان کر دیتا ہے۔

کیا ہوگا جو روشنی کبھی واپس نہ آئی۔۔؟؟ سورج واپسی کا رستہ بھول کر نئے ملک ونگری کو نکل گیا تو پھر۔۔؟؟ کیا آنے والا کل قسمت میں لکھا جا چکا ہے یا نہیں؟؟ کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ کیا گزرا ہوا کل میرا تھا یا نہیں۔کیونکہ جو گزر گیا ہوتا ہے۔امید اس سے نہیں باندھی جاتی امید ہمیشہ آنے والے کل سے لگائی جاتی ہے۔ساتھ ہی انسان

کے دل میں رب یہ خیال اجاگر کردیتا ہے۔ جو اس نے کلام پاک میں لکھ رکھا ہے۔ "تمام ستارے سیارے اپنے اپنے مقرر کئے گئے مداروں میں گھومتے ہیں۔ جو اللہ نے انکے لیے مقرر کر رکھے ہیں۔ ان میں سے کسی کی اتنی ہمت نہیں کہ وہ اللہ کی طے کردہ حد کو پھلانگ سکے۔" یہ وعدہ یاد آتے ہی انسان پھر سے امید کی ڈوری ہاتھ میں مضبوطی سے تھام کر سارے دن کا تھکا ہارا رات کو بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیتا ہے۔ اسکو علم ہے۔ اگر بااختیار نے وعدہ کیا ہے تو کوئی طاقت ایسی ہے ہی نہیں۔ جو اسکو اس عمل سے روک سکے وہ اپنا وعدہ پورا کر کے رہے گا۔ اسلیے سورج ہر روز اپنے مقرر وقت پر حاضر ہو جاتا ہے۔ مگر جانے سے پہلے ایک دفعہ سب کو اداس ضرور کرتا ہے۔

جیسے اس وقت ژالے کو کیا تھا۔ بس سے اترنے کے بعد سیدھی نظر سورج کی آخری کرنوں پر پڑتے ہی پھر سے آنکھ نم ہو گئی۔

بس اپنے پیچھے دھوئیں کے بادل چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی۔

سامنے تا حد نگاہ صرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔ درمیان میں ایک مصروف ترین جی ٹی روڈ پہاڑوں کو کاٹتا ہوا۔ ہموار سطح پر کسی پاتھن کی طرح بیٹھا ہوا نظر آتا۔

آجاؤ ژالے کن خیالوں میں گم ہو گئی ہو۔"

زینب کی آواز پر وہ چونک کر اسکی جانب متوجہ ہوئی تب ہی وہاں موجود سواری مرکزِ نگاہ بنی۔ جیپ بمعہ ڈرائیور حاضر تھی۔ زینب اپنا بیگ ڈیکی میں پھینک کر اب جیپ کا پچھلا دروازہ وا کیے اسکی منتظر تھی۔

ان دونوں کے بیٹھنے کے بعد ڈرائیور نے جیپ آگے بڑھا دی۔ ژالے نے نقاب کے پیچھے سے ہی ایک نظر بیک ویو مرر سے نظر آتی ڈرائیور کی شکل کو دیکھا جو کے ایک بڑی عمر کا آدمی تھا۔ جسکی داڑھی مونچھیں، لباس حتیٰ کہ پگڑی تک مقامی قبائلی لوگوں جیسی تھی۔ ایک دفعہ جیپ چلنے لگی تو اسکے ساتھ ریس لگا کر سورج بھی مکمل چھپ گیا۔ چاروں اور بالکل اندھیرا تھا۔

ایک پہاڑی پر چڑھنے کے بعد دور سے گھروں کی روشنیاں دکھائی دیں۔

آگے نہ جانے کیسا ردعمل سامنے آنے والا تھا۔ نہ جانے زینب کے گھر والے کیسے تھے۔ وہ اسکو اپنے گھر رکنے بھی دیتے کہ نہیں۔ اگر ان لوگوں نے اسی وقت اسکو یہاں سے چلے جانے کا حکم دے دیا تو۔۔۔؟؟

اس سول کے آگے مکمل اندھیرا تھا۔ایک ساٹھ کیا بیس واٹ کے بلب سی روشنی بھی نظر نہ آتی۔

آبادی تھوڑی اور نزدیک آئی اور جیپ ایک گیٹ کے سامنے رکی۔ہارن کے جواب میں دوسری طرف سے گیٹ کھول دیا گیا۔اسکے بعد پورے تین منٹ تک جیپ چلتی رہی پھر رک گئی۔

زینب اسکو مخاطب کرتی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

''چلو ژالے نکلو آگیا ہوم سویٹ ہوم۔۔۔!۔۔۔''

اطراف پر نظر جماتی ژالے بھی زینب کے پیچھے ہی نکل آئی۔ٹھنڈی ہوا کے تھپیڑوں نے استقبال کیا۔جیپ ایک بہت بڑے گراؤنڈ نما احاطے میں رہائشی حصے کے سامنے رکی تھی۔گراؤنڈ کے دوسرے اینڈ پر ایک اور عمارت کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔مگر ژالے کو زیادہ غور سے دیکھنے کا موقع نہ مل سکا۔زینب اسکا ہاتھ تھام کر ایک طرف کو بڑھ گئی۔

چھوٹی سے باڑ عبور کرنے کے بعد گملوں سے سجی راہ گزر سے ہو کر ایک لکڑی کے بھاری دروازے پر اختتام ہوا۔جو عین اسی وقت وا ہوا تھا۔

انکے سامنے ایک سفید بالوں کو سفید ہی دوپٹے میں چھپائے۔سرخ وسفید نورانی چہرے پر بڑی سی گرمجوش اور خوش آمدید کہتی مسکراہٹ لیے ایک ہستی موجود تھی۔

زینب سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں۔''دادی شہزادی۔۔'' کہہ کر انکے ساتھ لپٹ گئی۔جھٹ پٹ انکے کتنے ہی بوسے بھی لیے۔۔

''زینی تمہارا بچپنا نہیں جا سکتا۔چاہے ساری دنیا کو اکیلی فتح ہی کیوں نہ کر آؤ۔۔دادی سامنے آئی نہیں اور تم پٹڑی سے اتری نہیں۔۔''انہوں نے ہلکی سی مصنوعی ڈانٹ پلائی۔

''اچھا اب ڈرامے نہ کریں۔مجھے جیسے علم نہیں ناں کیسے میرا انتظار ہو رہا تھا۔ہائے دادی کیا خوشبوئیں آرہی ہیں۔''

''آتے ہی کھانے کی پڑ گئی۔پہلے اس بچی سے تو تعارف کروا دو۔کیسی سہمی سی کھڑی ہے۔کیا اسے کہیں سے اغوا کر کے لائی ہو۔؟؟''

زینب ہنستے ہوئے ژالے کی جانب مڑی۔جسکے چہرے پر حجالت نظر آرہی تھی۔

''ارے ژالے پریشان نہیں ہونا۔دادی ایسے ہی جوک مارتی ہیں۔ادھر کیوں کھڑی ہو۔اندر آؤ ناں دادی سے ملو۔جھجکنے کی ضرورت نہیں ہے۔اپنی ہی دادی سمجھو۔۔''

پھر دادی سے مخاطب ہوئی۔

''شہزادی جی یہ میری نئی دوست ہے۔بڑی پکی ٹیٹ قسم کی۔آپکی مہمان ہے۔اسکی خدمت کے معاملے میں کوئی شکایت نہ آئے۔دیکھ رہی ہیں ناں کیسا چڑی کا بوٹ لگ رہی ہے۔''

دادی نے کچھ کہے بغیر اسے بھی ویسے ہی ساتھ لگا کر پیار کیا۔جیسے زینب کو کیا تھا۔

''چلو تم دونوں منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔کھانا بالکل تیار ہے۔میں نازلی سے کہتی ہوں۔کھانا لگا دیتی ہے۔۔۔''

دادی کے کہنے پر زینب یس سر کا سلیوٹ مار کر ژالے کو اپنے ساتھ لیے اپنے کمرے کہ جانب بڑھ گئی۔

کمرے کا دروازہ بند ہوتے ہی ژالے بول اٹھی۔

''تم نے اپنی دادی سے جھوٹ کیوں بولا۔۔۔؟؟''

''اچھا تو کیا آتے ہی دروازے میں کھڑے ہو کر تمہاری سوانح عمری سنانے بیٹھ جاتی۔۔؟؟اور فکر نہ کرو جیسے تمہاری شکل بارہ بجا رہی ہے۔بہت جلد دیکھنے والے خود ہی تفتیش کرنے بیٹھ جائیں گے۔'

بولنے کے ساتھ ساتھ اسکے ہاتھ پیر بھی چل رہے تھے۔

عبایا اتار کر بیڈ پر پھینکنے کے بعد جوگرز اتارے اسی طرح لاپرواہی سے پھینک دیئے۔اب اسکا رخ کمرے میں موجود واحد الماری کی جانب تھا۔جسے کھولنے اور جائزہ لینے کے بعد دو ہینگر نکال کر بیڈ پر پھینکے۔۔

''ابھی انکو یہی بتانا بہتر لگا کہ تم میری دوست ہو۔آج آرام کرو کل پرسوں تک حل نکالتے ہیں۔مگر پہلے بہت زیادہ سوچ بچار کرنی پڑے گی۔جو کہ خالی پیٹ ناممکن ہے۔یہ ان میں سے جو جوڑا پورا آتا ہے پہنو میں بھی منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لوں۔دادی انتظار کے معاملے میں بہت بری ہیں۔دوسرا لالہ ایک نمبر وقت گھڑی کی سوئیوں پر چلنے والا عین وقت پر موجود ہوگا۔جلدی کرو یہاں کھڑی اب میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔''

زینب کے ڈپٹنے پر وہ کسی ربوٹ کی طرح اسکی ہدایت پر عمل پیرا ہوئی۔اس دفعہ اسنے زینب کی کھلے سے گھیر

والی گہرے سبز اور مہندی رنگوں کے امتزاج والی فراک پہن لی۔ ادھر نہ کہنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ کیونکہ جو کپڑے وہ آتے وقت پہن کر آئی تھی۔ وہ بس اور اسکے بعد شیشے گری جیپ کی مہربانی سے اس وقت گرد و غبار میں اٹا ہوا تھا۔ جب تک زینب واپس کمرے میں آئی۔ ژالے حلیہ تبدیل کئے چہرے پر پریشانی لئے بیڈ پر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔ وہ اندر آتے ہی چڑھ دوڑی۔۔

''اب اس وقت مراقبے کی کیا تک بنتی ہے؟؟ اور سوچ کیا رہی ہو۔؟ کونسا ایسا نیشنل سیکیورٹی کا مسئلہ تمہیں درپیش ہو گیا۔ جو کھانے کے بعد تک کا انتظار نہیں کر سکتا۔؟؟''

ژالے نے بیچاری سی صورت بنا کر اسے دیکھا۔ جو پیلے رنگ کے سوٹ میں چمک رہی تھی۔

''وہ میں یہ سوچ رہی تھی۔ کیا انہی جوتوں میں باہر جاؤں؟۔'' ☆

''اوہ۔۔! یہ تو بڑا سیریس مسئلہ ہے۔ نیشنل سیکیورٹی سے بھی سیریس۔ ان جوتوں میں دیکھ کر ہو سکتا ہے۔ دادی تمہیں عمر قید سنا دیں۔ یا دفعہ تین سو دو لگا دیں۔ آخر اتنا بڑا جرم ہے۔ مردانہ جوتوں میں زنانہ پاؤں ڈال کر کسی بھی عورت کا تمام گھر والوں کے درمیان یوں سرِ عام نظر آنا۔ تم رکو میں تمہاری جان ایسے نہیں جانے دونگی۔''

ژالے کو ہکا بکا چھوڑ کر جا کے ایک عدد زنانہ جوتے کی جوڑی لے آئی۔ لا کر ژالے کے سامنے فرش پر پٹخی۔

''چلو پہنو اور آؤ میرے ساتھ۔ قسم سے کھانے کی خوشبو نے پیٹ میں ویسا حال کر دیا ہے۔ جیسا حال دیگ بٹتی دیکھ کر بچوں کا ہوتا ہے۔ بالکل ویسے ہی چوہے میرے پیٹ میں دھمال ڈال رہے ہیں۔''

ژالے چاہ کر بھی نہ کہہ پائی جو دوپہر میں اتنا کھایا تھا۔ وہ ہضم ہو بھی گیا۔

راہداری سے گزر کر دونوں آگے پیچھے چلتی ہوئیں۔ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہوئیں۔ جو کہ دیکھنے میں ہی باورچی خانہ معلوم ہو رہا تھا۔ مگر روایتی قسم کے باورچی خانے سے کسی حد تک مختلف۔ الیکٹریکل کوکنگ رینج سسٹم فکس تھا۔ ایک طرف دیوار کے ساتھ پوری دیوار کی لمبائی پر شیلفس بنے ہوئے تھے۔ جو کے تھے بھی صرف زمین کے ساتھ۔ سیلنگ والی سائیڈ پر کچھ بھی نہ سیٹ کیا گیا ہوا تھا۔ درمیان میں ٹیبل کے ساخت کے لمبے دراز بنائے گئے تھے۔ جس پر سنک بھی فکس تھا۔ اسکی لمبائی شیلفس سے تھوڑی کم ہی تھی۔ اسکے ایک سائیڈ پر کرسیاں سیٹ کر کے ڈائننگ کی شکل دی گئی تھی۔ دوسری سائیڈ کی دیوار میں آتش دان تھا۔ جس میں اس وقت

بھی لکڑیاں جل رہی تھیں۔ جسکی وجہ سے کمرہ بڑا پرسکوں محسوس ہوا۔

''ملوک جان کیا برات گھر پر نہیں ہے؟؟''

ڈائینگ کی کرسی کھینچ کر ژالے کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے۔ زینب نے اپنی دادی سے سوال بھی پوچھا۔ جو کہ ادھر ہی ایک کرسی پر تشریف فرما تھیں۔ ژالے کے پلے صرف اتنا پڑا کہ وہ کسی کی گھر پر موجودگی پر سوال کر رہی تھی۔ دادی نے کھانے کی ڈش خاص ژالے کے سامنے رکھتے ہوئے جواب دیا۔

''کل سے اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ صبح تک پہنچ جائے گا۔''

''ثمر بیٹی کھانا شروع کرو۔''

''چلیں ملوک دے دیاناں ثبوت کہ اب آپ بوڑھی ہو گئی ہو۔ اسکا نام ثمر نہیں ژالے ہے۔''

''اچھا بھی ژالے یا ثمر جو بھی ہو۔ بیٹی کھانا شروع کرو جس کسی چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک کہہ دینا۔''

ژالے انکے خلوص بھرے انداز پر سر بھی اثبات میں نہ ہلا سکی۔

میز پر خوش رنگ و شکل اور کئی اقسام کا کھانا موجود تھا۔ زینب کسی قحط زدہ بھوکے کی مانند کھانے پر ٹوٹ چکی تھی۔ اور اردگرد سے بے نیاز ہو کر بریانی کے اوپر ڈھیر سارا رائتہ ڈال کر کسی بھی چمچ کانٹے کے بغیر انگلیوں سے ہی مزے لے لیکر کھانے لگی۔

ژالے نے تھوڑا سا سالن نکالا اور آدھا نان اٹھا کھانے لگی یہ الگ بات بھوک بالکل بھی محسوس نہ ہو رہی تھی۔ پر آدھا نان ختم ہونے پر اسکے ہاتھ خود بخود دوبارہ سے قیمہ مٹر کے سالن کی جانب بڑھ گئے۔ اس آدھے نان کے بعد وہ ایک پورا نان اور کھا گئی۔ میٹھے میں فروٹ ٹرائیفل رکھا تھا۔ مگر پیٹ میں گنجائش نہ رہی۔

دادی اپنا دلیہ ختم کرنے کے بعد ملازمہ کو قہوہ بنانے کا بولتے ہوئے اسکی جانب متوجہ ہوئیں۔

''ارے بچے تم نے کچھ لیا ہی نہیں ہے۔ یہ میٹھا لوناں۔۔۔ چاول نکال دوں؟؟''

''نہ نہیں دادی جی میں بس اتنا ہی کھاؤنگی بلکہ کافی زیادہ کھا گئی ہوں۔ یہ قیمہ بہت مزے کا بنا ہوا ہے۔ ورنہ مجھے تو اتنے کی بھی بھوک نہیں تھی۔''

فروٹ ٹرائیفل سے پورا پورا انصاف کرتی ہوئی زینب نے اسکو ملامتی نظروں سے دیکھا۔

''تکلف میں رہ کر ہمارا نہیں اپنا نقصان کروگی۔کھل کر کھاؤ جم کر کھاؤ تاکہ دماغ کی فرتی تیز ہو۔بھولے ہوئے نام یاد آئیں۔زندگی آسان ہو۔''

زینب بولے جارہی تھی۔جس پر ژالے کا اک رنگ آرہا تھا اک جارہا تھا۔کونکہ دادی الجھی نظروں سے زینب کو دیکھ رہی تھیں۔۔

''زینی کیا بولے جارہی ہو؟؟۔''

زینب نے قہقہہ لگایا۔

''کچھ نہیں بس ایک فلم دیکھی تھی۔اسکے ڈائیلاگز یاد آگئے۔میں اسکو کمرے میں لے جارہی ہوں۔آج چونکہ نواب زادہ صاحب موجود نہیں ہیں۔اس شاداب موقعے سے میں بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے جی بھر کر سونا چاہتی ہوں۔لہٰذا میری کوئی ملاقات آئے میری دادی سمیت ان کو بتایا جائے کہ میڈم جی آج دن چڑھے تک سونے کا پروگرام رکھتی ہیں۔کیونکہ ایسی شاندار عیاشی کے موقع اللہ کم ہی دیتا ہے۔''

دادی کو سب علم تھا۔اسکی تقریر کا سارا مقصد واضح تھا۔اسلیے جانے دیا۔بلکہ کہا۔

''جاؤ جا کر آرام کرو میں گرم دودھ کمرے میں بھجوادونگی۔''

سنک سے ہاتھ دھونے کے بعد دونوں ہی کچن سے نکل آئیں۔جس راہداری نما گلی سے ہو کر وہ کچن تک آئیں تھیں۔باہر نکلنے پر زینب نے مخالف سمت کا راستہ اپنایا۔۔گلی میں کمروں کے دروازے بھی نظر آرہے تھے۔پر گلی کا اختتام کھلے صحن میں ہوا۔باہر آتے ہی ایک دفعہ پھر ٹھنڈ نے استقبال کیا۔

''تم تو کہہ رہیں تھیں کمرے میں جارہی ہو۔پھر باہر ٹھنڈ میں کیوں آئے ہیں۔''

زینب کے چہل قدمی کرتے قدم رکے۔

''ایک تو یہ کہ کھانے کے بعد باہر نکل کر تھوڑی ہوا کھانا اس گھر کے مکینوں کی بڑی بیکار قسم کی ایک عادت ہے۔دوسرا میں سوچ رہی ہوں۔''

''کیا سوچ رہی ہو۔''

ژالے نے چادر اچھے سے لپیٹی۔کھلے بال ہوا کے ساتھ اٹھکلیاں کرنے لگے تھے۔مدھم روشنی میں بھی

زینب کو اسکے چہرے پر زردی صاف نظر آئی۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے پوچھا۔

’’تمہارا کیا خیال ہے۔ مجھے نعمان بھائی کو بلا کر ساری تفصیل سے آگاہ کر کے پوچھنا چاہیے کہ انکے علم میں تمہارے شوہر کے حلیے کا کوئی آدمی ہے۔‘‘

’’مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ جس کو تم اپنا نعمان بھائی بول رہی ہو وہ کون ہے۔ اور اسکو کیسے کوئی علم ہو گا۔‘‘

’’ارے بھئی وہ اس گھر میں رہتے ہیں۔ اس وقت مین مالک تو ادھر کے وہی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی حل نکال دیں۔‘‘

’’دیکھ لو۔۔۔ یہ نہ ہو تمہارا بھائی سیدھے جا کر پولیس میں شکایت کر دئے۔ میرے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی زینب۔۔۔ جو بھی قدم لینا پلیز سوچ سمجھ کر لینا۔ میرا کزن پہلے ہی میرے خون کا پیاسا ہو گا۔‘‘

زینب نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

’’گوہر اب دوبارہ کزن وزن کا نام مت لینا۔ دادی کے کان بہت پتلے ہیں۔ سوالوں کے یہ انبار لگا دیں گی۔‘‘

’’میرا نام گوہر نہیں ثرالے ہے۔‘‘

’’ادھر بلوچی میں گوہر بہن کو کہتے ہیں۔ بالوک دادی اماں کو اور براث بھائی کو کہتے ہیں۔‘‘

’’اچھا اچھا تبھی کچن میں مجھے تمہاری بات سمجھ نہیں آئی تھی۔‘‘

ثرالے کی بات پر زینب نے سر اثبات میں ہلایا۔ اور کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

’’ثرالے ایک حل نکل سکتا ہے۔ سب سے یہ کہہ دیتے ہیں۔ تم گاؤں کے سرکاری سکول میں استانی بھرتی ہو کر آئی ہو۔ اس سے یہ ہو گا۔ ایک تو تمہارے بارے میں کوئی زیادہ سوال جواب نہیں کرے گا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جب تک تمہارا بھگوڑا شوہر کہیں سے نکل نہیں آتا تم آرام سے ہمارے گھر رہتی رہنا۔ اگر ادھر نہ چاہو تب بھی لڑکیوں کے ہاسٹل میں با آسانی جگہ نکل آئے گی۔‘‘

’’لڑکیوں کا ہاسٹل تو شہر میں ہو گا۔‘‘

’’نہیں بھئی ادھر ہی اپنے گاؤں میں ہے۔ جو عمارت گھر سے پہلے راستے میں آئی تھی۔ وہ ایک پرائیویٹ

کالج ہے۔ میرا بھائی اسکا پرنسپل ہے۔ یہاں ہمارے علاقے میں دور دور سے لڑکیاں ادھر پڑھنے آتی ہیں۔ خاص کران لوگوں کے لیے آئیڈیل ہے۔ جو یا تو بچیوں کو دور شہر بھیجتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ یا ماحول پسند نہیں۔ کالج تو ہیں مگر معیار کا کوئی بھی نہ تھا۔ اب تو پانچ سال ہو گئے۔ تعداد بھی کافی بن چکی ہے۔ ایک اڈوانٹیج یہ بھی ہے۔ کہ یہ کالج آرمی کے انڈر ہے۔ اسلیے بھی لوگ پسند کرتے ہیں۔"

دونوں کا رخ واپس اندر کی جانب تھا۔ ژالے اسکو سنتے ہوئے خاموشی سے چلتی رہی۔ کمرے کا دروازہ بند کرنے کے بعد مری ہوئی آواز میں بولی۔

"زینب ہاسٹل میں رہنے کے لیے کرایہ وغیرہ دینا پڑتا ہے۔ میری صورتحال ہر زاویے سے تم پر روشن ہے۔ امی کا زیور بھی میں اسکی گاڑی میں بھول گئی۔ وہی پاس ہوتا تو بیچ کر گزارا کر لیتی۔"

"یہ مسئلہ تو میں ابھی حل کیے دیتی ہوں۔۔"

یہ بول کر زینب اپنی الماری کی جانب گئی۔ ژالے بیڈ سائیڈ کرسی پہ براجمان ہو کر اندازے لگانے میں مصروف رہی۔۔

زینب مڑی تو ہاتھ میں ہزار ہزار کے کئی کرنسی نوٹ تھے۔

"یہ اپنے پاس رکھو۔۔"

ژالے انکاری ہو گئی۔۔

"میں یہ نہیں لے سکتی زینب پہلے ہی میں تم پر بوجھ بن گئی ہوں۔"

"گوہر جان میرا نہیں خیال کہ اس وقت اس قسم کے جذباتی بیان سے مسائل کا حل نکل کر ہمارے سامنے ناچنے لگے گا۔ ورنہ میں بھی کوئی دو چار ڈائیلاگ مار ہی دیتی۔ یہ رقم میری ذاتی ہے۔ دادی امی یا بھائی اسکے بارے میں نہیں جانتے۔ قرضہ سمجھ سکتی ہو۔۔ اچھا اب رونے بیٹھ جاؤ میں یہاں دل و جان سے راتوں ورات کوئی حل نکالنے کے بارے میں سوچ سوچ ہلکان ہوتی ہوں۔ تم آرام سے بیٹھ کر آنسو بہاؤ۔۔ ایک دفعہ وہ الو کا پٹھا ہاتھ لگ جائے ناں جو تمہیں یوں الو بنا گیا ہے۔ ویسے ژالے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ چھٹیاں ختم ہوتے ہی کہیں سے نکل آئے۔ یا یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ جلدی میں شادی ہوئی اب گھر والوں کو منانے گیا ہو۔۔ ہناں ہمیں صرف

نیگیٹیو ہی نہیں سوچنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے واپس آ رہا ہو مگر کسی حادثے کا شکار ہو گیا ہو۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ کتنی زیادہ باتیں فرض کی جاسکتی ہیں۔۔"

کمرے میں یہاں سے وہاں پھیرے لگاتے ہوئے بولے جا رہی تھی۔ ژالے نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑیں۔۔۔۔ تب ہی وہ دھپ سے ژالے کے ساتھ والی کرسی پر گری۔۔۔

"ژالے ایک آئیڈیا ہے۔۔ کیوں ناں ہم دادی کو سارا سچ تھوڑا جھوٹ ملا کر مدد مانگ لیں۔ اگر تم گاؤں کی استانی بھی بنو تب بھی ہمیں مضبوط بیک چاہیے ہو گی۔ اور دادی کا سارے گاؤں میں رعب ہے۔ بھائی کے سوالوں کو بھی دیکھ لیں گی۔ اسکے متبادل اگر بھائی سے مدد مانگیں تو سارا سچ من وعن اگلنا پڑے گا۔ اور جیسا وہ آدمی ہے۔ یہاں پنچایتوں میں فیصلے دیتا ہے۔ ہمارے گاؤں کے سرداروں میں سے عمر میں سب سے چھوٹا اور زبان کا سب سے بڑا ہے۔ اس سے کوئی بعید نہیں تمہیں سیدھا لیجا کر تمہارے کزن کے حوالے کر آئے۔۔"

"زینب تم میری جان نکالو گی۔ پہلے تو تم نے کہا تھا۔ تمہارا بھائی ہماری مدد کرے گا۔ اب کچھ اور کہہ رہی ہو"

"ارے گوہر جان انسان کو ہر پہلو پر سوچنا چاہیے۔ ایویں اندھا دھند قدم نہیں اٹھانا چاہیے۔ وچ آئی مسٹ سے اسی قسم کے جذباتی پن کا نتیجہ اس وقت بھگت رہی ہو۔ چلو اٹھو دادی کی عدالت میں چلتے ہیں۔ نہیں تو وہ سو جائیں گی۔ کل بھائی واپس ہو گا۔ موقع ابھی ہی ہے۔ اٹھو۔۔۔"

اسکے کھینچ کر اٹھانے پر ژالے ہاتھ میں تھامے رپے وہیں دراز میں ڈالتی اس کے ساتھ ہو لی۔۔ اور کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔ راستے میں زینب نے حکم دیا۔

"تم مت بولنا سارا بولنے کا کام میرا ہے۔ تم بس دادی پوچھیں تو منڈی ہلا دینا۔۔ اور ہاں رونا بالکل نہیں ہے۔ استانی لگوا دوں بچوں کو پڑھا لو گی۔ تعلیم تو تمہاری میں نے پوچھی ہی نہیں۔"

"میں نے ایم بی بی ایس کیا ہوا ہے۔۔"

زینب کو اپنی سماعت پر شک ہوا۔

"کیا کہا ہے؟؟۔"

"اس دفعہ وہ ذرا اونچا بولی۔۔ زینب کے قدم۔ رک گئے تھے۔ اور وہ حیرت سے منہ پھاڑ کر اسکو سرتاپا دیکھ

رہی تھی۔

''کیا مذاق کر رہی ہو؟؟۔''

''ژالے خواہ مخواہ شرمندہ ہو گئی۔۔''نہیں سچ کہہ رہی ہوں۔اسی سال ہاؤس جاب مکمل ہوئی تھی۔''

''اتنی چھوٹی سی عمر میں تم ڈاکٹر کیسے بنیں؟؟''

''یہ تم اب میری انسلٹ کر رہی ہو۔میری عمر ساڑھے چھبیس سال ہے۔''

زینب کا منہ مزید وا ہو گیا۔

''نہ کرو۔۔۔!!تم میرے سے عمر میں بڑی نہیں ہو سکتی ہو۔جبکہ لگ مجھ سے چار سال چھوٹی رہی ہو۔۔ مجھے سارے کزن یہ طعنہ مارتے ہیں۔بڈھی ہو گئی ہو ابھی تک یونیورسٹی ختم نہیں کی کیونکہ چھوٹی عمر میں بڑا بیمار رہتی تھی۔ادھر ہمارے گاؤں میں دادی کی کئی دوست کہتی ہیں۔بچی کا زندہ بچنا معجزہ ہی ہے۔اسلیے شروع کے سال پڑھائی بے نام ہی رہی۔یہ تو جب بھائی کے ہاتھ لگی۔تب سے اب تک اللہ جانتا ہے۔جو اس بے رحم انسان نے ایک دن بھی ٹک کر کہیں بیٹھنے دیا ہو۔خیر خلاصہ یہ ہے۔مس ژالے بندی متاثر ہوئی ہے۔ہاتھ ملاؤ۔۔۔''

بے اختیار مسکراتے ہوئے ژالے نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا جسے تھام کر زینب نے زور سے بھینچ کر دو چار جھٹکے دیے۔۔دونوں ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔۔

☆......☆......☆

''ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا گیا تھا۔جو کہ پوری قوت سے جا دیوار سے ٹکرایا۔

جائے نماز پر بیٹھی سکینہ بی بی نے دل پہ ہاتھ رکھ کر گردن موڑ کر آنے والی آفت کو دیکھا۔گھر میں بچے تو ہوتے نہیں تھے۔جہاں زیادہ تر خاموشی کا راج رہتا ہو۔وہاں اتنی بے ترتیبی چونکانے کا باعث ہی بنتی ہے۔ مگر سامنے اپنی نازوں پلی بیٹی کو غم وغصے کی تصویر بنی کھڑی دیکھ کر انکا دل نئے سرے سے دہل گیا۔انکا دھیان گڑیا کی جانب چلا گیا۔

''سارو ایسے کیوں کھڑی ہو۔گڑیا کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں۔۔۔؟۔''

جواب میں وہ اپنے بل بل بہتے آنسوؤں کو سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی سے صاف کرتی ہوئی آگے آئی۔ہاتھ میں پکڑا پاؤچ وہیں بیڈ پر پھینکتے ہوئے۔ایک ایک کرکے جوتے کے سٹریپ کھولنے کے بعد انہیں بھی وہیں فرش پر بے ترتیبی سے پھینک دیا۔خود جا کر ماں کے سامنے بیٹھ گئی۔۔

''آپ اتنی نیک ہیں۔کیا کبھی اپنے رب کے سامنے اپنی بیٹی کے لیے ہاتھ نہیں اٹھائے۔۔؟؟اگر نہیں تو کیوں نہیں امی کیوں؟؟اور اگر میرے لیے دعائیں کرتی رہی ہیں۔تو قبول کیوں نہ ہوئیں۔میں بے مراد کیوں رہی ہوں۔''

''ساحرہ یہ دیکھو میرے بندھے ہوئے ہاتھ۔تمہیں میرے سفید سر کا واسطہ سراب کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دو۔اللہ کی مرضی سے انحراف کرنے والے کبھی با مراد نہیں ہوتے۔تمہارے بیٹے کا فون آیا تھا۔گڑیا کو بخار ہے۔جا میری بیٹی مت میری تربیت پر کیچڑ اچھال کیا تجھے اپنی اولاد کی محبت بھی بیدار نہیں کرتی؟۔''

''آپ نے کبھی میرے دل میں جھانک کر دیکھا ہو تو آپکو میری تکلیف کا اندازہ ہوتا۔ماں میں نے ساری زندگی دھوپ میں چلتے گزار دی۔میں کیسے کسی کے لیے آرام کا باعث بنوں۔جانتی ہیں۔ابھی ان آنکھوں سے اسکو دیکھ کر آرہی ہوں۔وہ میرا نہیں رہا امی۔۔اسکے ساتھ ایک عورت اور بچی تھی۔اگر اس طرح میرے دل کو چیرنا مقصود تھا۔تو اللہ اسکو کبھی میرے سامنے لاتا ہی نہ۔۔۔اب کیسے جیوں یہ سوچ کر کے وہ کسی اور کو ان آنکھوں سے دیکھتا ہوگا۔جن آنکھوں میں میری محبت بستی تھی۔وہ اسکی دن رات کی ساتھی ہوگی۔''

''استغفراللہ بول ساحرہ استغفراللہ۔۔۔تو شادی شدہ عورت ہے۔تیرے بچے ہیں۔تیرا وجود سر سے پیر تک تیرے شوہر کی ملکیت ہے۔اچھی بیوی نہیں بنی ہو۔اچھی ماں نہیں بنی ہو۔۔۔پر اچھی بندی ہی بن جاؤ۔۔۔وہ منافقوں کو پسند نہیں کرتا۔انکے لیے اس نے بڑا نچلا درجہ قائم کر رکھا ہے۔بے ایمانوں کو وہ پسند نہیں کرتا۔جو دوسروں کی امانت کے امین نہ ہوں۔وہ کامل ایمان والے کیسے ہو سکتے ہیں۔بندہ بندے سے وفاداری نہ کرے ساحرہ پر رب سے تو بے وفائی نہ کرے۔۔۔مجھے یہ روگ دیکر قبر میں مت اتارنا کہ میری بیٹی میرا خون میرا دودھ پی کر بڑی ہونے والی ایمان کے ادنٰی درجے سے بھی خارج رہی۔''

''ماں دین کی بات تب دل تک جاتی ہے۔اگر پیٹ بھرا ہوا ہو۔اور دل کھلا ہوا ہو۔''

''نہیں سارو۔۔۔صرف بنجر زمین پر ہریالی نہیں اگتی۔۔۔باقی تو سخت سے سخت پہاڑ پر بھی دھول مٹی جمع ہو کر بیٹھ جائے تو کچھ نہ کچھ جھاڑیاں ہی سہی پر اگ آتی ہیں۔کیا تو ان پتھروں سے بھی گئی گزری ہے۔۔''

''مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی کہ وہ آج اچانک اتنے سالوں بعد میرے سامنے آگیا۔تب کیوں نہیں ملا جب میں اسکی تلاش میں گلیوں گلیوں خاک چھانتی رہی۔جینے مرنے کے وعدے میرے ساتھ کر کے آج کسی اور کا شوہر کیسے بن گیا۔پر یہ میری غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔ہو سکتا ہے۔وہ کوئی رشتے دار وغیرہ ہو۔مجھے اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔۔۔''

ابھی اسکی بات پوری بھی نہ تھی کہ سکینہ بی بی نے ایک زوردار تھپڑ بیٹی کے گال پر جھڑ دیا۔

''خبردار جو تو نے اپنے پرانے کرتوت دوبارہ سے شروع کیے جس خاندان کی تو بہو ہے۔وہ لوگ تجھے زندہ زمین میں گاڑھ دینگے۔اگر تیرے باپ کو علم ہوا تو وہ بھی اب کی دفعہ تجھے دوسرا موقع نہیں دے گا۔اپنے قدموں کو برائی کی طرف جانے سے تو پچھلے دس سالوں سے نہیں روک پائی۔تیرا شہزادے جیسا بیٹا ہے۔۔ارے کیسی نابینی ہے تو تجھے ہیرے کی ہی پہچان نہیں۔تو ایک ماں ہے۔ایک بیوی ہے۔تو کیسے کسی غیر مرد کے عشق میں آہیں بھرتی ہے۔بے غیرے ماں باپ کے بڑھاپے کا ہی خیال کر لے۔۔''

''میں اکیلی تم سب کا خیال کروں۔باپ کا بھائی کا ماں کا شوہر کا اولاد کا۔۔۔۔تم لوگوں پر کچھ فرض نہیں ہے۔میں یہاں دن رات جل رہی ہوں۔میں نے محبت کی ہے۔گناہ تو نہیں کیا۔مجھ سے مت لڑیں کہ میں اپنے شوہر اور بچوں کی بجائے کسی اور سے محبت کیوں کرتی ہوں۔بلکہ اپنے اللہ سے لڑیں اس نے کیوں میرے دل میں ان لوگوں کی محبت ڈالی ہی نہیں۔میرے شوہر کا شکل دیکھ کر مجھے قے آتی ہے۔حالانکہ وہ ایسا مرد ہے۔گاڑی میں جا رہے ہوں۔تو سڑک پر عورتیں لڑکیاں مڑ مڑ کر اسکو دیکھ رہی ہوتی ہیں۔پر مجھے اسکی شکل سے گھن آتی ہے۔اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے جو میرے دل میں اسکی کوئی جگہ نہ بن سکی۔۔''

''برے لوگ اپنی اچھائیاں ہمیشہ اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔اور اپنی ناکامیاں ہمیشہ دوسروں پر ڈال کر آزاد ہوتے ہیں۔تمہارے دل میں احمد یار کی اگر محبت پیدا نہیں نہ ہوئی۔تو بد بخت عورت تمہارے لیے لمحۂ فکریہ ہونا چاہیے کہ ایک نیک حلال مرد کی محبت کی بجائے تمہیں حرام کی جانب کیوں دوڑایا جا رہا ہے۔جس کے

لیے مرتی ہے وہ تیرا غیر ہے نامحرم ہے۔حرام ہے۔۔اور جس کے جائز حق سے بھی منہ پھیرتی ہے۔بد بخت وہ تیری چادر ہے۔تیرا ستر ہے۔تیری عزت ہے۔آج تک تیری بد چلنیاں دیکھنے کے باوجود اگر لوگ چپ ہیں۔ تو اسی نیک مرد کی وجہ سے جسکے نام سے تو پہچانی جاتی ہے۔جسکے نام کی پٹی تیرے گلے میں بندھی ہوئی ہے۔ابھی تک اللہ تجھے مہلت دے رہا ہے۔مگر تم عقل پکڑنے کی بجائے اپنی بیوقوفیوں پر اترا رہی ہو۔کبھی گلی بازاروں میں گھومتے ہوئے آوارہ کتے دیکھنا غور سے۔انکو کہیں بھی کوئی بھی پتھر مار کر دھتکار دیتا ہے۔مگر کوئی ایسے کتے کو کبھی بھی اندھا دھند نہیں مارتا جس کے گلے میں اسکے مالک کے نام پتے والی بیلٹ بندھی ہو۔وہ کھو بھی جائے تو لوگ بیلٹ سے پتا پڑھ کر واپس مالک کے پاس چھوڑ جاتے ہیں۔ساحرہ تیرے پاس بھی اگر احمد یار کا نام نہ ہوتا تو لوگ سرے عام تھو تھو کرتے۔۔۔ابھی بھی وقت ہے۔سنبھل جاؤ۔۔۔جاؤ اپنے گھر اپنی بیٹی کی خبر لو۔۔۔"

وہ نیت باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔۔۔جبکہ ساحرہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"خود اپنی بیٹی کے ساتھ سوتیلوں سا سلوک کرتی ہیں۔ویسے مجھے بچوں سے محبت کے لیکچر دیئے جاتے ہیں۔



بغیر چاند کے اندھیری رات میں دو ہیولے اندھیرے کا ہی حصہ معلوم ہو رہے تھے۔ہوا رکی ہوئی تھی۔ سردی ہونے کے باوجود فضا میں ایک بوجھل پن تھا۔ایسا لگتا جیسے اندھیرا ابھی انسان کے گناہوں پر پردے ڈال ڈال کر تھک گیا ہے۔اب کسی ہارے ہوئے بوڑھے کی طرح تھک کر اونگ گیا ہو۔

یہ ایک غیر آباد گنجان علاقہ تھا۔ہر طرف کھیت ہی کھیت تھے۔جن میں تیار کھڑی فصل ماحول کو مزید خوفناک بنانے کا باعث بن رہی تھی۔

وہیں کھیتوں کے درمیان ایک کوٹھڑی جو کہ کسی وقت میں پانی والی موٹر کے طور پر استعمال ہوتی رہی ہو گی۔ اس وقت وہاں کوئی موٹر نہ تھی۔بلکہ تین افراد موجود تھے۔دو بھاری جثوں اور کرخت شکلوں والے آدمی جن میں سے ایک دیوار کے پاس بچھی چارپائی پر بیٹھا اکیلا ہی تاش کھیل رہا تھا۔دوسرا فرش پر بچھی چٹائی پر بیٹھ کر اپنے

فون پر ریڈیو سیٹ کرنے کی کوشش میں تھا۔دونوں کے پاس اسلحہ موجود تھا۔کمرے کے دائیں کونے میں کھڑکی کے ساتھ فرش پر ایک نوجوان اس حالت میں بیٹھا ہوا تھا۔اسکی آنکھوں پر کالی پٹی بندھی ہوئی تھی۔کپڑے انتہائی گرد آلود دونوں ہاتھوں اور پیروں کو رسیوں کی مدد سے اس قدر مضبوطی سے باندھا گیا ہوا تھا۔رسیوں کے نیچے کی جلد بری طرح سے متاثر ہوئی تھی۔جس میں سے خون رس رہا تھا۔

کمرے کے بائیں جانب کچھ خالی برتن مونڈے پڑے تھے۔

اچانک خاموشی کا سینہ چیر کر ایک گولی سرسراتی ہوئی کھڑکی کے راستے اندر آئی اور جو چار پائی پر لیٹا تاش کھیل رہا تھا۔اسکا کھیل ہمیشہ کے لیے بند کر گئی۔

اس دوران دوسرا آدمی فوراً اپنی بندوق کی جانب لپکا۔بوکھلاہٹ میں کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکلتے ہی خوف سے اندھا دھند ہر سمت فائر کرنے لگا۔اس بار بھی کسی انجان سمت سے آنے والی گولی نے ہر طرف دوبارہ سے خاموشی پھیلا دی۔

دس بیس سیکنڈ بعد دو دراز قامت کالے لباسوں والے نقاب پوش مرد کمرے میں داخل ہوئے۔ایک الرٹ پوزیشن میں دروازے سے باہر کی جانب رخ کر کے کھڑا ہو گیا۔جبکہ دوسرا کمرے کا سارا جائزہ لینے کے بعد اپنا پسٹل ہولڈر میں واپس لگا کر زمین پر موجود شخص کے سامنے جھکا جو کہ اپنا سر گھٹنوں میں چھپا کر خوف کے مارے باقاعدہ کانپ رہا تھا۔

نقاب پوش نے اپنی پتلون کی پچھلی جیب میں سے ایک تصویر برآمد کی۔تصویر والا آدمی اور سامنے موجود ٹارگٹ ایک ہی انسان تھا۔

اسکے بعد ایک مضبوط مردانہ لب و لہجے آواز میں پوچھا۔

”جناب کیا آپکا نام ظہیر احمد ہے؟؟۔پروفیسر ظہیر احمد؟؟۔۔“

”ج۔جی میں ہی ہوں۔پلیز مجھے چھوڑ دو۔۔۔میں نے کوئی قصور نہیں کیا مجھے مت مارو۔۔“

نقاب پوش نے اپنی پنڈلی کے ساتھ بندھا چاقو نکال کر پھرتی سے ظہیر احمد کے ہاتھ اور پاؤں کی رسیاں کاٹنے کے بعد آنکھوں کی پٹی بھی کھول دی۔کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔تب تک دور سے پولیس کے سائرن

سنائی دینے لگے۔۔

”فکر کی بات بالکل نہیں پروفیسر صاحب آپ بالکل محفوظ ہیں۔ابھی دو منٹ بعد پولیس والے پہنچ جائیں گے۔انکے ساتھ ہمارا آدمی ہوگا۔اسکا نام بلال ہے۔وہ آپکو آگے خیریت سے آپکے گھر تک پہنچا کر آئے گا۔اللہ حافظ۔“اتنی بات کر کے نقاب پوش اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے ساتھی کے پیچھے باہر نکل گیا۔جب تک پروفیسر کو ساری بات سمجھ آئی وہ دونوں اندھیرے کا حصہ بن کر غائب ہو گئے۔پولیس کی دو گاڑیاں پورے دو منٹ بعد وہاں تھیں۔

نقاب ہٹ چکے تھے۔بھاری بوٹ مٹی میں نشان چھوڑے ہوئے ایک سمت میں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔”پارٹنر ہم موقعہ واردات سے پانچ سو میٹر دور آچکے ہیں۔ٹارگٹ کامیابی سے حاصل ہوا ہے۔اسلیے براہ کرم تم اپنی بندوق پر گرفت ڈھیلی کر سکتے ہو۔“

”یس سر۔“

وہ جو آگے چل رہا تھا۔گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔اعصاب ایک دم ڈھیلے پڑ گئے۔ہتھیار پر سے اپنی گرفت ہٹائی۔جبکہ اسکا باس ہنستے ہوئے گنے کے کھیت میں گھس گیا۔جس پر ماتحت کو سخت ناگواری ہوئی۔اظہار کرنے سے چونکا نہیں.

”یہ جو آپکی حرکتیں ہیں. کسی دن ہمیں مروائینگی..“

کھیت کے اندر سے حرکت کے ساتھ ساتھ ایک سوال آیا۔

”صاجزادے کبھی ہائی الرٹ موڈ سے باہر نکل کر دیکھو۔زندگی اصل میں بڑی خوبصورت ہے۔“

”مجھے علم ہے جی۔کس قدر خوبصورت ہے۔اور اگر ابھی دشمنوں کے مزید کوئی آدمی یہاں آگے پیچھے چھپے ہوئے تو زندگی مزید حسین ہونے کے امکانات انتہائی اجاگر ہیں۔“

”یار ان لوگوں کا سارا گروہ پکڑوا تو چکے ہو۔باس بھی مارا گیا ہے۔سانپ کو مکمل طور پر کچلا جا چکا ہے۔اسلیے چھوڑ فکر دنیا کی اور لو یہ گنا کھاؤ۔“

”ایک تو میں سخت عاجز ہو چکا ہوں۔ہر دفعہ کسی مشن پر نہ جانے یہ آم کے پیڑ امرود جامن اور آج یہ گنے

کہاں سے آپکو خوشبو آجاتی ہے۔''

''بھئی تم ہوئے جلے سڑے مزاج کے آدمی تمہیں سوائے بارود کے اور کسی چیز کی خوشبو آتی جو نہیں ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ؟؟''

وہ خود پگڈنڈی پر اس دفعہ اسکے آگے چل رہے تھے۔ جو کہ تھوڑی دیر پہلے والی کوفت بھلا کر گنا کھا رہا تھا۔

''یہ جو لاہور والی خبروں کے مطابق وہاں سے تم ایک لڑکی سمیت فرار ہوئے تھے. وہ لڑکی کدھر ہے؟''

''میری سمجھ سے باہر ہے کہ آپ کیا پوچھ رہے ہیں.''

''کمال ہے کیا تم خبریں نہیں دیکھتے سنتے۔ یار ایک منسٹر کے بیٹے کو اسکی شادی والے روز جب وہ باتھ روم گیا کسی زہریلی چیز نے ڈس لیا۔ جسم پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں پایا گیا۔ مگر زہر اس قدر تیز تھا۔ بندہ موقع پہ ہی مر گیا۔ منسٹر صاحب نیم پاگل ہو گئے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ دلہا مر گیا۔ پر دلہن بھی غائب ہے. کچھ تجزیہ نگاروں کا یہ بھی کہنا ہے۔ جب دولہا مر گیا۔ تو دلہن کو وہاں سے ہٹانا نہیں چاہیے تھا۔ اب سارا واقعہ ایک ایکسیڈنٹ کی بجائے ایک کرائم سین بن گیا ہے۔ کئی ٹی وی چینل یہ بھی کہہ رہے ہیں۔ لڑکی نے اپنے شناسا کے ساتھ فرار ہونے سے پہلے اپنے کزن اور ہونے والے شوہر کو زہر دیا ہے۔''

''سر آپکی اینڈ والی بات بوگس ہے۔ میں خبروں پر گہری نظر رکھے ہوئے ہوں. کہیں بھی کسی چینل پر بھی لڑکی کا ذکر نہیں آیا ہے۔ لڑکی غائب ہوئی یا نہیں یہ بات خاندان والوں نے باہر لیک ہونے نہیں دی ہے. اور جہاں تک رہی لڑکی کو غائب کر کے کرائم سین بنانے والی بات تو سر ایسا سوچ سمجھ کر ہی کیا گیا ہے. تا کہ اسکے باپ کو علم ہو سکے. پندرہ سال پہلے کیا گیا وعدہ پورا کیا جا چکا ہے.''

''تم یہ بھول گئے کہ ہم لوگ اب ذاتیات کے لیے لڑنا چھوڑ چکے ہیں۔''

''ہاں مگر پرانے قرض سر پر لیکر پھرنا مجھے پسند نہیں سر۔ میری زندگی کا مقصد یہ انتقام تھا۔ الحمدللہ اب میں سرخرو ہوں۔''

''اس لڑکی کو کہاں چھوڑا ہے؟. اسکا مستقبل کیا ہوگا؟''

''ایک بات تو پکی ہو گئی کہ آپ میری جاسوسی کرنا بند نہیں کر سکتے.''

"دیکھو یار یہ کام اپنا جینا مرنا اوڑھنا بچھونا ہے۔کبھی بند نہیں ہو سکتا۔"

"سر کم از کم مجھے میری زندگی میں تھوڑی سی پرائیوی تو دے دیں۔آپکے سامنے تو اب ننگا پن سا محسوس ہوتا ہے۔میرے ہر ہر کام کی آپکو خبر ہو جاتی ہے."

خاموش ماحول میں زبردست قہقہہ ابھرا۔۔

"ینگ مین مجھے اصل موضوع سے مت ہٹاؤ۔۔۔"

"جو سوال آپ نے پوچھا ہے۔اسکا جواب آپکو پتا ہونا چاہیے."

"مجھے علم ہے۔اسی لیے پوچھا ہے۔یار تم جانتے ہو وہ میری رشتے دار ہے۔"

"میں جانتا ہوں. مگر میرے لیے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی."

"کیا میں جان سکتا ہوں۔تم نے اپنے دشمن کی بیٹی سے شادی کیوں کی ہے؟. کیا اس سے بدلا لوگے؟"

تھوڑی دیر خاموشی چھائی۔۔۔

"میں نے شادی نہیں نکاح کیا ہے. اور نہیں میں نے کسی انتقامی جذبے کے تحت یہ کام نہیں کیا۔نہ ہی میں عورت سے بدلہ لینے کو اچھا سمجھتا ہوں۔"

"تم دہرا معیار نہیں اپنا رہے ہے۔تم نے اپنی زندگی میں ایک عورت سے انتقام لیا تھا۔اور بڑا ہی سخت بدلا لیا۔'

پھر خاموشی کا وقفہ ہوا۔

"وہ عورت میری قصوروار تھی۔یہ عورت بے قصور ہے."

"اسلیے تم اسکو مرنے کے لیے ایک بند گھر میں چھوڑ کر فرار ہوئے۔"

"اب وہ وہاں نہیں ہے."

"تمہیں کیسے علم ہوا۔"

"سر آپکو اپنا سوال تھوڑا بیوقوفانہ نہیں لگ رہا۔ظاہری بات ہے. مجھے بھی ویسے ہی علم ہے جیسے آپکو ایک ایک ڈیٹیل کا پتا ہے."

"کیا یہ تمہارا پلان تھا؟."

”جی نہیں میرا پلان اسکو واپس لاہور اسکے گھر چھوڑ کر آنے کا تھا۔مگر اس لڑکی کے درمیان میں آنے کی وجہ سے چوپٹ ہوا ہے۔“

”اگر یہ تمہارا پلان تھا۔ پھر تو اچھا ہوا کہ وہ لڑکی اسکو اپنے ساتھ لے گئی۔مگر آگے کیا ہونا ہے؟ ایسے کیسے وہ کسی کے گھر رہ سکتی ہے۔“

”میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں اگر آپ چاہتے ہیں۔تو کل ہی اسکو وہاں سے نکال کر اسکے اپنے گھر واپس چھوڑ آتا ہوں۔ ویسے بھی جس خطرے کی وجہ سے اسکی نوکرانی نے میری مدد مانگی تھی۔ جب وہ بندہ ہی زندہ نہیں رہا تو اب اسکو کیا خطرہ آرام سے اپنے گھر جائے۔کیونکہ میں اسکو بسا نہیں سکتا۔“

”منسٹر مرا نہیں ہے۔ نہ ہی انکی ساری فیملی نیم پاگل ہوئی ہے۔ اس بچی کو تو وہ لوگ چیل کوؤں کی طرح نوچ کھائیں گے۔ تم فی الحال یہ پیکٹ اس گھر کے پتے پر پوسٹ کر دینا جہاں وہ گئی ہے۔ میں اسکی نگرانی خود کر لونگا۔“

”آپ یہ کام براہ راست بھی کر سکتے ہیں۔“

”ہاں مگر کبھی کبھی مجھے اچھا لگتا ہے۔جب تم کوئی اچھا کام کرو۔“

”آپکی اطلاع کے لیے عرض کر دوں۔سوائے آپکے ساتھ منہ ماری کرنے کے میں اچھے کام ہی کرتا ہوں۔“

دونوں دو میل پیدل چلنے کے بعد اپنی سواریوں تک پہنچ چکے تھے۔

اس نے پیکٹ اپنی سیف جیب میں رکھا۔ باری باری جسم میں فٹ کیا اسلحہ چاقو وغیرہ نکال کر ایک کالے بیگ میں ڈالے۔دو تین منٹ بعد دونوں افراد کا حلیہ تبدیل ہو گیا تھا۔

”او کے سر ہیڈ کوارٹر میں ملاقات ہوگی۔اپنا خیال رکھیے گا۔اللہ نگہبان......“

”اللہ حافظ جوان۔۔۔“

دونوں گاڑیاں اپنے پیچھے گرد کے بادل چھوڑتی ہوئیں ایک دوسرے کے مخالف سمت میں روانہ ہو گئیں۔۔

☆......☆......☆

”دادو میں اندر آ جاؤں۔؟؟“

انہوں نے ایک نظر دروازے کی جانب ڈالی جہاں زینب سر نکالے پوچھ رہی تھی۔

''کیوں نہیں آؤ۔''

انہوں نے قہوے کا خالی کپ سائیڈ پر رکھا۔ ابھی نماز سے فارغ ہو کر قہوہ پی رہی تھیں۔ زینب کے ساتھ ثرالے بھی شرمندہ سی سر جھکائے داخل ہوئی۔ جسکا انہوں نے بھرپور مسکراہٹ سے استقبال کیا۔

''میں تو سوچ رہی تھی۔ کہ آج تم دونوں سے لمبی بات چیت شائد نہ ہو سکے تھکی آئی ہو۔ آرام کرنا چاہو گی۔''

''زینب فٹ سے انکی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی۔

''پروگرام تو یہی تھا۔ مگر کچھ ناگہانی وجوہات کی وجہ سے اپنے معمول میں تبدیلی کرنا پڑی ہے۔''

زینب کی بات غور سے سننے کے ساتھ ساتھ وہ ثرالے سے بھی مخاطب ہوئیں۔

''کیا بھلا سا نال تھا تمہارا ثمر۔۔۔۔؟؟ بیٹھ جاؤ بیٹی کھڑی کیوں ہو؟؟۔''

وہ جھٹ بیڈ کی پائنتی پر تھوڑی سی جگہ گھیر کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہے دادی ایک نام نہیں یاد رہا۔۔۔ مگر خیر یہ جو ثمر ہے ناں شکل سے کس حد تک معصوم معلوم ہو رہی ہے۔؟؟ اسکو ذرا غور سے دیکھیں اور پڑھیں پھر اپنی رائے بتائیں۔۔''

زینب کے انداز اور سوال پر انہوں نے مسکراتے ہوئے الجھن سے اسکو دیکھا۔

''یہ کیسا سوال ہوا؟؟۔''

''دادی بڑی ضروری بات کرنے آئے ہیں۔ اصل میں اس ثمر کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ اسکے میاں کا کوئی علم نہیں کہاں ہے۔ میکہ کوئی ہے نہیں۔ سسرال کا کوئی اتہ پتا کچھ خبر نہیں۔ پہلے یہ اپنے شوہر کے ساتھ پنجاب میں رہتی تھی۔ یہاں نئی نئی آئی ہے۔ کسی علاقے یا لوگوں سے واقف نہیں ہے۔ مجھے کو بلا بس سٹیشن پر روتی ہوئی ملی تھی۔''

زینب کی زبان فراٹے بھر رہی تھی۔ تو ثرالے کی آنکھیں ساون بہا رہی تھیں۔ بیچ میں دادی بیچاری ہکا بکا کبھی اپنی پوتی کی شکل دیکھیں۔ کبھی بقول انکے ثمر جی کی۔

''گھر میں خرچے پر جھگڑا ہوا میاں اسکا غصے میں گھر سے نکل گیا۔ پورا ایک مہینہ یہ اسکا انتظار کرتی رہی ہے آخر مالک مکان نے کرایہ نہ ملنے پر اس مظلوم کو گھر سے نکال دیا۔ اب اسکو دیکھیں یہ ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہے۔

پرشکل سے پوری بدھو لگ رہی ہے ناں۔ ہمت والی نہیں ہے۔ مجھے رحم آگیا اس لیے اسکو ساتھ لے آئی ہوں۔ سوچیں ذرا اسکا کیا ہوتا وہاں بس سٹیشن پر ظالم شوہر نے کپڑے تک اسکو نہیں دلوائے۔ مجھے وہ مل جائے کہیں سے گردن مڑوڑ دوں۔ بیچاری معصوم سی بچی کو گھر سے بے گھر کر دیا ہے۔ دادی ہم تو پٹھان لوگ ہیں۔ عزت کا رکھوالی کرنیوالے۔ آپ اسکی مدد ضرور کرو۔ بھائی کو بھی علم نہ ہو تو اسکے لیے اچھا ہوگا۔ وہ کہیں اسکے شوہر کو ڈھونڈنے نہ نکل کھڑا ہو۔"

"اف خاموش ہو جاؤ بولے چلے جا رہی ہو۔ اور یہ لڑکی روئے چلے جا رہی ہے۔ مجھے خاک بھی سمجھ نہیں آیا۔ تم نے کہا تھا یہ یالے ہے تمہاری سہیلی۔۔۔۔ پھر اب اجنبی مظلوم ثمر کیسے بن گئی؟؟"

"میں نے کب اسکو ثمر بنایا ہے۔ آپ نے ہی یہ نام ایجاد کیا ہے۔ اب ژالے کی بجائے یالے بول رہی ہیں۔"

"ہاں اب یاد آگیا تم نے اسکا نام ژالے بتایا تھا۔ ادھر آؤ بچے میرے پاس اور بتاؤ کیا یہ زنب سچ کہہ رہی ہے۔ ایک بات تو ہے۔ تم پہلی نظر میں ہی ڈری سہمی سی ہی لگیں تھیں۔۔ اگر جو یہ کہہ رہی ہے۔ وہ سچ ہے تو میرا بچہ میرے ہوتے ہوئے تم کو فکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تم مجھے اپنے شوہر کا نام اور گھر کا پتا بتاؤ میں اپنے بیٹے سے کہہ کر اسکو بازیاب کرواؤنگی۔۔ اگر غلطی اسکا ہوا تو وہ آکر خود تم سے معافی مانگے گا۔"

"یہی تو مسئلہ ہے ناں دادو اسکے شوہر کا دوست اسکے گھر پر پیغام دیکر گیا تھا۔ کہ اسکا شوہر پاکستان سے باہر چلا گیا ہے۔ ملک میں ہوگا تو آئے گا ناں۔۔۔ اور یہ اتنی پاگل ہے۔ اپنے گھر کا پتا تک نہیں جانتی بس گل محمد شوہر کا نام بتاتی ہے۔ اپنا اسکا پورا نام ژالے گل ہے۔ مجھے تو یقین نہیں آتا کہ یہ ڈاکٹر کیسے بن گئی۔"

ژالے زاروقطار رونے کے ساتھ ساتھ زنب کے جھوٹ سن کر لاحولا پڑھتی جا رہی تھی۔

"تم اسکو بھی کچھ بولنے کا موقع دو گی یا اسکا سارا کیس تم نے ان دو تین گھنٹوں میں ہی ازبر کر لیا ہوا ہے۔۔"

"اسکی حالت دیکھیں ذرا۔۔!! کمرے میں بھی بے ہوش ہونے لگی تھی۔ میں نے فوراً گلوکوز دیا۔ تب کہیں ہمت کر کے یہاں تک آئی ہے۔ جب سے ملی ہے رونا ہی رونا ہے۔"

"بچے ادھر آؤ۔۔۔" اب کے دادی کی آواز میں تشویش جاگی تھی۔

وہ۔ آکر انکے قریب فرش پر بیٹھ گئی جہاں سارا کالین بچھا ہوا تھا۔

''بے ہوش کیوں ہونے لگیں تھیں۔کیا اللہ کوئی خوش خبری دینے والے ہیں۔؟؟

''جی۔۔؟؟۔۔''

زینب نے بمشکل اپنے قہقے کا گلا گھونٹا۔۔۔جبکہ ژالے کے چہرے پر پورے بارہ بج چکے تھے۔زینب نے اشارے سے دادی امی کی بات کی تشریح کی جس پر اسکا چہرہ کانوں تک لال ہوگیا۔اور مری سی آواز میں بس اتنا بولی۔۔

''نہیں دادو جی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''اچھا اب ذرا مجھے تفصیل سے بتاؤ کس بات پر شوہر اتنا ناراض ہوا کہ تمہیں اجنبی علاقے میں تن تنہا چھوڑ کر یوں غائب ہوگیا؟۔''

زینب نے وہیں مداخلت کردی۔

''کمال کرتی ہیں۔کیا صبح دن نہیں چڑھنا باقی تفصیل پھر کبھی جان لیجئے گا۔اس وقت تو آپکو ایمرجنسی میں ہیڈ لائنز دی ہیں۔آپ اب گاؤں والے کلینک میں عورتوں والی سائیڈ صاف ستھری کرنے کو بولیں۔یہ کہہ کر کہ آپکی رشتے دار بچی یہاں ڈاکٹر لگ کر آئی ہے۔یہ بھی میں اسکے بھلے کو کہہ رہی ہوں۔اگر اسکی سچی کہانی سنائیں گی۔تو ہوسکتا لوگ اسکو قبول نہ کریں کئی باتیں کئی سوال نکلیں گے۔آپ کی رشتے دار سے کس کی جرات ہوگی۔سوال وجواب کرنے کی۔۔۔۔۔۔''

دادی کو سوچ میں ڈال کر وہ ژالے کا تھام کر یہ جا وہ جا۔۔۔۔

اپنے کمرے میں واپس آکر ژالے نے ایک بڑا سا ٹھنڈے پانی کا گلاس پیا۔دونوں سونے کی نیت سے لیٹیں تو ژالے بولی۔

''زینب آپس کی بات ہے۔آخر اتنی جلدی تمہارے دماغ نے فرضی کہانی کیسے بنالی۔''

اندھیرے میں زینب کا قہقہہ گونجا تالی بجاتے ہوئے بولی۔

''میں تمہیں کہہ رہی ہوں۔اس سال گینس بک آف ریکارڈ میں میرا نام نہ آئے تو سمجھ جانا ادھر بھی کرپشن

پائی جارہی ہے۔تم بس ایک احسان کرو ساری رات گل محمد کا نام دہرادہرا کر سبق کی طرح رٹ لو۔کوئی پوچھے شوہر کا نام فٹ سے بتانا ہے۔محمد گل ۔۔۔ میکہ ہے ہی نہیں سسرالی فیملی کا کوئی علم نہیں۔ یہ ساری باتیں پکی کروانے کے لیے ابھی تمہیں دادو کی عدالت سے نکال لائی ہوں۔ڈالے گل۔۔۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔پر اگر دادی کو پتا لگ گیا ہم نے جھوٹ بولا ہے۔تب کیا ہوگا۔"

"کون بتائے گا؟؟ بس اگر تمہارا شوہر واپس آجائے اسی صورت میں راز کھلے گا۔پھر تم اس کے ساتھ چلی جانا۔دادی کو میں منالونگی۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی چھائی رہی۔

"زینب تمہارے امی ابو؟"

"انکی تو سالوں پہلے وفات ہوگئی تھی۔۔۔۔چلو اب رٹا لگاؤ گل محمد' گل محمد۔۔۔ویسے مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا ہے۔ایک آدمی کہ یادداشت بہت خراب ہوتی ہے۔مارکیٹ سے گزر رہا ہوتا ہے۔ بڑی پیاری کھانے کی خوشبو آتی ہے۔وہ کڑاہی والے آدمی سے پوچھتا ہے۔ بھائی کیا فرائی کر رہے ہو۔آدمی نے بتایا پکوڑے۔۔بولا بس ٹھیک ہے۔آج گھر جا کر بیوی سے فرمائش کرونگا کہ پکوڑے بنا کر کھلائے۔بیچارہ سارا رستہ پکوڑے پکوڑے رٹتا جاتا ہے۔تاکہ نام نہ بھول جائے۔رستے میں ایک بڑی سی نالی آتی ہے۔جسے عبور کرنے کو جمپ مارتا ہے۔منہ سے نکلتا ہے۔ہملے۔۔۔۔اب وہ باقی کا سارا راستہ ہملے ہملے رٹتا جاتا ہے۔گھر جا کر بیوی کو حکم کیا چلو مجھے ہملے بنا کر کھلاؤ۔بیوی بیچاری لگی دماغ لڑانے مگر کوئی بات نہ بنی اس نے مار مار کر بیچاری کی حالت بگاڑ دی۔سارا محلہ اکٹھا ہوا۔ہمسائی بولی۔ارے بھائی تم تو بڑے ظالم ہو بیچاری کو مار مار کر ناک کا پکوڑا بنا دیا۔ وہ آدمی سب بھول کر خوشی سے بولا۔۔۔ ہاں یہی نام تھا۔ پکوڑے۔۔۔۔۔۔!! بیگم خدا کے لیے مجھے پکوڑے بنادو۔۔۔"

کمرے میں کتنی دیر تک دونوں کی ہنسی گونجتی رہی۔

"پر زینب اگر میرا شوہر کبھی واپس نہ آیا تو پھر۔۔۔۔؟؟۔"

جواب میں خاموشی رہی پھر کچھ دیر بعد بولی۔

''پھر کی پھر دیکھی جائے گی۔ابھی بس گل محمد۔۔۔''

ابھی اسکی بات منہ میں ہی تھی۔جب دروازے کے باہر جاگنے والی آوازوں نے ساری توجہ کھینچ لی۔ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ژالے اتنی مشکوک آوازوں پر لرز کر بیڈ سے نکلی لگ رہا تھا جیسے نہ جانے کتنے بھاری بوٹوں کی دھمک جاگی ہو۔

زینب نے بتی جلائی اور رعب سے بولی۔۔

''جہاں سے آئی ہو۔جیسے آئی ہو سب کی سب واپس چلی جاؤ آج میں حد سے زیادہ تھکی ہوئی ہوں۔''

ژالے پھٹی آنکھوں سے ساری کارروائی ملاحظہ کرتے ہوئے بولی۔۔

''کیا یہاں باہر والی مخلوق کا بسیرا ہے؟؟۔''

جبکہ باہر والی مخلوق نے بڑے تحمل سے زینب کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

''زینی باجی آپ دروازہ کھول رہی ہیں۔یا ہم متبادل سوچیں؟۔۔۔''

زینب نے آنکھیں گھماتے ہوئے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

اسکے بعد تو ایسا لگا جیسے کسی بکریوں کے باڑے کا دروازہ کھول دیا گیا ہو۔ایک پھر دو اسکے بعد تین' چار' پوری پانچ جیتی جاگتی لڑکیاں سر سے پیر تک ایسے لپکی جیسے کے ٹو سر کرنے کے ارادے ہوں۔

''زینی باجی آپ کو شرم تو نہ آئی۔اتنے عرصے بعد آپ ایسے عین موقع پر نازل ہوئیں ہیں۔اللہ جانتا ہے۔ہم غریبوں کی زندگی میں ایسے دن یا ایسی رات کبھی قسمت سے سو سال میں ایک دفعہ آتی ہے۔جب سر گھر پر نہ ہوں۔اور نعمان سر بھی انکی جگہ پہرہ نہ دے رہے ہوں۔آپ کس منہ سے سونے کی تیاریوں میں تھیں۔''

وہ لال گلابی گالوں والی جو کوئی بھی تھی۔زینب کو برابر گھور رہی تھی۔جو کہ بیڈ پر سر پکڑ کر بیٹھی تھی۔

''تم لوگوں کی آنکھیں ہیں یا ماربل کی گولیاں دیکھ نہیں رہی ہو۔مہمان آئی ہوئی ہے۔''

کمرے میں یک آواز۔۔''او۔۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔۔۔!! گونجی۔۔۔ایک اور لڑکی بولنے لگی۔

''زینی باجی اب جھوٹ بولنا بھی شروع کر دیا۔ملازمہ نے تو بتایا کہ بقول دادی گاؤں میں نئی ڈاکٹرنی آئی ہیں۔''

''تم لوگوں کو علم ہو بھی گیا۔''

''ہاں تو نہیں ہونا تھا۔اب چلیں آپ بھی ڈاکٹر جی۔۔۔۔ تیاری کریں ہم لوگ دعوءِ مفت کینو اڑانے جا رہے ہیں۔''

زینب نے ایک آخری دھمکی دینی چاہی۔۔

''اگر یہ خبر دشمنوں کو مل گئی تو کالے چور کی سزا ملنی ہے۔''

''مجاہدین سر بکفن ہو کر آئے ہیں۔زینی باجی ہمارے جذبہ ہائے حبِ لتباہ باغ کو پست کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔آج گلزار بابا اپنے کیئے کی سزا بھگت کر رہے گا۔پچھلی دفعہ اسنے ہماری جھوٹی شکایت کی تھی۔صرف دو مالٹے توڑنے پر جو بے عزتی ہوئی۔اللہ کے ساتھ ساتھ اسکے سارے فرشتے اور کالج کی ہر بچی گواہ ہے۔آج وہ مائی کا لال اپنے کیئے کی سزا بھگتے گا۔میں نے پورا پیکٹ کالا نمک اور کالی مرچوں کا لیا ہے۔اب چلو وقت برباد نہ کرو۔۔۔''

زینب بادل نخواستہ اٹھ کر جوتے اور مفلر وغیرہ پہننے لگی۔ساتھ ہی الماری سے نکال کر دو سویٹر ژالے کی جانب اچھالتے ہوئے پہننے کا حکم دیا۔

جب وہ لوگ پانچ منٹ بعد پچھلے دروازے سے گھر کے باہر آئیں۔وہاں ورشے اور زرتاشہ کی پلٹون کے باقی مجاہدین ان لوگوں کے انتظار میں اکڑ رہے تھے۔

پندرہ بیس لڑکیوں کا یہ گروپ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے مختلف پگڈنڈیوں اور رستوں سے ہوتا ہوا پہاڑی کے دوسری طرف اتر کر مالٹوں کے باغ پر حملہ آور ہوا تھا۔اگلے تین گھنٹوں میں ان سے جس قدر ہو سکا یا یوں کہنا چاہیے جس قدر انکے ہاضمے نے برداشت کیا۔مالٹے کھا کھا کر ٹھنڈ میں کسی کی ناک بہنے لگی۔کسی کو چھینکے آئے جا رہی تھیں۔لڑکیوں کی باتوں' قہقہوں اور لطیفوں کے دوران ژالے اپنی زندگی کچھ دیر کے لیے بالکل بھول گئی۔

اس نے واپسی پر علا اعلان بتایا۔

''میں نے آج تک اتنے مزے دار میٹھے' رس بھرے مالٹے نہیں کھائے ہیں۔''

ورشے سب سے لمبی اور خوبصورت لڑکی بولی۔

''ڈاکٹر جی وہ اس لیے کہ یہ مالٹے مفت کے تھے۔''

زبردست ہنسی کے فوارے پھوٹے۔۔۔ژالے کے دماغ میں ایک اور سوال آ رہا تھا۔ لگے ہاتھ وہ بھی پوچھ لیا۔

''زینب تم لوگ اتنی رات کو بلا خوف وخطر گھر سے نکل کر یوں گھوم رہی ہو اگر کوئی چور ڈاکو یا کوئی آوارہ لڑکے ہی روک لیں تو پھر۔۔۔؟''

اس کی بات پر ایک دفعہ پھر ساری کی ساری لڑکیاں ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہونے لگیں۔

''مجھے نہیں لگتا کہ میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے۔ جو تم لوگ یوں بے حال ہو رہی ہو۔''

''گوہر جان ہمارے لیے یہ لطیفہ ہی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس گاؤں میں چور یا ڈاکو آئیں گے۔ ادھر چڑی بھی پر نہیں مارتی۔۔۔ ابھی تم گاؤں کے اندر جاؤ بہت سے گھروں میں باہر کے دروازے بھی کھلے ملینگے۔''

ژالے کو واقعی حیرت ہوئی۔

واپسی پر ساری پلٹون سیدھی ہاسٹل آئی۔ ورشے نے اپنے کمرے میں ہی سب کو الیکٹرک کیتل سے کافی بنا کر پلانے کے بعد چلتا کیا۔

جس وقت وہ دونوں سونے کے لیے لیٹیں سوا بارہ کا وقت تھا۔ ایک تو سارے دن کی تھکاوٹ اوپر سے اتنی لمبی واک دونوں پڑتے ہی غافل ہو گئیں۔

زینب کو تو کچھ ایسا ہی محسوس ہوا جیسے ابھی ہی لیٹی تھی۔ ساتھ ہی کسی نے دروازہ بجا بجا کر اٹھا دیا۔ نہیں دروازہ بجانا بولنا گناہ ہوگا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ بہتر ہے۔ دروازہ پیٹا گیا۔ جیسے کوئی اکتایا ہوا قرض دار ہو۔

ژالے نے خوفزدہ نظروں سے دروازے کو دیکھتے ہاتھ بڑھا کر زینب کا کندھا ہلایا۔

''زینب کیا تمہارے گھر پر واقعی کوئی جنوں کا سایہ ہے۔ یا کہ پھر سے ہم منہ اندھیرے کینو کھانے جا رہے ہیں۔''

زینب جو کہ بستر کے اندر خود کو کموفلاج کرنے کی کوشش میں تھی۔ اٹھ کر لائٹ جلاتے ہوئے بولی۔

''ارے ایک آدھ جن ہوتا۔ اس سے تو میں خود نمٹ لیتی مگر یہ دیو صاحب ہیں۔ خیر تم سو جاؤ یہ صرف مجھ

مظلوم کو ہی موت کے گھاٹ اتارا جائے گا۔''

ساتھ ہی بولٹ گرایا۔

دروازہ کھول کر سامنے کھڑی ہستی کو دیکھ کر ہی زینب کی مسکراہٹ کانوں تک پھیل گئی۔ جوش سے گلے ملنے کی نیت سے آگے ہوئی مگر کندھوں سے تھام کر سامنے والے نے اسے وہیں روک دیا۔

گرے اور نیوی ٹریک سوٹ کے اوپر بھاری گرم جیکٹ کے ساتھ جوتے بھی موسم کے لحاظ سے ہی پہنے ہوئے تھے۔ کشادہ پیشانی سرخ وسفید رنگت کالی سیاہ آنکھیں اسی رنگ کے بال چہرے پر سب سے قابل توجہ مہارت سے تراشی ہوئیں درمیانے سائز کی مونچھیں تھیں۔ جن کو دونوں سروں سے بل دیکر سیٹ کیا گیا ہوا تھا۔ اسکے بعد سامنے والے کی ناک تھی۔ پتلی سی نوک دار اٹھی ہوئی ناک۔

'' آتے ہی کیا گھور رہے ہو۔ بہن اتنے دنوں بعد نظر آئی پھر بھی کوئی پیار نہیں آیا۔ سچی بات ہے دنیا کا لہو سفید ہو گیا ہے۔''

'' لہو سفید ہوا ہے یا ہرا تفصیل سے بتانے کے لیے ہی تمہیں بلانے آیا ہوں۔ نکلو باہر۔۔۔ اور کیا اندر ہاسٹل کی کوئی لڑکی ہے؟۔''

بھاری مگر نرم لہجہ دھیمہ دوٹوک انداز پوچھنے کا مقصد شائد اندر والی کو وارننگ دینا تھا۔ کہ وہ کمرے کے اندآ رہا ہے۔ ایک منٹ کے وقفے سے زینب کو دروازے سے ہٹانے کے بعد اندر داخل ہوا۔ مردانہ خوشبو سے کمرہ بھر گیا۔ ژالے چونکہ پہلے سے ہی الرٹ ہو کر دوپٹہ اوڑھ چکی تھی۔

'' آپ کا تعارف؟۔''

وہ بوکھلاہٹ اور نیند میں بولی۔۔

'' جہ جی؟ میری بھلا کیا تعریف؟۔۔''

زینب کا قہقہہ نکل گیا۔ اسکے بھائی نے گھوری سے نوازا پھر دوبارہ فوکس ژالے پر کیا۔

'' میری اماں نے بتایا ہے کہ آپ کا نام ژالے ہے؟۔''

'' جی یہ ہی میرا نام ہے۔ اور آپ یقیناً زینب کے بھائی ہیں؟۔''

''نہیں جی اس وقت تو نہیں ہوں۔''

ژالے نے حیرت سے دروازے کے پاس کھڑے شخص کو دیکھا۔

''اسکا کیا مطلب ہوا؟۔''

''آپ اسکا مطلب چھوڑیں ژالے صاحبہ یہ بتایئے آپکا پورا نام کیا ہے؟۔''

ژالے نے تھوک نگلا۔۔۔ایک نظر مدد طلب نظروں سے زینب کو دیکھا۔جس نے آنکھوں آنکھوں میں کچھ یاد دلوانے کی کوشش کرتے ہوئے۔کرسی پر پڑے گلابی دوپٹے کی جانب اشارہ کیا۔

ژالے نے ہونق بن کر سارے کمرے پر نظر دوڑائی۔۔۔

''میرا پورا نام۔۔۔۔''

''جی آپکا پورا نام؟؟''

نظریں ادھر ادھر ایسے بھاگ رہی تھیں جیسے کہیں فرنیچر یا دیوار پر اسکا نام لکھا نظر آئے گا۔زینب کا بھائی بڑے غور سے جائزہ لے رہا تھا۔شکر ہوا نظر گلابی دوپٹے پر اک پل کو ٹکی تو فٹ نام یاد آ گیا۔

''میرا نام ژالے گل ہے۔''

''ماشاءاللہ آپکو اپنا نام یاد ہے۔''

''نہیں اصل میں کل رات کو کینو کھا کھا کر مت ماری گئی تھی ناں اسلیے ابھی تک ذہن بیدار نہیں ہوا۔آپ کا سوال دیر سے سمجھ میں آ رہا ہے۔ویسے آپ لوگ تو بہت خوش قسمت ہیں۔اتنے میٹھے اتنے مزے دار کینو میں نے پہلے نہیں کھائے تھے۔''

زینب نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''مس گل سننے میں تو یہ آیا ہے کہ آپ ڈاکٹر ہیں۔مگر میں آپکو ایک بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔یقین مانیے کینو کھانے سے کبھی بھی انسان کی مت نہیں ماری جاتی۔۔۔ایسا حرام کھانے کی وجہ سے ہوتا ہے۔۔''

''کیا مطلب؟۔۔''

''میں آپکا پرائمری کا استاد نہیں ہوں جو ہر بات کا مطلب سمجھانے بیٹھوں۔آپ حرام مال کے سیاق وسباق

سے تو واقف ہی ہو نگی۔حرام کا مال کس کو کہتے ہیں۔۔"

"ظاہری بات ہے۔ میں ایک مسلمان ہوں۔ اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ حرام مال وہ ہے جو ناجائز طریقے سے کمایا جائے۔"

"خالی کمایا ہی نہیں مس گل حرام طریقے سے کھایا بھی جاتا ہے۔ جیسے کل رات آپ نے کینو کھائے اور حرام مال کہ تاثیر یہ ہے۔ جب ہم مال کھا رہے ہوتے ہیں تو لذت کی شدت ہر چیز بھلا دیتی ہے۔اور جب وہی مال باہر آتا ہے۔تو دن میں تارے نظر آتے ہیں۔ انسان کو اپنی نانی بڑی یاد آتی ہے۔ جیسے ابھی آپکو آپکی گینگ لیڈر اور باقی ساری نفری کو آنی ہے۔"

واپس بہن کی جانب مڑا

"تم دونوں کے پاس پانچ منٹ ہیں۔ چھٹا منٹ شروع ہونے سے پہلے گراؤنڈ میں نظر آؤ۔۔"

اپنی بات پوری کرنے کے بعد لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے غائب ہو گیا۔

زینب مسکین سی صورت لیکر الماری کی جانب بڑھی۔۔

ژالے گھبراہٹ کے مارے اسکے قریب آئی۔۔

"تمہارے بھائی یہ سب کیا بول کر گئے ہیں۔"

"کونسے بھائی کتنے تھے؟ ادھر تو ایک ہی آیا تھا۔"

"اچھا مذاق نہیں کرو۔۔۔ مجھے تمہارے بھائی کی کوئی بات سمجھ نہیں آئی۔۔"

"ٹینشن کیوں لیتی ہو۔گرم کپڑے پہنو جرسیاں چڑھا لو صاحب جی ٹھنڈ میں کھڑا کر کے اپنے فرمان کی تشریح آسان لفظوں میں کھول کھول کر بیان کرنے کی دعوت دیکر جا چکے ہیں۔ دو منٹ بیت چکے ہیں۔ چھٹا شروع ہو گیا ناں تو سزا ڈبل ہو جانی ہے۔ورشے تیری شادی کسی لڑاکا عورت کے اکلوتے بچے سے ہو تمہاری وجہ سے آج غازان نے چار بجے ہی اٹھا دیا ہے۔"

"غازان کون؟ تمہارے بھائی؟"

زینب تیزی سے جرابوں کے بعد بوٹ پہن رہی تھی۔ژالے کے سوال پر ہاتھ روک کر اسکو گھورا۔۔

''میرا ایک ہی بھائی ہے۔ جس کا نام سردار غازان خان ہے۔ جو ابھی ادھر حکم جاری کر کے گیا ہے۔ اور وہ صرف ایک ہی انسان ہے۔ کوئی پانچ چھ نہیں اسلیے تمہارے بھائی کی بجائے تمہارا بھائی زیادہ سوٹ کرتا ہے۔''

ژالے شرمندگی سے بولی۔۔۔

''میں تو ادب کی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کر رہی تھی۔ ویسے زینب تمہاری دادی امی نے اتنی جلدی سب کو میرے بارے میں بتا دیا۔ رات کو لڑکیوں کو بھی علم تھا۔ ابھی تمہارے۔۔۔ میرا مطلب تمہارا بھائی کو بھی پتا ہے۔''

''ہاں تو دادی نے اچھا کیا ناں جو بتا دیا۔ ہمارا سارا مسئلہ ہی حل ہو گیا ہے۔ اور سردار کو تو بتانا ہی تھا۔ تمہارا کلینک وغیرہ صاف کروانے کا حکم دیا ہو گا ناں دادی نے سمجھا کرو۔ اللہ مدد کر رہا ہے۔ جب اللہ کہ نظر ہو دادی کہتی ہیں۔ تب ہی انسان کو سبب لگتے جاتے ہیں۔ راستے نکلتے جاتے ہیں۔ دیکھو ناں کل اس وقت تم اکیلی بیمار ادھر بند گھر میں بے یار و مددگار ایک طرح سے اس دنیا کے لیے مردہ ہی پڑی ہوئیں تھیں۔ آج ادھر ہو میرے ساتھ۔۔ اور ہماری دوستی دیکھو ذرا کیسے فٹ سے اتنی گہری ہو گئی ہے۔ اب بھی اللہ کے راز نہیں سمجھ رہی ہو پاگل۔۔ یہ بھی تو ہو سکتا تھا۔ میری ائر پورٹ سے آنے کے بعد والی بس مس نہ ہوتی میں اس پر بیٹھ کر گھر آ جاتی۔ تم ابھی۔۔۔''

ژالے نے اسے ٹوک دیا۔

''پلیز زینی کل رات ان لڑکیوں نے وہ تاریک گھر اور میرا تاریک اور نہ معلوم مستقبل مجھے بھلا دیا ہے۔ واپس یاد نہ کرواؤ۔۔ میں نہیں یاد کرنا چاہتی۔۔۔''

زینب نے اسکے امڈ آنے والے آنسو دیکھے اور ہاتھ بڑھا کر صاف کر دیئے۔

''فکر نہ کرو جو مصیبت اب آئی ہے۔ بیتی اور آنے والی سب باتیں پھر سے بھول جاؤ گی۔ چلو چلیں ورنہ بڑا پچھتاوا ہو گا۔

دونوں پوری طرح تیار ہو کر باہر آ ئیں۔ ٹھنڈی یخ ہوا کے تھپیڑوں نے استقبال کیا۔ ژالے تو جھرجھری لیکر زینب کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگی مگر ناکامی ہوئی۔

پوری عیدگاہ جتنے بڑے گراؤنڈ میں ایک کالا سا جھنڈ نظر آیا قریب جانے پر علم ہوا کہ وہ رات والی پلٹون تھی۔ایک دوسرے سے حالِ دل پوچھنے اور بتانے کا وقت ہی نہ ملا۔۔

''اسلام علیکم۔۔۔۔۔''

آواز وہی نرم مگر بیگانگی برتتی ہوئی۔

''ابھی تک نیند کے جھولے ختم نہیں ہوئے ہیں۔فکر کی کوئی بات نہیں بہت جلد پورے چودہ طبق بیدار ہونگے۔مجھے اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے۔جیسے میں آپ لوگوں کا پرنسپل نہیں ہوں۔بلکہ آپکی ماں ہوں۔بچوں کو گھر پہ نند بھاوجوں کے پاس چھوڑ کر کہیں ضروری کام سے جاؤں جیسے کہ میری پھوپھو کی طبیعت ناساز تھی۔نہ جاتا تو شکوہ تو ملتا مگر گناہ الگ۔۔۔پر واپسی پر ہر دفعہ مجھے یہ لمبی چارج شیٹ ملتی ہے۔جس میں سنہری حروف میں لکھا ہوتا ہے۔تمہارے نالائق' بگڑے ہوئے' بدتمیز' جنگلی بچوں نے تمہاری غیر موجودگی میں یہ یہ یہ نقصانات کیے ہیں۔مگر افسوس کی بات یہ ہے۔آپ لوگ بچے نہیں ہو۔گدھے ہو۔۔''

''دو گھنٹے پہلے میں اسلام آباد سے واپس آیا ہوں۔ابھی جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔گلزار بابا کی کال آئی۔بیچارہ منہ اندھیرے اپنے بیٹوں کو لیکر گیا ہے۔اس نیت سے کہ سارے گھر کے مردل کر پھل اتار لیتے ہیں۔تاکہ کل وہ مال مارکیٹ لیجائیں۔مگر ادھر باغ میں آدھا پھل اتار کر پھینکا گیا ہے۔کئی ٹہنیاں ٹوٹی ہیں۔اور جو کھایا ہے اسکے چھلکے ہر طرف بکھرے پڑے ہیں۔ہاں کوئی بہت بڑا باغ ہوتا۔یا کسی بڑے رئیس زادے کا ہوتا تو شائد اگلے کے احساسات کو اتنا نقصان نہ ہوتا۔مگر گلزار بابا غریب آدمی ہے غیرت اور محنت سے کماتا ہے رزق حلال کھانے والوں میں سے ہے۔اسکے ساتھ بے انتہا زیادتی ہوئی ہے۔''

''مجھے چوکیدار نے پچھلے دروازے کے سی سی ٹی وی کیمرے کی ریکارڈنگ دیکھادی ہے۔کل بائیس لوگ گئے ہو۔ابھی وہ ہاتھ والا نلکا نظر آرہا ہے؟۔۔وہ جو گیٹ کے قریب ہے۔آپ سب لوگ ادھر سے وضو کر کے ادھر کھلے صحن میں نماز ادا کرنے کے بعد میرے ساتھ گلزار بابا کے باغ میں چل رہی ہیں۔جہاں سارا پھل اتار کر کریٹ بھر جائینگے۔۔۔ساری صفائی ہوگی۔اسکے بعد آپ لوگوں کی خلاصی۔۔۔۔''

ایک ساتھ کئی آوازیں احتجاج میں اٹھیں۔

''نہیں پلیز سر یہ سزا نہ دیں۔اور جو کہیں گے ہمیں منظور ہے۔سر پلیز آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔''

''اگر میرے ساتھ بحث شروع کی تو تم لوگوں کی سزا اس سے بھی سخت ہوگی۔وارڈن کو نیند کی گولیاں دیکر کاروائی ہوئی۔اگر انکو کوئی نقصان پہنچ جاتا تو کون ذمہ دار ہوتا؟۔۔''

کوئی مصیبت سامنے کھڑی دیکھ کر سرے سے ہی مکر گئی۔

''سر میں تو جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ورشے ہم سب کو زبردستی لیکر گئی تھی۔''

ورشے نے ادھر ہی ایک ہاتھ کھینچ کر کہنے والی کی پیٹھ پر مارا۔۔۔

''تب تو بڑی آگ لگی ہوئی تھی۔بھینس نہ ہو تو اب مکر رہی ہو۔''

ورشے غدار کے وہیں ٹکڑے کرنے کو جھپٹ پڑی مگر سردار غازان نے اسکی ہڈ سے پکڑ کر اسکو کھینچ کر ایک طرف الگ سے کھڑا کر کے دھیمے سے بلوچی میں کوئی تنبیہ کی جسکے بعد ورشے ہوا نکلے غبارے کی طرح ڈھیلی پڑ گئی۔بلکہ سب سے پہلے نلکے کی طرف وضو کرنے گئی۔

ژالے زینب کے کان میں گھستے ہوئے کپکپاتی آواز میں بولی۔

''اسکو کیا کہا گیا ہے؟۔۔''

زینب نے جواب میں سرگوشی کی۔۔۔

''ورشے تم میری سب سے زیادہ لاڈلی اور بگڑی ہوئی بیٹی ہو۔مجھے اور شرمندہ نہ کرو۔۔۔''

ژالے کے دماغ میں فٹ سے اگلا سوال پیدا ہوا۔

''زینی کیا پرنسپل بہت ہی بوڑھا ہے؟۔''

''ہاں اس سال تیس کا ہوا ہے۔۔''

''خود تیس کا ہے۔تو بیس اکیس سال کی بیٹیاں کیسے ہو گئیں؟۔۔''

''جا کر خود ہی پوچھ لو بڑی زبان چل رہی ہے۔''

''نہیں میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔''

ساری لڑکیاں ایک ایک کر کے وضو کرنے کے بعد کانپتی ہوئیں جائے نماز پر کھڑے ہو کر بجتے گھٹنوں سے

زمیں پر ٹکریں مارنے لگیں۔سجدے کہنا توہین ہوگا۔

''مس گل اگر آپ کی کھسر پھسر ختم ہوگئی ہے تو تل آپکے انتظار میں ہے۔''

ژالے کو اپنے سامنے موت کا فرشتہ نظر آنے لگا۔

''سر کیا آپ مہمانوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے؟''

سردار نے اونی ٹوپی کے نیچے سے بھنویں اچکا کر دیکھا۔

''آپ کے خیال میں نماز کے لیے اٹھانا زیادتی ہے؟ دوسری بات یہ کہ آپ میری مہمان نہیں ہیں۔آپ یہاں ڈاکٹر اپوائنٹ ہو کر آئیں ہیں۔کیا یہی سچ ہے؟''

''جی۔۔۔اسلیے آپ مجھے کوئی سزا نہیں دے سکتے۔''

''آپ ان سب لڑکیوں سے عمر میں بڑی ہیں۔ایک ذمہ دار شہری ہونے کے ناتے آپ کا حق بنتا تھا۔آپ انکو روکتیں۔اکیلی لڑکیاں آدھی رات کو منہ اٹھا کر گھر سے نکل رہی ہیں۔اور آپ نے انکو روکنے کی بجائے انکا ساتھ دیا ہے۔''

ژالے کو تو غصہ ہی آگیا۔کتنے دھڑلے اسکی بے عزتی کر رہا تھا۔وہ بھی اتنے آرام اور تحمل کے ساتھ۔

''معذرت کے ساتھ غازان صاحب۔۔۔مگر میں نہ تو آپکی سٹوڈنٹ ہوں۔نہ ہی آپکی بہن ہوں۔آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا یوں میری بے عزتی کرنے کا۔۔۔''

''یہی بات میں کہنا چاہتا ہوں۔نہ آپ میری سٹوڈنٹ ہیں نہ ہی میری بہن ہیں۔اور جب میں اپنے سے منسلک لوگوں کو ڈھیل نہیں دیتا تو آپ کون ہیں؟ اب جلدی کریں۔دیر کروا رہی ہیں۔'' ژالے کا منہ حیرت کے مارے کھلے کا کھلا رہ گیا۔صدمے سے بولی۔۔

''آپکو زینب کا بھائی کس نے بنا دیا ہے۔۔''

جواب بھی بغیر وقفے کے آیا۔وہ دروازے کی جانب جاتا ہوا اونچی آواز میں بولا۔

''اللہ تعالیٰ نے۔۔۔جا کر وہاں جھگڑیں۔۔۔''

بامشکل نماز ادا کر کے ساری پلٹون ایک دفعہ پھر باغ کو نکلی مگر اس دفعہ پہلے والی شوخی مفقود تھی۔ساری

لڑکیاں مرے قدموں سے چل رہی تھیں۔

منزل پر پہنچ کر وہ جو سب سے آگے چل رہا تھا۔رک کر مڑا لڑکیوں کو مخاطب کیا۔

''میں نے گلزار بابا اور اسکے بیٹوں کو گھر واپس بھیج دیا ہے۔اب تم لوگ اپنا کام شروع کرو۔''

حکم دیکر خود ہاتھ میں تھاما ہوا فولڈ ایبل سٹول کھول کر باغ کے باہر بیٹھ کر جیب سے کوئی کتاب نکال کر پین کی ساخت والی ٹارچ جلا کر کتاب پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ساتھ ہی کچھ سوکھی گھاس وغیرہ اکٹھی کر کے اپنے قریب آگ جلا لی۔

ایک دو لڑکیوں کے ہاتھ میں ٹہنی لگنے سے خون نکلا اس امید پر بھاگی سر کے پاس گئی کہ اب تو پکا جان کی خلاصی ہو جائیگی۔۔مگر سردار نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے پلاسٹر نکال کر ہاتھ پر لگانے کے بعد بولا'' واپس کام پر۔۔''

جب تک وہ لوگ سارا فروٹ اتار کر ایک بڑے سے ڈھیر میں منتقل کرنے میں کامیاب ہوئیں۔وہ پورے انہماک سے کتاب کے کوئی سو سے زائد صفحے پلٹ چکا تھا۔

ژالے کے لیے پہاڑی علاقے کی یہ صبح اتنی سحر انگیز ثابت ہوئی وہ آنکھیں جھپکے بغیر کتنی دیر تک سورج کی پہلی شعاؤں کو دیکھتی رہ گئی۔نیلے رنگ کی دو تین مختلف شیڈز دکھاتا آسمان اتنا پاک صاف اور بے داغ لگ رہا تھا۔جیسے کعبے سے تھوڑا سا نور ادھار مانگ لایا ہو۔یا پھر جو فرشتے کعبے کا طواف کر کے واپس آسمان کو لوٹ رہے تھے۔انکے پروں سے جھڑ کر نور فضا میں پھیل گیا ہو۔اونچے ٹیلوں پر برف چمک رہی تھی۔اپنے یخ ہوتے ہاتھوں کو پھونکیں مار مار کر گرم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے۔بہتی ہوئی ناک کو آستین سے رگڑ امڑ کر زینب کی جانب جا رہی تھی۔جب درد کی شدت سے چیخ نکل گئی۔

چھوٹی سی سوکھی ٹہنی اسکے کھلے جوتے میں ایک طرف سے موزے والے پاؤں کو زخمی کرنے کے بعد دوسری جانب سے جھانک رہی تھی۔جبکہ دو تین سیکنڈ میں ہی پنک اور اورنج رنگ کی جرابیں لال ہونے لگ گئی۔خون کے اتنے بڑے دھبے کو دیکھ کر ژالے وہیں پاؤں پکڑ کر رونا شروع ہو گئی۔ایک تو پہلے ہی اتنے دنوں کا بخار ٹھنڈ پھر یہ مشقت صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

ساری لڑکیاں اسکے گرد جمع ہو گئیں۔ جس پر پرنسپل کی توجہ پڑتے ہی وہ وہاں آیا۔

''اب کون سا سپاہی تلوار کے گھاؤ سے زخمی ہوا ہے؟''

''سر اپنی ڈاکٹر جی۔۔''

لڑکیوں نے آگے سے ہٹ کر رستہ دیتے ہوئے اسے بتایا۔ تب تک اسکی نظر ژالے کے خون آلود موزے پر پڑ چکی تھی۔

''اوہ یہ والا سپاہی تو زیادہ ہی زخمی لگتا ہے۔ مس گل آپکو کس نے کہا تھا۔ کہ آپ یہ کھلے جوتے پہن کر ایسی جگہ پر آئیں؟''

''میرے پاس شکر ہے جو یہ والے ہیں۔ ورنہ ننگے پیر نظر آتی۔۔''

''وہ کیوں؟''

وہ اسکے سامنے بیٹھ کر جائزہ لینے لگا۔ پھر اپنے ہاتھ میں پکڑا قرآن کا صحیفہ لڑکیوں کی جانب بڑھایا۔

''ژالے کا سامان راستے میں کھو گیا تھا۔ اسلیے یہی ایک جوتے تھے۔''

زینب ویسے تو بھائی کو مکمل اگنور کر رہی تھی۔ مگر ژالے کی بات کی وضاحت دینا ضروری جانا۔۔

اس نے سر اٹھا کر ایک نظر بہن کو دیکھا۔ پھر بولا۔

''مس گل میں آپکا موزا اتارنے لگا ہوں۔ پھر ہی علم ہو پائے گا زخم کتنا گہرا ہے۔''

دھیرے دھیرے کھینچ کر پہلے لکڑی کا ٹکڑا نکالا جس پر درد ہوئی پھر موزہ زخم پر نظر پڑتے ہی لڑکیاں جو گرد جھمگھٹا ڈالے کھڑی تھیں۔ یک زبان۔۔۔۔ بولیں۔ ''اوہ۔۔۔۔۔۔!!۔۔''

دائیں پاؤں کی انگوٹھے کے ساتھ والی دو انگلیاں متاثر تھیں۔

''کوئی اتنا گہرا زخم نہیں ہے۔ میں گاڑی منگوا دیتا ہوں۔ ڈاکٹر کو دکھا آئیں۔''

واپس کھڑا ہوا۔۔ جیب میں سے موبائل نکال کر نمبر ملایا۔

''سلام شاہ صاحب اٹھ بیٹھے ہو۔ یا ابھی خواب غفلت میں ہی ہو؟''

''پھر تو بڑی ہی اچھی بات ہے۔ گاڑی لیکر ادھر بابا گلزار کے باغ کی طرف آؤ۔''

اتنا کہہ کر ہی لائن کاٹ دی۔زرتاشے کے ہاتھ سے قرآن پاک کو واپس لیتے ہوئے اگلا حکم دیا۔

''مجھے نہیں خبر کہ تم لوگوں کی عقل کس حد تک ٹھکانے آئی ہے۔باقی کی بات شام میں ہوگی۔ابھی آپ لوگ گھر جاؤ تیاری کرو کالج کی چھٹی کے خواب بھی نہیں دیکھنا۔ورشے تم مس گل کے ساتھ گاڑی میں جانا رستے میں نعمان کو کہہ دینا ڈاکٹر سفیان سے پٹی وغیرہ کروادے۔زینی تم آؤ میرے ساتھ۔۔۔''

زینی پہلے تو اسکی پشت کو غصے سے گھورتی رہی پر جب وہ اوپر پہاڑی کی جانب جاگنگ کرنا شروع ہوا تو اسکی پیروی میں بھاگ کھڑی ہوئی۔زینی کو اپنے پیچھے آتا محسوس کر کے غازان کی سپیڈ میں اضافہ ہوگیا۔آگے پیچھے بھاگتے ہوئے وہ آبشار تک پہنچے تو غازان نے دونوں بازو اوپر کو بلند کر کے اپنی وکٹری کا اعلان کیا۔گلزار بابا کا باغ بہت پیچھے رہ گیا تھا۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔میں پچھلے چار گھنٹوں سے کام کر رہی تھی۔تم تو آرام سے بیٹھے آگ سینک رہے تھے۔''

''ہاں جانتا ہوں تم نے کتنا کام کیا ہے۔ابھی بھی تمہارے جمپر کی جیب میں دو کینو چھپے ہیں۔''

''وہ تو میں تمہارے لیے لائی ہوں۔''

''جی نہیں مجھے کھانے ہوئے تو میں اپنی جیب سے خرید کر کھا لونگا۔چوری کا مال تمہیں ہی مبارک ہو۔یہ بتاؤ مقابلے کیسے رہے؟''

''گولڈ جیتا ہے۔تمہیں تصویریں بھیجیں تو تھیں۔''

''ہاں وہ جس میں لڑکی کی ناک توڑی تھی؟ کچھ ہاتھ ہولا رکھا کرو۔پیپر کب شروع ہو رہے ہیں۔؟''

''ناک میں نے جان بوجھ کر نہیں توڑی میں نے کک ماری تھی۔وہ عین اسی لمحے نیچے کو جھکی پھر تو اسنے مرنا ہی تھا۔اور پیپروں کا پوچھ کر مجھے بور نہ کرو۔ابھی بہت دور ہیں۔۔۔''

وہ آبشار کے پانی سے چند گھونٹ پینے کے بعد آ کر غازان کے ساتھ نیچے کو ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئی۔نظروں کے سامنے انکا دھوپ میں نہایا گاؤں تھا۔

''تمہاری یہی باتیں کسی دن تمہیں فیل کروائنگی میں تمہاری ڈیٹ شیٹ دیکھ کر آیا ہوں۔اگلے ہفتے سے

امتحان شروع ہیں۔"

"ایک پھٹیچر سے کالج کے پرنسپل کیا بن گئے ہو۔خود کو بڑی کوئی توپ چیز سمجھنے لگے ہو۔میں آج تک کسی ٹیسٹ تک میں فیل نہیں ہوئی۔امتحان میں فیل ہونا تو ناممکن ہے۔تم میرا ابا بننے کی بجائے اپنے بچوں کو سنبھالو۔ چور کہیں کی۔"

"وہ لوگ چور بھی تمہاری وجہ سے بنی ہیں۔تم انکے ساتھ جانے سے انکار کر دیا کرو تو کوئی شرارت نہ ہو۔پر تم ایسا کر نہیں سکتی ہو۔کیا یہ مس ژالے گل واقعی ڈاکٹر ہے؟ کہیں فراڈ تو نہیں کیونکہ شکل سے وہ ڈاکٹر کم گوا چی گاں زیادہ لگتی ہے۔"

"کتنی بری بات ہے۔اگر وہ بیچاری سن لے تو صدمے سے ہلاک ہو جائے۔پہلے ہی تم نے اس بیچاری کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔"

زینب نے ایک سیکنڈ کو دل میں سوچا اگر اسکو اس وقت سب سچ بتا دوں تو کیا تاثرات ہونگے۔یقیناً فراڈ سمجھے گا۔خاص کر جب ژالے کو اپنے میاں کا نام تک نہیں معلوم پاس کوئی نکاح نامہ نہیں۔

"بیچاری کیسے ہو گئیں اچھی بھلی صحت مند تو ہیں۔"

"پر اس کے ساتھ بہت بری ہوئی ہے ناں۔راستے میں بیگ کھو جانے کی وجہ سے سارے ڈاکیومنٹ وغیرہ کھو گئے ہیں۔"

"وہ کیا مسئلہ ہے۔نئے بنوائے جا سکتے ہیں۔"

"تم پھوپھو سے ملنے گئے تھے۔کیسی ہیں؟"

"اچھی ہیں۔بس ہیپاٹائٹس زور کر گیا ہے۔اب انجیکشن شروع کروائے ہیں۔ابھی ایک ہی لگا ہے۔اسکی وجہ سے بھی کافی بخار وغیرہ ہو جاتا ہے۔آنے نہیں دے رہی تھیں۔مگر یہاں بھی ہونا ضروری ہے۔اسلیے بڑی مشکل سے جلد چکر لگانے کا وعدہ کر کے آ پایا ہوں۔"

"اگلی دفعہ مجھے بھی ساتھ لے جانا۔"

"جب تک تمہارے پیپر نہیں ہو جاتے تب تک تو بھول ہی جاؤ ہاں اسکے بعد چاہے جتنے دن مرضی رہ آنا۔"

''چلو بن جاؤ پھر سے میرے باپ۔۔۔اٹھو اب واپس چلیں مجھے بھوک لگ رہی ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔میں دوسرے راستے سے جاتا ہوں۔ریس لگی کون پہلے گھر پہنچتا ہے۔''

''صرف ایک شرط پر ریس لگاؤ نگی۔اگر ناشتہ بنا کر کھلاؤ گے۔۔''

''توبہ ہے چٹوری زبان سے۔۔منظور ہے۔بھاگو۔۔۔۔''

دونوں دو مختلف رستوں پر بھاگتے ہوئے پہاڑی سے اتر گئے۔

☆......☆......☆

آج بھی وہ سفید پھول لیکر آیا تھا۔ہر دفعہ یہاں سے ہو کر جاتے وقت وہ اپنے آپ کو باور کرواتا تھا۔کہ آج آخری دفعہ ادھر آیا ہوں۔آئندہ نہیں آنا۔مگر وہ خود سے لڑتے لڑتے تھک جاتا تو دوسرے ماہ دوبارہ سے زخم ہرے کرنے آجاتا۔

پھول انکی مخصوص جگہ پر رکھ کر خاموشی سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

آنکھیں بند کر کے بیٹھے ہوئے اسکو چند پل گزرے جب دوبارہ آنکھیں کھولیں تو سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔بہت برداشت کے باوجود چند ایک آنسو بہہ کر خوبصورت گالوں پر بکھر گئے۔وہ آدمی کے کپڑوں میں ایک چھ سات سالہ معصوم سا بچہ نظر آرہا تھا۔جواب روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''میں نے آپ سے کبھی نہیں کہا تھا کہ آپ مجھ سے محبت کریں۔میں آپ کی محبت کے بغیر جی لیتا۔بچ جاتا۔مگر آپ نے ایسا کیوں کیا؟۔مجھ سے محبت کرنے والے سبھی رشتے چھین لیے۔''

چھوٹے چھوٹے گلابی ہونٹ بری طرح کپکپا رہے تھے۔

''آپ کا اپنا تو میں تھا۔آپ نے مجھے ہی تنہا کر دیا۔کاش آپ نے مجھے اس امتحان میں نہ ڈالا ہوتا۔کاش آپ نے مجھے مار دیا ہوتا۔''

اپنے دونوں ہاتھوں میں سر کے بال جکڑے بری طرح رو رو کر بے حال ہو رہا تھا۔مگر اس سے چند قدم دور بیٹھی عورت اسی طرح رخ موڑے لاپرواہی سے بیٹھی رہی۔

''کیا آپ کو اپنی زندگی میں کبھی مجھ سے رتی بھر بھی محبت نہیں ہوئی۔اگر محبت ہونا ناممکن تھا۔تو آپ نے

کسی کتے بلی کا بچہ سمجھ کر ترس ہی کھالیا ہوتا۔''

''آپ نے میری ذات کو حسرتوں کا ڈھیر بنا دیا ہوا ہے۔میں نے آپ سے ٹوٹ کر محبت کی اور اس محبت نے میرا دامن بالکل خالی کر دیا۔اب نہ ساری عمر مجھے کسی سے محبت ہو سکتی ہے۔نا ہی کبھی کوئی مجھ سے محبت کرے گا۔جانتی ہیں کیوں۔۔۔؟ کیونکہ جن کو اپنے ہی دھتکار دیں۔انکو زمانہ بھی گلے نہیں لگاتا۔''

''اگر آپکو میری شکل اتنی بری لگتی ہے۔ایک نظر دیکھنا بھی گوارا نہیں تو میرے دل سے نکل کیوں نہیں جاتی ہیں۔مجھے بھی یاد نہ آیا کریں۔مجھے بھی کسی قبرستان میں دفن رہنے دیں۔ہر دفعہ مجھے آواز مار کر میرے تعفن زدہ وجود کو قبر سے باہر آنے پر مجبور کرتی ہیں۔کس لیے؟؟ اپنی نفرت کے تیر چلانے کے لیے۔۔وہ تو میرے دل پر رقم ہیں۔میرا دل آپکی دی ہوئی نفرت سے داغدار ہے۔یہ داغ نہیں اترتے ہیں۔میں نے بڑے جتن کر کے دیکھ لیا ہے۔''

وہ عورت اٹھ کر پیچھے مڑے بغیر آگے بڑھ گئی۔بچہ اپنی جگہ سے چونک کر اٹھا اور اس عورت کی منتیں کرتا ہوا اسکے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

''آج پھر اسی طرح ہی چلی جائیں گی۔پلیز نہ جائیں۔میرے پاس رہیں۔میں اتنی دور سے آپکو ملنے آیا ہوں۔میرے سے ناراض نہ ہوں۔میں نے جو کیا وہ میری مجبوری تھی۔سن رہی ہیں آپ۔۔۔!! میری مجبوری تھی۔۔!! مجھے مجبور بھی آپ ہی نے کیا تھا۔یہ سارا آپکا قصور تھا۔کرتی رہیں مجھ سے نفرت میں بھی آج سے آپ سے نفرت ہی کرونگا۔۔سن رہی ہیں۔۔''

اس نے آگے بڑھ کر اس عورت کا آنچل تھامنا چاہا تو وہ غائب ہو گیا۔خود وہ ایک ٹیلے پر موجود تھا۔نیچے گہری کھائی میں چمکتا پانی نظر آتے ہی وہ گہرے گہرے سانس لیتا واپس ہوا۔اس دوران دو تین پتھر اسکے پیروں سے کھسک کر نیچے کھائی میں جا گرے۔۔۔بڑی دیر بعد جا کر پانی کی آواز آئی۔وہ پھولی ہوئی سانسوں سمیت پیچھے کو بھاگا۔۔

وہ کب سے اسکے وجود کو بیڈ پر سر پٹختے دیکھ رہے تھے۔بلآخر ہاتھ بڑھا کر اسکو بیدار کیا۔

''آنکھیں کھولو جوان۔۔۔کیا پھر کوئی برا خواب دیکھ رہے ہو۔''

وہ اس قدر ڈسٹرب تھا۔ کہ اپنے کندھے پر رکھے باس کے ہاتھ کو پوری نفرت سے جھٹکتے ہوئے اٹھ کر مارنے کو لپکا۔ مگر اندھیرے میں پنچ ہوا میں لہرا گیا آگے کوئی ذی روح نہ تھا۔

گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو نارمل کرنا چاہا۔ سارا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ انہوں نے سائیڈ بیڈ کے دراز پر سے جگ میں سے کچھ پانی گلاس میں انڈیل کر اسکی طرف بڑھایا جسے اس نے الٹے ہاتھ سے کمرے کے دوسرے سرے پر دے مارا۔

"چلو ہر دفعہ ایک گلاس کا نقصان ضرور کیا کرو۔ جیسے پھر خرید کر بھی دیتے ہیں۔" وہ بظاہر اسکے ساتھ لاپرواہی ہی برتتے تھے۔ وہ انکا کچھ نہیں لگتا تھا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ وہ بہت سے رشتوں میں ڈھل گیا ہوا تھا۔ شاگرد' دوست' ماتحت' پارٹنر اس کے ساتھ کئی تعلق تھے۔ اسلیے اب اسکے حوالے سے ہر تکلیف وہ بات انکو بھی تکلیف دیتی تھی۔ جسے وہ جتا کر اسے احساس دلوانا نہیں چاہتے تھے۔ یہ انکا سٹائل تھا۔

وہ دو چار منٹ بستر پر چت لیٹا لمبی لمبی سانسیں بھرنے کے بعد نارمل ہو گیا تو انہوں نے ہر دفعہ کا پوچھا سوال ایک بار پھر دہرایا۔

"کیا وقت کے ساتھ اپنے فیصلے اور عمل پر پچھتاوا ہوتا ہے؟"

وہ بستر پر اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔

"کیا سچ میں ہمارے اتنے لمبے ساتھ کے بعد بھی آپ مجھے سمجھ نہیں پائے؟"

وہ دونوں ایک ہوٹل کے کمرے میں موجود تھے۔ جس میں برابر کے دو سنگل بیڈ لگے تھے۔ انہوں نے اپنے بستر پر پہلو بدلا۔

"انسان کے اندر ہزاروں چھوٹے چھوٹے خانے' دراز ہوتے ہیں۔ جہاں وہ اپنی ذات کے کئی پہلو دنیا کی نظر سے بچا کر سنبھال کر رکھتا ہے۔ اگر ساتھ وقت گزارنے سے انسان کی سوچ کا سو فیصد علم ہو جایا کرے تو کیوں کوئی عورت یہ رونا روئے کہ میرے ساتھ تو اچھا بھلا تھا۔ پھر اچانک دوسری عورت کہاں سے لے آیا۔ ہم لوگ تو ایسی ہڈبیتیاں دیکھ چکے ہیں۔ پھر بھی سوال کرتے ہو۔"

اس نے سرہانہ سر سے ہٹا کر پرے پھینکا۔ اپنے بیڈ سے نکل آیا۔

''سر میں پچھتانے والوں میں سے نہیں ہوں۔ ہاں اگر جو میں نے کیا وہ نہ کرتا۔ تو میں نہیں جانتا کبھی خود کو معاف کر پاتا۔ آپ براہِ مہربانی یہ موضوع نہ چھیڑا کریں۔ میرے اندر دکھ ہے۔ جو اندر ہی اندر میری رگوں کو کاٹتا ہے۔ اسلام نے کہا ماں باپ کی بھی غلط بات نہ مانو۔ مگر ادب میں فرق نہ آنے دیا جائے۔ ماں بری بھی ہو۔ تب بھی جنت اسی کے قدموں تلے ہے۔ قیامت والے دن اٹھایا بھی اسی ماں کے حوالے سے جانا ہے۔ فلاں بیٹا اسکی فلاں ماں۔۔۔ مجھے یہ دکھ مارتے ہیں سر جو میرے جیسے ہوں۔ وہ اپنی ماں کی مغفرت کی دعا کریں۔ یا انہیں بھول جائیں۔ بھول جانا بھی چاہیں تو خود کیوں یاد آجاتی ہیں۔''

''میرا ایک مشورہ مانو گے؟''

''کہہ دیکھیں۔''

''تم شادی کرلو۔۔''

کمرے میں بھاری مردانہ قہقہہ گونجا۔

''اگر شادی مرد کے تمام دکھوں کا مداوا ہوتی ہے۔ تو آپ نے خود کیوں آج تک شادی نہیں کی۔ خود بڈھے ہو کر بھی عیاشی کر رہے ہیں۔''

''مجھے بڈھا بولتے تمہارا دل خوف خدا سے کانپا کیوں نہیں۔ میں نے غلطی کی ہے اسلیے تو تمھیں کہہ رہا ہوں۔ اس سے پہلے کہ تم بڈھے ہو جاؤ سوچو۔۔۔۔۔''

''بہت سوچ لیا اب مجھے یہ بتائیں اور کتنی دیر ادھر مکھیاں مارنی ہیں۔''

''بس آدھا گھنٹہ اور اس کے بعد نکلتے ہیں۔ پر دیکھو آج کوئی زخمی نہ ہو۔''

''اگر آپ یہ چاہتے ہیں۔ ایک عادی مجرم جو کہ جیل سے فرار ہوا۔ باہر نکل کر اپنے باپ کا راج سمجھ کر لوگوں پر ظلم کرے۔ کسی کی بیٹی اٹھوالی۔ کسی کا جوان بیٹا مروا دیا۔ ایسا شیطان میرے سامنے آئے جسکو میں نے دن رات ایک کر کے ڈھونڈا ہو۔ اور سامنا ہونے پر اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر عرض کروں۔ حضور اگر آپ کی طبیعت پر ناگوار نہ گزرے تو کیا آپ میرے ساتھ جیل تک کا سفر کرنا مناسب سمجھیں گے۔ تاکہ ادھر سے کوئی رشوت خور ایک دفعہ پھر آپکو فرار کروائے۔ ایک دفعہ پھر کوئی مجبور ماں میرے سے رابطہ کرے۔ ایک دفعہ پھر میں آپکو

ڈھونڈنے نکلوں۔ میرا نہیں خیال سر میں ایسا کرسکتا ہوں۔ میں سالے کو ادھر ہی ماروں گا۔ اس لیے بے فکر رہیں کوئی زخمی نہیں ہوگا۔ بس ایک عدد لاش ٹھکانے لگانا پڑے گی۔"

انہوں نے اپنے شاگرد کو تاسف سے دیکھا جسکی ڈکشنری میں رحم نام کا کوئی لفظ موجود نہ تھا۔

☆......☆......☆

گڑیا گھاس کے ساتھ ساتھ بنی سرخ اینٹوں کی روش پر سائیکل چلا رہی تھی۔ جبکہ غازی اپنے چچا محمد یار کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیل رہا تھا۔ دونوں کا شور اس قدر تھا کہ اپنی سٹڈی میں بیٹھ کر اپنے کسی کیس کی تفصیلات پر احمد یار کے ساتھ مشاورت کرتے آغا جی بار بار ڈسٹرب ہو کر کھڑکی کی جانب دیکھتے۔

اب کی دفعہ انہوں نے یہی عمل دہرایا تو احمد یار مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں دیکھتا ہوں۔"

انہوں نے اسے روک دیا۔

"نہیں رہنے دو۔ ہفتے میں ایک دفعہ تو چچا بھتیجے کو ایسی تفریح کا موقع ملتا ہے۔ کام کا کیا ہے۔ ہم لوگ کل اس کیس پر بات کرلیں گے۔ ویسے بھی تمہاری ماں نے ابھی کسی بھی لمحے حاضری دے دینی ہے۔ پھر شکوہ کرے گی کہ جب بھی میرے بچے آتے ہیں۔ بڈھا کام لیکر بیٹھ جاتا ہے۔"

بات سچ ہی تھی۔ بی جی کا یہی شکوہ ہوتا تھا۔ احمد یار واپس اپنی جگہ پر بیٹھنے ہی لگا تھا۔ جب باہر سے گڑیا کی آواز آئی۔

"پاپا۔۔۔!! دیکھیں میں ٹریز ویلز کے بغیر سائیکل چلا رہی ہوں۔"

وہ کھڑکی میں کھڑی پرجوش چہرہ لیے اپنا پورا زور لگا کر بلند آواز نکال کر بتا رہی تھی۔ جیسے گلاس وال سے آواز اندر تک نہ پہنچنے کا خدشہ ہو۔ مگر چونکہ اوپر والے روشندان کھلے ہوئے تھے۔ اسکی آواز بغیر رکاوٹ کے کانوں کے پردوں پر پڑی تھی۔

"میرا بہادر بچہ۔۔۔ ادھر رکو میں باہر آ کر دیکھتا ہوں۔"

گڑیا خوش ہو کر اندرونی دروازے کی جانب بھاگی۔

احمد یار نے آغا جان کی جانب اجازت طلب نظروں سے دیکھا۔

''اجازت ہے؟''

وہ اپنی مرضی کی کتاب اٹھاتے ہوئے مسکرائے اور اسے وہاں سے جانے کا اشارہ کیا۔

''مجھے اپنے آفس کے لیے نیا سٹاف ڈھونڈنا پڑے گا۔ایک کو اپنے بچوں سے فرصت نہیں دوسرے کو بھائی کے بچوں سے۔۔''

''توبہ کرو آغا۔۔کیوں میرے بچوں کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔ایک چھٹی کا دن بھی کام نہیں چھوڑنا۔''

بی جی نے عین موقع پر انٹری ماری تھی۔احمد یار ہنستا ہوا باہر کو آ گیا۔پیچھے سے آغا جی کی مسکراتی ہوئی آواز آئی تھی۔

''نیک بخت تم تو اولاد کے معاملے میں میرا مذاق بھی برداشت نہیں کرتی ہو۔کبھی میرے لیے بھی اتنا پیار دکھایا کرو جیسے اولاد پر صدقے واری جاتی ہو۔''

جیسے ہی اس نے مین ڈور سے قدم باہر نکالا آوازیں آنا بند ہو گئیں۔سامنے اسکی بیٹی انتظار میں کھڑی تھی۔سرخ کاٹن کا پھولا ہوا فراک بالوں میں پیلا ربن بندھا ہوا تھا۔پیلے موزے سرخ ہی جوتے۔۔گال گرمی اور جوش سے لال ٹماٹر ہو رہے تھے۔چار سالہ گڑیا ماں باپ سے زیادہ اپنی نانی کی کاپی تھی۔

''پاپا سائیکل چلا کر دکھاؤں؟ کیا اب میں پارک تک سائیکل چلا کر خود سے جا سکتی ہوں؟۔''

''پہلے ایک راؤنڈ لگا کر دکھاؤ اسکے بعد پارک کا فیصلہ ہو گا۔''

گڑیا اسی وقت چھوٹے چھوٹے پیڈل مارتی اپنی گلابی اور سفید سائیکل لیکر دور نکل گئی۔

احمد یار نے اسکی حوصلہ افزائی میں تالیاں مار کر داد دی۔

''محمد یار اور غازی یار مبارک باد دو آج میری بیٹی نے سائیکل سیکھ لی۔وہ بھی ٹریننگ ویلز کے بغیر۔۔۔''

باپ کے آواز دینے پر غازی کے ہاتھ سے کیچ چھوٹ گیا۔

''بہت مبارک ہو پپا میرا کیچ بھی چھوٹ گیا ہے۔''

محمد یار ہنستے ہوئے بیٹ پھینک کر گڑیا کے پیچھے بھاگا۔

”گڈی اتنی سی ہوا اور اپنی تیزیاں دیکھو ذرا۔۔۔میں جن بابا بن کر تمہیں کھا جاؤنگا۔۔“

گڑیا چیختی ہوئی زور زور سے پیڈل مار کر باپ کی جانب بھاگی۔ساتھ دہائی بھی جاری تھی۔

”پپا بچاؤ جن بابا آگیا۔۔۔!!جن بابا میرے پپا کے ایک پنچ سے ادھر گر جائے گا۔“

”ہاں ایسا ہی سپر ہیرو ہے نا تمہارا ابا۔آئی بڑی۔۔“

غازی باپ کے کندھوں تک آ رہا تھا۔پسینے سے ساری ٹی شرٹ بھیگی ہوئی تھی۔ماتھے پر بال گیلے ہو کر چپک رہے تھے۔گال دہک رہے تھے۔بیٹے کی حالت دیکھ کر احمد یار نے نوکر کو آواز دیکر پانی لانے کا بولا۔

غازی نے اپنے تک سک تیار پپا کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔کالا تھری پیس سوٹ سفید بے داغ شرٹ کالی ہی ٹائی سلیقے سے سجے بال۔۔

”لگتا ہے پپا آج بھی آپ ہماری وجہ سے ڈسٹرب ہوئے۔“

”کوئی شک نہیں پر خیر ہی ہے۔مجھے علم ہے۔تم چاچو کے ساتھ کھیلنے کے لیے سارا ہفتہ انتظار کرتے ہو۔“

محمد یار بھی آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔پانی پینے کے بعد اس نے بھائی کو مخاطب کیا۔

”کیا خیال ہے پھر آج سائیکلنگ ہو جائے۔؟جو ہارے گا باہر ڈنر کروائے گا۔“

”چلو ڈن میں اور گڑیا پارٹنر تم اور غازی۔۔۔جو پہلے یادگار پہنچے گا۔اسکا ڈنر پکا۔“

اگلے آدھے گھنٹے میں بی جی اور آغا جی کو اپنا پروگرام بتا کر چاروں اپنے ہیلمٹ وغیرہ پہن کر روانہ ہو گئے۔ غازی اور محمد یار اپنی اپنی سائیکل پر سوار تھے۔جبکہ گڑیا احمد یار کی بائیک کے ہینڈل کے پیچھے بندھی سیٹ پر اپنا ہیلمٹ اور سیٹ بیلٹ پہلنے بیٹھی تالیاں پیٹ رہی تھی۔احمد یار نے اپنی جیکٹ اور ٹائی اتارنے کے بعد کف کھول کر فولڈ کر رکھے تھے۔

مختلف راستوں سے ہوتے ہوئے وہ لوگ پونے گھنٹے میں اپنی طے شدہ جگہ پر پہنچے احمد یار ان دونوں سے پہلے آ گیا تھا۔

غازی اور محمد یار کی شکلیں دیکھنے والی تھیں۔احمد یار نے اپنے سیدھے ہاتھ کا انگوٹھا اور شہادت والی انگلی کھول کر باقی مٹھی بند کر کے ماتھے پر رکھ کر دونوں کو لوزر کا خطاب دیا۔

''گڑیا جانی ذرا اپنے لوزر چچا اور بھائی کے لیے تالیاں بجاؤ ہم لوگ ڈنر کر رہے ہیں۔''

''یار آخر کیسے ممکن ہوا۔ دو بچوں کا باپ ایک بچی کے ساتھ سمیت جیت گیا۔ اور نو جوان ہار گئے۔ ضرور گڑیا گڈ لک چارم ہے۔ اگلی دفعہ میں گڑیا کے کا انتخاب کرونگا۔''

''جو مرضی کہہ لو۔ ہار تم لوگوں کی ہوئی ہے۔ اب ڈنر کی جگہ کا انتخاب میں کروں یا تم لوگ کر رہے ہو؟''

''جی یہ اعزاز بھی آپ ہی کو حاصل ہوگا۔ بلکہ پہلے کوئی جوس وغیرہ پلوائیں۔ اسکے بعد لے چلیں جہاں بہتر لگے۔ بل میرا بڑا بھائی غازی کا باپ دیگا۔''

احمد یار نے دلکشی سے ہنستے ہوئے گنے کا رس نکالنے والے کو اشارے سے چار گلاس لانے کو کہا۔ ساتھ ہی ڈرائیور کو فون کر کے گاڑی منگوائی۔

جب تک ان لوگوں نے گنے کا ٹھنڈا ٹھار رس پیا ڈرائیو گاڑی لے آیا۔

تینوں سائیکل ڈرائیور کے حوالے کیے خود احمد یار نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی ساتھ والی سیٹ پر محمد یار تھا۔ دونوں بہن بھائی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

''پپا ہم کہاں ڈنر کریں گے؟''

احمد یار نے بیک ویو مرر سے ایک نظر بیٹے پر ڈالی۔

''ایک نئی جگہ کھلی ہے۔ وہیں ٹرائے کرتے ہیں۔ لوگ کافی تعریف کر رہے ہیں۔''

''پپا کیا مما کو ساتھ لے لیں۔''

احمد یار کے دل پر گھونسا پڑا۔ اسکا بیٹا ماں کو مس کر رہا تھا۔ جو پچھلے ایک ماہ سے اپنے باپ کے گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے لمحوں میں خود کو سنبھالا۔

''کیوں نہیں یار راستے میں اسکو ساتھ لے لیتے ہیں۔''

وعدے کے مطابق اس نے گاڑی ساحرہ کے گھر کی جانب ڈال دی۔

وہاں پہنچ کر گاڑی باہر سڑک پر روک کر خود اکیلا نیچے اترا۔

''تم لوگ یہاں انتظار کرو۔ میں پتا کرتا ہوں۔ نہ جانے وہ گھر پہ بھی ہو یا نہیں۔''

غازی نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کراس کیا۔اندھیرے میں یہ عمل ایک راز بن گیا۔ایسا راز جس کا واحد گواہ اللہ تھا۔

چوکیدار نے احمد یار کو دیکھتے ہی سلام کیا۔اور دروازہ کھول دیا۔

''کیسے ہو نور خان؟''

''اللہ کا احسان صاحب۔۔۔آپ کیسے ہیں۔بڑے دنوں بعد آئے۔بابا لوگ نہیں آئے؟۔''

''آئے ہیں باہر گاڑی میں ہیں۔کیا تمہاری بی بی گھر پر ہیں؟۔''

''جی صاحب جی اندر ہی ہیں۔''

وہ سر ہلا کر آگے بڑھ آیا۔

سب سے پہلے سامنا اپنی ساس سے ہوا۔وہ سیٹنگ روم میں صوفے پر بیٹھ کر فریم ہاتھ میں لیے کوئی کڑھائی کا کام کر رہی تھیں۔

''اسلام علیکم اماں جی۔۔''

سکینہ بی بی نے آواز سنتے ہی خوشی سے سر اٹھایا۔

''وعلیکم اسلام۔۔۔سو بسم اللہ میرا بیٹا آج کیسے رستہ بھول آیا۔''

اپنا کام ایک طرف ڈال کر انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکا استقبال کیا۔وہ بھی ہمیشہ کی طرح انکے سامنے پیار لینے کو جھکا۔انہوں نے شفقت سے ماتھا چوما دعائیں دیں۔

''بس آپ جانتی ہی ہیں۔آفس کی ڈیوٹی سخت ہے اوپر سے والد صاحب سے چھٹی نہیں ملتی۔آج غازی لوگوں کی چھٹی تھی۔انکوڈنر کروانے نکلا ہوں۔غازی نے کہا ماں کو ساتھ لینا ہے۔وہ لوگ گاڑی میں ہی ہیں۔میں نے کہا جو حکم ابھی قسمت آزما لیتے ہیں۔ویسے وہ ٹھیک تو ہے؟واپسی کا کیا پروگرام لگتا ہے؟''

''بس بیٹا اس بڑھاپے میں جوان اولاد ذلیل کر رہی ہے۔میں تم سے بڑی شرمندہ ہوں احمد یار۔۔میں نے اکتا کر اسکو یہ بھی کہہ دیا ہے۔میرے گھر سے نکل جائے پر اثر ہی نہیں ہوتا۔سارا دن کمرے میں پڑی رہتی ہے۔''

”میں مل لوں؟۔“

”کیوں نہیں بیٹا جاؤ۔۔ہو سکتا ہے تمہیں دیکھ کر ہی کچھ فرق پڑ جائے۔“

احمد یار سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔جبکہ سکینہ بی بی کا رخ باہر کی جانب ہوا۔

وہ آنکھیں بند کر کے بھی چلتا تو عین اسکے دروازے تک پہنچتا۔

دروازہ ناک کیے بغیر وہ اندر آیا تو ساحرہ کی خوشبو نے استقبال کیا۔اسکی طرح اسکی خوشبو بھی اپنی مثال آپ تھی۔کمرے کی لائٹ آن تھی۔اے سی فل سپیڈ پر چل رہا تھا۔اور وہ آڑی ترچھی بیڈ پر پڑی سو رہی تھی۔احمد یار کے قدم وہیں جم کر رہ گئے۔سامنے پڑی عورت اسکی بیوی تھی۔اسکی ملکیت٬ سر سے لیکر پاؤں تک وہ اسکے وجود پر اختیار رکھتا تھا۔مگر دسترس سے باہر تھی۔

جو تھکے تھکے سے تھے حوصلے

وہ شباب بن کر مچل گئے

وہ نظر نظر سے گلے ملی

تو بجھے چراغ بھی جل گئے

یہ شکستِ دید کی کروٹیں بھی

بڑی لطیف و جمیل تھیں

میں نظر جھکا کے تڑپ گیا

وہ نظر بچا کے نکل گئے

نہ خزاں میں ہے کوئی تیرگی

نہ بہار میں کوئی روشنی

یہ نظر نظر کے چراغ ہیں

کہیں بجھ گئے٬ کہیں جل گئے

جو تھکے تھکے سے تھے حوصلے

جو سنبھل کے بہک گئے

وہ فریب خرد اراہ تھے

وہ مقامِ عشق کو پا گئے

جو بہک بہک کے سنبھل گئے

جو کھلے ہوئے ہیں روش روش

وہ ہزار حسنِ چمن سہی

مگر ان گلوں کا جواب کیا

جو قدم قدم پہ کچل گئے

نہ ہے شاعراب غمِ نو بہ نو

نہ وہ داغ دل' نہ وہ آرزو

جنہیں اعتمادِ بہار تھا

وہی پھول رنگ بدل گئے

مسلسل آنکھ جھپکے بغیر دیکھنے کی وجہ سے اسکی آنکھوں میں جلن ہونے لگی تھی۔ جب برداشت سے باہر ہوگئی تو سیدھے ہاتھ سے آنکھوں کو مسلا۔

بیڈ پر وہ اسکے قریب بیٹھ کر اس پہ جھکا۔ چہرے پہ آئی زلفوں کو ہٹا کر پیشانی پر اپنی محبت کے ثبوت کے طور پر اپنے گرم لب رکھ دیئے۔ ویسے بھی حسن مسلسل نذرانے مانگتا ہے۔ مگر ہر کوئی خوش نصیب نہیں ہوتا۔ یہاں کسی کسی کی نیاز قبول ہوتی ہے۔

ایک خیال نے ناگ کی طرح اسکے دماغ کو ڈسا۔

جواب میں احمد یار نے ساحرہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ ''سارو۔۔۔!! ایک بات سچ سچ بتاؤ کیا کسی اور کو پسند کرتی ہو؟ کیا آج بھی کسی اور کو پسند کرتی ہو؟ کون ہے وہ؟''

وہ یک دم اسکو سامنے دیکھ کر بوکھلا گئی۔ اوپر سے اسکا انداز اور سوال وہ نفی کرتے ہوئے بولی۔

’’احمد تم؟ تم کب آئے؟‘‘
’’ابھی تھوڑی دیر پہلے آیا ہوں۔تم میرے سوال کا جواب دو۔‘‘
’’اتنا فضول خیال تمہارے دماغ میں کیسے آیا؟۔‘‘
’’تم خود غور کرو۔دو بچوں کی ماں جوان سے بھاگتی ہے۔شوہر سے بھاگتی ہو۔اپنے گھر پر مہمانوں کی طرح دو ایک دن گزار کر ماں باپ کے یہاں ڈیرہ ڈالے رکھنا۔میں یہ بات جانتا ہوں ماضی میں میری زندگی میں آنے سے پہلے تم کسی اور کو پسند کرتی تھیں۔مجھے صرف یہ بتادو کیا آج بھی تمہارا اس کے ساتھ رابطہ ہے؟۔‘‘
’’تم مجھ پہ الزام لگا رہے ہو۔تم جانتے ہو مجھے گڑیا کی پیدائیش سے ہی ڈپریشن کا مسئلہ بنا ہوا ہے۔میرے ڈاکٹر سے واقف ہو۔حتی کہ وہ ڈاکٹر تمہارا ہی جاننے والا بھی ہے۔پھر بھی یہ سب کہہ رہے ہو۔بچوں سے دور اسلیے رہتی ہوں۔تا کہ انکو کبھی کوئی نقصان نہ پہنچادوں۔تم آج اتنے دنوں بعد مجھ سے ملنے آئے ہو یا یہ سب کہنے آئے ہو۔‘‘
احمد یار نے آنکھیں میچ لیں۔بالوں میں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھیر کر خود کو پر سکون کیا۔
’’سارہ میں بڑا تنہا محسوس کرتا ہوں۔مجھے تمہارا ساتھ چاہیے۔میں تمہیں ہر دن ہر رات میں نہ جانے کتنی دفعہ یاد کرتا ہوں۔تم سے محبت کا عالم یہ ہے کہ تمہاری بے رخی کے باوجود کسی اور عورت کی جانب منہ کرنے کو دل نہیں کرتا۔ورنہ انسان کو باہر کیا کچھ نہیں مل جاتا۔ساحرہ میرے ساتھ سچ بولو۔میرے بچے تمہارے بچے بھی ہیں۔وہ بکھر جائیں گے۔اگر کوئی اور مرد ہے تو مجھے چھوڑ دو۔اور اگر یہ واقعی کوئی سائیکولاجیکل مسئلہ ہے تو ہم ڈاکٹر بدل کر دیکھتے ہیں۔مسائل کے حل نکالنے سے نکل ہی آتے ہیں۔مگر دھوکے کا داغ نہیں مٹتا ساحرہ۔۔۔
اس لیے میرے ساتھ سچ بولو تا کہ میں کوئی حل نکال سکوں۔ایک دفعہ دوست ہی سمجھ کر میرا اعتبار تو کرو۔‘‘
ساحرہ کے اندر بیٹھی چور شاطر عورت گھبرا گئی۔کچھ ماں کی طرف سے ہر روز ملنے والی لعن طعن کا اثر بھی تھا۔ ابو نے بھی صاف کہا تھا اگر ایک دو دن کے اندر اندر اپنے گھر واپس نہ گئی تو وہ خود چھوڑ کر آئیں گے۔نہ صرف چھوڑ کر آئیں گے۔بلکہ سردار احمد یار کو ابراہیم ساہی کی ساری تاریخ اور حال بتا کر ہی رہیں گے۔اور آج ہی وہ آ گیا تھا۔

وہ جانتی تھی۔ محبت کرنے والا نرم دل انسان ہے۔ محبت کے دو بول سے بہل جائے گا۔ گہرائی میں کھودنے والی فطرت کا نہیں ہے۔ اسلیے اس نے والہانہ انداز میں احمد یار کے گلے میں بانہیں ڈال کر سر اسکے سینے پر ڈال دیا۔ خود کو دل ہی دل میں یہ باآور کروا رہی تھی۔ جب منزل کو پانا مقصود ہو تو ایسی ویسی کئی قربانیاں دینی جائز ہوتی ہیں۔ ویسے بھی ابراہیم ساہی بھی تو اس وقت ایک بیٹی کا باپ ہے۔ وہ بھی تو کسی کے وجود کو استعمال کرتا ہو گا۔ محبت سے یا نفرت سے وقت اسکی گواہی دے گا۔ مگر بے وفائی کا مرتکب تو وہ ہو چکا ہے۔ تو ساحرہ کیوں نہ احمد یار کو مصروف رکھنے کے لیے چھوٹے چھوٹے ڈرامے کرتی رہے۔ ویسے بھی آفر تو وہ کر ہی چکا ہے۔ اگر کوئی اور مرد ہے۔ تو میں تمہیں چھوڑ دونگا۔

پر بے وقوف عورت رہی نہ پھر جذبات میں اپنی عقل کھونے والی مخلوق ہی۔ مرد بھی ایسے صرف جال پھینکتا ہے۔ مچھلی کو قابو کرنے کے لیے۔ ورنہ کہاں تاریخ نے ایسا مرد دیکھا جو باخوشی اپنی عورت کو صرف اس لیے چھوڑ دے کہ وہ کسی اور مرد کو پسند کرتی ہے۔

پاگل عورت۔۔۔

مگر دونوں میاں بیوی کی گفتگو سے بچوں کو اتنا فائدہ ضرور رہا کہ انہوں نے مہینوں بعد ماں باپ کی موجودگی میں وقت گزارا۔ کھانا کھایا یہاں تک کے کہ وہ واپسی پر بچوں کے ساتھ گھر آئی۔ گڑیا کو بیڈ ٹائم کہانی سنائی۔ غازی کے ریسرچ پیپر پڑھے۔ اسکی حوصلہ افزائی کے طور پر ایک ہزار کا نوٹ اسکی نظر کیا۔

غازی ماں سے گلے لگ کر پیار بٹورنے کی خواہش دل میں ہی لیے اپنے کمرے میں آگیا۔ وہ اس پر ہی خوش تھا کہ آج ماں گھر پر تو موجود تھی۔ اور نہ جانے کب تک رہتی۔

یہ تو اللہ ہی جانتا تھا۔ وہ کس سوچ کے تحت آئی تھی۔ اسکے ذہن و دل میں کیا چل رہا تھا۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا تھا۔ ابھی تو وہ باپ بچے اسی پہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔

رات کے آخری پہر ساحرہ نے اپنے پہلو میں لیٹے خوبرو شخص پر نفرت بھری ایک نظر ڈالی۔ جسکے بازو اسکے گرد لپٹے ہوئے تھے۔ چہرہ ساحرہ کے بالوں میں گم تھا۔

ساحرہ کا ہاتھ اسکے توانا ہاتھ کے نیچے دبا عین اسکے دل کے اوپر رکھا تھا۔ اسکے ہاتھ کے نیچے احمد یار کا دل

دھڑک رہا تھا۔

اپنی سوچ میں وہ احمد یار سے مخاطب ہوئی۔

"تم تنہائی کی بات کرتے ہو۔ میری جانب دیکھو میرا تو دم گھٹتا ہے۔ پھر بھی میں مجبور ہوں اپنے گرد ہالہ بنے تمہارے بازو کاٹ کر نہیں پھینک سکتی ہوں۔ ورنہ یقین کرو اتنے ٹکڑے کروں کہ تم گن بھی نہ پاؤ۔۔۔ تمہارے دل کی دھڑکن سانپ بن کر پی جاؤں۔ تم ساکت بے جان ہو جاؤ۔ نہ تم میری جانب دیکھو۔ نہ مجھے چھوؤ۔ محبت محبت کا دم بھرنے والے تم جانتے کیا ہو کہ محبت کیا ہے۔ میں تم سے جتنی نفرت کرتی ہوں۔ بتا دوں تو تمہارا وجود نیلا پڑ جائے۔

اس نے بڑی احتیاط سے اپنا وجود احمد یار کی گرفت سے آزاد کروایا اور اک کنارے سے لگ کر ٹک گئی۔

☆......☆......☆

"زرمین مجھے لگتا ہے۔ تمہاری شادی میں بڑی جلدی کی گئی ہے۔ ابھی مجھے کچھ سال اور تم سے اپنی خدمت کروانی چاہیے تھی۔"

"اچھا ہوا جو شادی ہو گئی خود تو جناب ایس ایس جی صاحب مہینوں گھر کا چکر نہیں لگاتے۔ میں یہاں اکیلی رہوں۔ اب میں اپنے میاں اور بیٹی کے ساتھ موجیں مارتی ہوں۔"

زرمین نے پاستا لا کر میز پر رکھا۔ اب اندر سے پینے کو کچھ لینے گئی۔

"خوش ہو بھیا کہ بھائی کو بہلانے کا بہانہ ڈھونڈا ہوا ہے۔ وہ تمہارا خیال بھی رکھتا ہے۔ یا بس اپنے بھائی کی سیاست چمکانے میں ہی لگا رہتا ہے۔"

ڈیڑھ لیٹر پیپسی کی بوتل' دو خالی گلاس لا کر اسکے سامنے رکھتے ہوئے۔ مسکراتی ہوئی خود بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"اتنا خیال تو کرتے ہیں۔ مگر آپ کو نجانے کیوں یقین نہیں آتا۔"

"پھر تم نے اپنا ڈیزائنگ کا شوق آگے چالو کیوں نہیں رکھا؟۔"

دونوں بہن بھائی آمنے سامنے بیٹھ کر پاستے سے انصاف کر رہے تھے۔

”آپ کی بھانجی صاحبہ میرے پاس اتنا وقت ہی کب چھوڑتی ہیں۔اسکے کاموں سے فرصت ملے تو کچھ اور بھی سوچوں۔“

”جانے دو بھئی اتنی بھلی مانس تمہاری بیٹی ہے۔جیسے میں جانتا نہیں ہوں۔کس کے کام تمہیں مصروف رکھتے ہیں۔بیٹی تمہاری تو اب سکول شروع کر چکی ہے۔تمہارے پاس وقت ہی وقت ہے۔صاف صاف کہو وقت کا بہانہ ہے۔اصل تو اجازت نہیں ہے۔“

”بھائی۔۔۔!! آپ کو نہ جانے کیا وہم ستاتے رہتے ہیں۔اب تھوڑا بہت کمپرومائز تو ہر لڑکی کو کرنا پڑتا ہے ناں۔میرے بارے میں فکر مند ہونا چھوڑ دیں۔میں اپنی زندگی میں بڑی مگن ہوں۔“

”ہاں کاش خوش بھی ہوتیں۔“

”خوش ہی ہوں۔آپ اپنی بات کریں۔کب تک یوں گھومنے کا ارادہ ہے۔آپ کو اب پیاری سی 'اچھی سی' بھلی مانس سی لڑکی سے شادی کر لینی چاہیے۔آپ میرے سے تین سال بڑے ہیں۔کچھ تو خیال کریں۔“

ولی نے نیپکن سے منہ صاف کرنے کے بعد گلاس اٹھا کر ایک سپ لیا۔اس سارے کے دوران وہ دلکشی سے مسکراتا رہا۔

”بھئی تم نے شائد غور سے سنا نہیں۔میں یہ بات تسلیم کر چکا ہوں تمہاری شادی بڑی چھوٹی عمر میں کر دی۔اب چوبیس سال کی عمر میں تم اماں جی بن گئی ہو۔کہاں گئے خالہ کے وہ وعدے کہ شادی کے بعد بھی زرمین اپنی تعلیم جاری رکھ سکتی ہے۔مجھے علم ہوتا ایسے وعدہ خلافی ہونی ہے۔میں کبھی انکی باتوں میں نہ آتا۔کم از کم ماسٹرز ضرور کرواتا۔میرا خواب تھا تم آرمی میں جاتیں۔یہ ہیل والے جوتے پر ساڑھی باندھے جا رہی ہیں ڈاکٹر زرمین احمد۔۔“

”کیوں میں کیپٹن زرمین احمد کیوں نہ ہوتی۔آپ کی طرح ایس ایس جی یہ بھاری گن اٹھائے انڈیا کے بارڈر پر فائر کر رہی ہوتی۔“

ولی شادابی سے ہنسا۔”تم فائٹر نہیں ہو زرمین۔۔۔تم معصوم ہو۔“

”کیوں کیا فائٹر معصوم نہیں ہوتے؟۔“

''ہوتے ہیں۔ مگر کولڈ بلڈیڈ ہوتے ہیں۔ تم کولڈ بلڈیڈ نہیں ہو۔ تم باتوں سے بہلنے والی ہو۔ تم میری زرمینے ہو۔''

وہ آج صبح دس بجے ولی کی فون کال ملتے ہی اسکی طرف آگئی تھی۔ وہ یونہی بغیر اطلاع کے اچانک مہینوں کئی دفعہ ہفتوں بعد اپنی شکل دکھانے آجاتا تھا۔

''ویسے مان گئی ہوں۔ باتوں میں لگا کر اصل موضوع سے ہٹانا آپ کا دائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

''یار ایک لڑکی آج کل تمہارے بھائی کو فل ٹائم لفٹ کروا رہی ہے۔ کرنل کی بیٹی ہے۔ ڈر لگتا ہے کہیں جوتے ہی نہ پڑوا دے۔ کیونکہ چار دن ہینگ آؤٹ کرنا ہے تو موسٹ ویلکم شادی وادی کا سین نہیں ہو سکتا۔''

''شادی وادی کا سین آپ کی طرف سے نہیں ہو سکتا یا اسکی طرف سے؟۔''

''ظاہر ہے میری جانب سے ادھر تو شائد دال گل ہی جائے۔ پر یار ایک اور مسئلہ بھی ہے۔ جب لڑکیوں کو لفٹ کروا دو فوراً سے شادی شادی کی رٹ لگانے لگ جاتی ہیں۔ میرے دوست کے ساتھ ہوا ہے ایک سین تم سنو تو پیٹ میں بل پڑ جائیں۔ بیچارہ برا پھنسا ہے۔ بلکہ کام سے گیا ہے۔ اچھا بھلا دھڑلے والا پٹھان بھائی تھا۔ اس لڑکی نے اسکی شخصیت ہی بدل کر رکھ دی ہے۔ کیا کھا رہا ہے۔ کہاں جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ دوستوں سے ملنے بات کرنے پر بھی پابندی ہے۔ خیر ہم بھی اسکو بڑا تنگ کرتے ہیں ہم لوگوں نے اسکا نام ہی گیدڑ خان رکھ دیا ہے۔''

زرمینے کا قہقہہ فلک شگاف تھا۔

''یہ تو پٹھان بھائی کے ساتھ زیادتی ہے۔''

''ہاں تو کون اسکو کہتا ہے ایسے ایک لڑکی کے پیچھے جگری یاروں کو چھوڑے یہاں تک کہ ایک فلم تک ہمارے ساتھ دیکھنے نہیں جاتا۔''

''کل کو دیکھا جائے گا۔ اب تو بڑی باتیں بنا رہے ہیں ناں کل اپنی بیوی کے آگے پیچھے اسکا بیگ اٹھا کر گھومیں گے تب پوچھونگی۔''

''میں نے شادی کرنی ہے۔ اللہ معافی دیں کوئی اپنا جینڈر نہیں تبدیل کرنا جو لیڈیز بیگ اٹھا کر گھومونگا۔ ویسے بھی تمہارا آدمی کونسا یہ سب کرتا ہے۔''

''بس آجائیں واپس میرے بچارے آدمی پر نہ جانے کیا اللہ واسطے کا بیر ہے۔ وہ اگر آپ کے خیالات سن لیں تو کتنا افسوس ہو۔''

'پتا نہیں یار پر مجھے کبھی بھی اس شخص سے پوزیٹو وائبز نہیں ملے۔ ہمیشہ بڑی ڈارک سی فیلنگ آتی ہے۔ اللہ کرے میرے وہم غلط ہوں۔''

زرمین نے بھری ہوئی آنکھوں ولی کی جانب دیکھا۔ اب وہ کیا بتاتی کہ تمہارے سو نہیں تو اسی فیصد وہم. صرف وہم نہیں ہیں۔ بلکہ بولی ''بھائی وہ میرے شوہر ہیں۔ میری بچی کا باپ۔ پلیز اپنا دل کشادہ کریں۔''

ولی اسکی آنکھوں میں پانی دیکھ کر ہاتھ کھڑے کر گیا۔

''پاگل ہوئی ہو کیا۔ بھئی مذاق کر رہا ہوں۔ اتنا سا تو تمہارا دل ہے۔ اچھا چلو مارکیٹ کا چکر لگاتے ہیں۔ مجھے بھی کچھ چیزیں لینی ہیں۔ ساتھ میں کیا یاد کرو گی تمہیں بھی شاپنگ کروا دیتا ہوں۔ کیونکہ اس دفعہ میں اپنی دختر کے لیے کچھ لا نہیں پایا ہوں۔''

''آپ خود جو آ گئے ہیں۔ یہی بہت ہے۔ میں برتن دھو کر آتی ہوں۔ آپ کے لیے چائے بناؤں۔''

''نہیں باہر ہی کہیں پی لیں گے۔ تم بس برتن رکھ کر آؤ دھو بعد میں لینا شام سات بجے میری واپسی کی فلائیٹ ہے۔''

''کیا ہے بھائی اتنے عرصے بعد آئے ہو۔ وہ بھی چند گھنٹوں کے لیے۔''

''آج کل چھٹی بڑی مشکل سے مل رہی ہے۔ مجھے ٹوٹل تین دن ملے تھے۔ مگر دو دن میں نے دوست کو دے دیئے اصل میں اسکی والدہ بیمار ہیں۔ پریشان تھا۔ اب اتنا تو دوستوں کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ پر فکر نہیں کرو۔ اگلی دفعہ لمبی چھٹی لیکر آؤنگا۔''

''رہنے دیں۔ یہ فقرہ بس آپ نے ایک لالی پاپ کی طرح مجھے بہلانے کے لیے رکھا ہے۔ اب بس آپ کی شادی ہونی چاہیے۔ اگلی دفعہ آئیں گے تو شادی کر کے ہی واپس جانے دونگی۔''

''اچھا یار ابھی تو چلو دختر کے سکول چلتے ہیں۔ اسکو ساتھ لیکر شاپنگ پر جائیں گے۔''

☆......☆......☆

''سر آپ سے کوئی جمال علی گیلانی ملنے آئے ہیں۔''

پی اے نے آفس کے دروازے پر ناک کر کے پیغام دیا تو باس کی کرسی پر بیٹھا شخص اپنی جگہ تھم کر رہ گیا۔ سامنے کھلی فائل بند کر کے ایک طرف ڈال دی۔ پھر چہرے پر بڑی مکار مسکراہٹ ابھری۔

''اندر بھیج دو۔''

اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے اپنی جیکٹ پر نہ نظر آنے والی سلوٹیں دور کیں۔

تب ہی دروازے پر دستک دیکر ایک صاحب اندر آئے۔ سفید بے شکن لباس کالی واسکٹ' کالے جوتے' کنپٹیوں پر کثرت سے اگے سفید بال' درمیانہ قد کاٹھ' دھیمی خوشبو والا مہنگا پرفیوم۔۔

''اسلام علیکم گیلانی صاحب آج تو کہنا پڑے گا۔ وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت' کبھی ہم انکو دیکھتے ہیں۔ اور کبھی اپنے گھر کو۔۔۔''

''وسلام ابراہیم ساہی بس جب انسان کی قسمت ہارتی ہے۔ تو مجھ جیسے لوگوں کو مجبوراً تم جیسوں کے دروازے پر دستک دینی پڑ ہی جاتی ہے۔''

ابراہیم ساہی نے بلند قہقہہ لگایا۔

''تشریف رکھیے گیلانی جی۔۔۔ میرا آفس دیکھ کر آپ متاثر تو ضرور ہوئے ہونگے۔ کہاں وہ ساہی جس کے پاس ایک کمرہ نہ تھا۔ جہاں وہ آپکی بیٹی کو بیاہ کر رکھ سکتا۔ اور کہاں یہ ساہی جو اتنی بڑی بزنس ایمپائر کا مالک ہے۔'' وہ کرسی کھینچنے کے بعد ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئے۔ پھر اپنی طبیعت کے مطابق بولنے لگے۔

''دیکھو ساہی میری عمر سے اگر تم واقف نہیں ہو تو بتا دیتا ہوں۔ اس سال میں ستر سال عبور کر چکا ہوں۔ میں جدی پشتی کھاتے پیتے گھرانے والا ہوں۔ ساری عمر دولت میرے گھر کی لونڈی رہی ہے۔ اور یہ میرے اللہ کا فرض ہے۔ اسی کے دیئے رزق میں سے آج سے بارہ سال پہلے میں نے تمہارے سامنے ایک ہڈی پھینکی تھی۔ جسے لیکر تم ایکدم غائب ہوئے۔ تم سمجھتے ہو گے مجھے تمہارے بارے میں کیا علم ہوگا۔ میں تمہاری ساری تاریخ جانتا ہوں۔ میرے دیئے گئے پیسے میں سے تم نے اپنے بڑے بھائی کو اس وقت کی جیتنے والی سیاسی پارٹی کا ٹکٹ دلوا کر قومی اسمبلی کی سیٹ جیتی۔۔۔ وہاں سے تم دونوں بھائیوں کے کالے دھندے کا بزنس شروع ہوا۔ آج تمہارا

بھائی سیاست میں اپنا نام. بنا چکا ہے۔ بڑی شہرت ہے۔ جو پارٹی اقتدار میں آئے وہ اسی کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اپنے گاؤں کے لوگوں کو کھانے پینے کا لالچ دیکر ووٹ تم لوگوں کو مل جاتا ہے۔ یہ مانگے کی چکا چوند میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔''

ابراہیم ساہی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور بڑی کینہ توز نظروں سے انکو دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ نے مجھے ڈیڑھ کروڑ دیا تھا۔ میں آج آپکو تین واپس کر دیتا ہوں۔''

جمال علی گیلانی کھل کر مسکرائے۔

''وہ میری بیٹی کے سر کا صدقہ ایک خیرات تھی۔ اور میں خیرات دیکر واپس نہیں لیا کرتا۔ مگر ہاں آج تمہیں ایک دفعہ پھر سے آفر دینے آیا ہوں۔ بدلے میں آج ڈیڑھ کی بجائے تین بھی دینے کو تیار ہوں۔''

ابراہیم ساہی نے الجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

''گیلانی صاحب میں آپکا مطلب نہیں سمجھا۔ اپنی بات کی وضاحت کر دیں گے۔''

جمال علی گیلانی کے چہرے پر ایک دم سے بڑھاپا چھا گیا۔

''ساحرہ نے تمہیں کسی ہوٹل میں دیکھا تھا۔''

ساہی کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

''گیلانی جی بھلا دو بچوں کی ماں اگر مجھے اتنے سالوں بعد دیکھ بھی لے تو کیا فرق پڑتا ہے۔''

''میں تم سے ایک درخواست کرنے آیا ہوں ساہی۔۔۔ اگر میری بیٹی تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے تو تم اسکی حوصلہ افزائی نہیں کرو گے۔''

ابراہیم ساہی کو حقیقت میں جھٹکا لگا تھا۔ وہ حیرت سے ان کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

پھر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کے آنکھوں میں پانی چمکنے لگا۔

''بزرگوار آپ کا مطلب ہے کہ آج بھی آپکی بیٹی آپ کی مرضی کے خلاف میرے لیے۔۔۔۔''

''بس ساہی کچھ الفاظ نہ ہی بولیں جائیں تو بہتر ہے۔ تم اپنی قیمت بتاؤ۔۔۔ باقی سب چھوڑ دو۔''

''آپ سمجھتے ہیں آج بھی مجھے خرید لیں گے۔ میری قیمت اس وقت ڈیڑھ کروڑ تھی۔ جس وقت میرے پاس

اپنا گھر بھی نہ تھا۔آج میں عرب پتی ہوں۔میری قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟۔۔''

''تم نے عرب آج دیکھا ہے۔ساہی میری پشتوں نے برتا ہے۔اپنی قیمت بتاؤ دینا میری سر درد ہے۔''

''گیلانی صاحب کیوں نہ اب صلح کرلیں۔اگر آپکی بیٹی دو بچوں کے بعد بھی اپنے شوہر کے ساتھ خوش نہیں ہے۔تو اسکو وہ دیدے جو وہ چاہتی ہے۔آج تو میں کے ہم پلا ہی ہوں۔''

جمال علی گیلانی کا چہرہ سرخ بوٹی ہو رہا تھا۔

''ساہی اگر تم سمجھتے ہو کہ آج سے بارہ سال پہلے میں نے اپنی بیٹی کی شادی تم سے اس لیے نہ کی کہ تم غریب تھے۔تو تم بڑے بیوقوف ہو۔میں تمہاری نسل کو پہچان گیا تھا۔اسی لیے میں نے تمہارے سامنے ہڈی پھینکی تھی۔تم نے میرے خدشات سچ ثابت کر دیے۔ہڈی منہ میں ڈالی اور اپنی راہ لی۔''

''میرا داماد اصل امیر آدمی ہے۔دل کا امیر کردار کا امیر۔۔۔تمہاری کیا حیثیت۔۔۔''

''واہ گیلانی صاحب واہ پھر وہ امیر داماد آپکی بیٹی کو خوش کیوں نہ رکھ پایا۔آج بھی۔۔۔۔اللہ کے بندے آج بھی وہ میرے لیے پاگل ہے۔۔۔''

''میری بیٹی نابینی ہے۔ساہی اور آنکھوں والے نابینے لوگ یونہی خود کو تباہ کرتے ہیں۔بلکہ نسلیں تباہ کرتے ہیں۔میں اپنی آنے والی نسلوں کو بچانے کی کوشش میں ہوں۔تم بھی آج صاحب اولاد ہو بچی کے باپ ہو۔۔۔میری بات کو سوچنا چلتا ہوں۔اللہ حافظ۔۔۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور باہر نکل گئے۔

جاتے ہوئے ابراہیم ساہی پر کئی در کھول گئے۔اگر وہ کوئی دانش و فراست والا انسان ہوتا تو ضرور اس بے بس باپ کی مجبوری سمجھنے کی کوشش کرتا کہ کس دل سے وہ اسکے پاس آیا ہوگا۔بلکہ وہ بالکل اسکے برعکس سوچ رہا تھا۔ویسے بھی مرد کی انا کو یہ بات بڑی تقویت دیتی ہے۔کہ کوئی عورت اتنے سالوں بعد بھی اسی سے محبت کا دم بھرتی ہو۔

وہ اپنے دماغ میں لائحہ عمل ترتیب دینے لگا۔مسلسل ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

☆......☆......☆

”تم نے واپس کب آنا ہے؟“

”ظاہر ہے پیپروں کے بعد ہی آؤنگی۔اب تمہاری وجہ سے اپنی سالوں کی محنت پر پانی پھیرنے سے تو رہی۔“

”اوراس سارے وقت میں'میں کیا کرونگی؟۔“

”اپنے مریض دیکھنا۔تازہ آب وہوا کھانا۔گاؤں کی لڑکیوں سے دوستی کرنا۔اپنا شوہر ڈھونڈنا۔“

”ہاں وہ تو جیسے کسی گلی کے موڑ پر میرا منتظر کھڑا ہوگا۔کبھی کبھی مجھے اس پر بڑا غصہ آتا ہے۔بھلا اگر مجھے اپنے ساتھ رکھنا نہیں تھا۔تو مرجانا شادی ہی نہ کرتا۔بزدل کوئی دونمبر انسان تھا۔نہ جانے کس کے گھر میں ڈال کر بھاگ گیا۔“

”اچھا اب واپس ڈپریشن میں نہیں جانا۔۔۔میں نے ورشے لوگوں کی ڈیوٹی لگائی ہے۔میری غیر موجودگی میں وہ تمہارا خیال رکھیں گی۔“

”ہاں میں فیڈر پیتی بچی ہوں ناں۔“

”سچی پوچھو تو شکل سے میٹرک کی سٹوڈنٹ لگتی ہو۔نہ جانے کس پاگل نے تمہیں ڈاکٹری کی ڈگری دے دی۔“

وہ دونوں ہاسٹل میں ملنے والا ژالے کا کمرہ سیٹ کررہی تھیں۔صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔لڑکیاں ساری کالج کو نکل چکی تھیں۔آج ہی زینب کا سیکنڈ ٹائم میں پہلا پیپر تھا۔اگلے ایک گھنٹے تک وہ کوئٹہ کے لیے نکلنے والی تھی۔ژالے کے پاس سامان تو کوئی تھا نہیں۔دادی نے گھر سے بستر وغیرہ سب مہیا کردیا۔اب کپڑے'جوتے'اور کئی چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزوں کی لسٹ بنا کر زینب نے بیگ میں رکھ لی تھی۔تاکہ سردار غازان جب اسے چھوڑ کے واپس آرہا ہو تو زینب ساری چیزیں خرید کراسکے ہاتھ بھیج سکتی۔

”ویسے ژالے مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں یہاں کوئی کسی قسم کا مسئلہ ہوگا۔دیکھو ہم عزت اورحفاظت کرنے والے لوگ ہیں۔دادی کو بھی جان ہی گئی ہو۔انہوں نے کتنی مدد کی ہے۔اگروہ ساتھ نہ دیتیں تو بھائی شائد تمہیں یہاں رکنے نہ دیتے۔کوئی حوالہ جو نہیں ہے۔نہ کوئی سند نہ کوئی سرکاری پیپر سمجھ رہی ہوناں میری بات۔۔میں تو اللہ کی

شکر گزار ہوں۔ اب اللہ کرے تمہارا شوہر کہیں سے برآمد ہو جائے۔ پر اگر نہیں بھی آتا تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ آرام سے نوکری کرو۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔''

ژالے رونے لگ گئی۔ اتنے دنوں سے دونوں کا چوبیس گھنٹے کا ساتھ تھا۔ دونوں نے ژالے کا کلینک بھی مل کر ترتیب دیا۔ آج پہلے دن اس نے وہاں ڈیوٹی دینی تھی۔

''اب رو کیوں رہی ہو؟''

''ویسے ہی رونا آ رہا ہے۔ آج میری نوکری کا پہلا دن ہے۔ اور مجھے الوداع کہنے کو نہ ماں باپ' نہ کوئی بہن بھائی' نہ کوئی ساتھی۔۔''

زینب نے رکھ کر دو تین دھموکے جھڑ دیے۔

ژالے کی ہائے نکل گئی۔

''جانوروں کی طرح کیوں مار رہی ہو؟''

''تم قابل ہی اسکے ہو۔ ایویں تمہارے ساتھ وقت ضائع کر رہی ہوں۔ مرو میری طرف سے رو بیٹھ کر گئے رشتوں کو میں جا رہی ہوں۔''

ژالے کو حیران پریشان چھوڑ کر دو سیکنڈ میں کمرے سے نکل گئی۔

''ہیں اسکو اچانک سے کیا ہو گیا۔۔۔؟''

وہ اسکے پیچھے لپکی۔۔ کاریڈور کے اینڈ پر وہ موڑ مڑتی نظر آئی۔ ژالے نے کمرے کا دروازہ اپنے پیچھے بند کیا اور دوڑ لگا دی۔ جب تک وہ کونے تک آئی زینب آدھا گراؤنڈ پار کر چکی تھی۔ سامنے گیٹ کے پاس سردار غازان زینب کے انتظار میں گاڑی میں موجود تھا۔

کل رات ہونے والی اچانک برف باری نے جہاں درجہ حرارت میں کمی کی ہوئی تھی۔ وہیں اچھی خاصی پھسلن بھی پیدا ہو گئی ہوئی تھی۔

وہ اسکے پیچھے بھاگتے ہوئے گراؤنڈ میں آئی۔

''زینی رکو تو۔۔۔۔!! ہوا کیا ہے۔''

وہ پیچھے سے بھاگتی ہوئی آکر زینب سے ٹکرائی دونوں ہی اپنا توازن قائم نہ رکھ پائیں وہیں برف پر گریں۔۔

''ٹکریں مارنے کا شوق ہو رہا ہے تو جا کر دیوار میں سر مارو۔ میرے پیچھے کیا لینے آرہی ہو۔''

''تم رک کر بات سن لیتیں تو کیوں میں بھاگتی۔ اور تمہیں اچانک سے کس گیدڑ نے سونگھا ہے۔ اچھی بھلی تھیں۔''

''کیونکہ مجھے لگا تمہیں میری ضرورت ہی کہاں ہے۔ تم بیٹھ کر آنسو بہاؤ ہائے امی نہیں ہیں۔ ابو بھی نہیں ہیں۔ میرے بھی تو نہیں ہیں۔ میں تو تمہاری طرح بیچاری بن کر نہیں روتی ہوں۔''

''تمہارے پاس دادی ہیں۔ تمہارا بھائی ہے۔ اتنی ساری دوست ہیں۔ اپنا گھر ہے۔ میرے پاس تو ایک شوہر ملا تھا وہ بھی چھوڑ کر بھاگ گیا۔''

''میں تو ہوں ناں۔۔۔ تمہیں اتنی لمبی فوج کی ضرورت بھی کیا ہے۔ تمہارے لیے ایک زینب ہی کافی ہے۔ سچی بتا رہی ہوں۔ آج کے بعد میرے سامنے یہ سب دہرایا ناں تو تمہارا میرا مرن جیون ختم۔۔۔۔''

ژالے نے اسکو زور سے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔ دونوں وہیں برف پر بیٹھی ہوئیں تھیں۔ ایک دوسرے کو گلے لگا کر دائیں بائیں پنڈولیم کی طرح جھومنے میں گاڑی کے ہارن نے خلل ڈالا۔

''چلو اسکا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ اٹھو چلیں پہلے تمہیں تمہارے کلینک اتارتی ہوں۔ پھر جاؤنگی۔''

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے احتیاط سے چلتی ہوئیں آکر گاڑی میں بیٹھیں۔

گاڑی کے اندر ہیٹر لگا ہونے کی وجہ سے ایک دم سے سکون کا احساس ہوا۔ سردار ڈرائیونگ سیٹ پر آنکھوں پر کالا چشمہ چڑھائے بیٹھا تھا۔ آج مونچھوں کا ساتھ ہلکی سی بڑھی ہوئی شیو دے رہی تھی۔ گہرے براؤن رنگ کھدر کے شلوار سوٹ پر کالی جیکٹ میں اسکی سرخ و سفید رنگت دھمک رہی تھی۔

''براٹ پہلے کلینک پہ رکنا ہے۔''

زینب کے کہنے پر گاڑی گیٹ سے نکالتے ہوئے سردار نے سر ہلکا سا اثبات میں خم کیا۔

دو تین دن انکے گھر پر گزارنے کے بعد ژالے کے دل میں بیٹھنے والا سردار کا پہلا پڑنے والا تاثر تبدیل ہو

گیا تھا۔ وہ پہلے دن جتنا سخت مزاج اور اکھڑ لگا تھا۔ حقیقت میں اسکے بالکل برعکس نکلا تھا۔ بڑا تحمل مزاج دھیمے لب و لہجے والا۔۔۔ ملنسار باوقار بلکہ جس طرح وہ اپنے کالج کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیوں کی طرح ڈیل کرتا۔ ژالے متاثر ہوئی تھی۔

کلینک کی عمارت گاؤں کے دومیان میں واقع تھی۔ جس کے ایک طرف ایک پہلے ہی ایک مرد ڈاکٹر موجود تھا۔ مگر چونکہ یہ کلینک قریب کے دوسرے دیہاتوں کو بھی لگتا تھا۔ تو ایک مرد ڈاکٹر نا کافی ہی ثابت ہوتا تھا۔ خاص کر جب عورتوں کی بات آتی۔ زیادہ تر لوگ پسند نہیں کرتے تھے کہ ایک عورت کو آدمی ڈاکٹر دیکھے۔ عورتوں کو یا تو کوئٹہ جانا پڑتا یا گھر پر ہی سر درد بخار کی گولی لیکر ٹھیک ہوتیں۔

زینب کا گھر گاؤں کے رستے میں بہت شروع میں آتا تھا۔ انکے گاؤں اور گھر کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا۔ جس وقت وہ لوگ کلینک پر پہنچے وہاں پر لوگوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ رش دیکھ کر پہلا خیال ژالے کے ذہن میں یہی خیال آیا کہ یقیناً کوئی ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔

مگر وہ یہ جان کر مبہوت رہ گئی۔ وہ سب مرد و خواتین اپنی نئی ڈاکٹر کو خوش آمدید کرنے کو وہاں جمع ہوئے تھے۔ سب نے اسکے لیے کوئی نہ کوئی چیز اٹھا رکھی تھی۔ کسی نے کڑھائی والی چادر دی۔ کسی نے ٹوپی دی' کسی نے کرتا دیا' کوئی ایک ڈونگے میں کھانے والی کوئی چیز اٹھائے کھڑا تھا۔ خشک میوہ جات' کینو' سیب' چیزوں کا یہ ڈھیر لگ گیا۔

اس نے ایک ایک عورت کو گلے لگا کر شکریہ ادا کیا۔ محنت کشوں کے چہرے سونے جیسی تپش سے چمک رہے تھے۔ ورشے لوگ بھی ایک گھنٹے کی چھٹی لیکر وہاں موجود تھیں۔ تازہ پھولوں کا یہ اتنا بڑا گلدستہ ہاتھ میں تھا جس میں ایک عدد گلاب ہوگا باقی سب جنگلی جڑی بوٹیاں تھیں۔ اسکے کمرے کے دروازے پر بینر لگا تھا۔

''ویلکم ٹو قبیلہ سردار''

ژالے خوش تھی۔ زندگی میں پہلی دفعہ وہ خوش تھی۔ ہر فکر بھول کر' ہر محرومی بھول کر وہ خوش تھی۔ اپنی خوشی میں یہ احساس نہ ہو پایا کہ کسی کی نظریں مسلسل اسکے چہرے سے چپکی رہیں۔ ان نظروں میں سوچ کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ وہ اسکی ایک ایک حرکت کو ازبر کر رہی تھیں۔ پرکھ رہی تھیں۔ کاش وہ جان پاتی کاش اسکو اس لمحے کوئی یہ

باور کروا دیتا کہ جس کی تمہیں تلاش ہے۔ ابھی اس لمحے وہ اس بھیڑ میں موجود ہے۔ آگے بڑھ کر اسکو پہچان کر اسکا ہاتھ تھام لو۔ پھر چاہے کچھ بھی ہو جائے چھوڑنا مت۔ کھونا مت۔ وہ بہت قیمتی ہاتھ ہے۔ مگر ژالے وہیں اپنے نئے ملنے والوں میں مصروف ہو گئی اور وہ اسی طرح خاموشی سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

''بتاتے کیوں نہیں ہیں۔ اس بدنیت انسان کے پاس کیوں گئے تھے؟'' سکینہ بی بی کے غصے سے پوچھے سوال کے جواب میں جمال علی گیلانی کا لہجہ شکست خوردہ اور کندھے جھکے ہوئے تھے۔

''اور کیا کرتا؟ گھر میں بیٹھ کر انتظار کروں کہ کب میری بیٹی باپ کی میت کو آخری دھکا دیکر قبر میں اتارتی ہے۔ یا اس دن کا انتظار کروں جب اس شریف النفس انسان کو ساری حقیقت معلوم ہو جائے اور وہ آ کر میرا گریبان تھامے کہ جب اپنی بیٹی کے چلن معلوم تھے۔ تو کیوں اسکو میرے نام کی بیڑی میں قید کیا۔ میں آج کل بڑا پچھتا رہا ہوں سکینہ میں اندر سے ریزہ ریزہ ہو گیا ہوں۔ نبی پاک ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص کی دو بیٹیاں ہوں۔ وہ شخص انکی اچھی تربیت کرے۔ انکا فرض پورا کرے۔ دین کی تعلیم دے وہ میرے ساتھ جنت میں ایسے ہوگا جیسے ایک انگلی دوسری کے ساتھ جڑی ہوتی ہے۔ میں کتنا بدنصیب ہوں۔ مجھے اللہ نے ایک بیٹی اور ایک بیٹا دیا۔ بیٹا سعادت مند ہے۔ حالانکہ بیٹے سے زیادہ مجھے بیٹی سے امیدیں تھیں۔ میں نے کس شوق و چاہت سے اسکو سکول و کالج بھیجا مگر وہ تعلیم لیکر سنورنے کی بجائے اپنا آپ ہی بھول گئی۔ اتنی بدنیت' اس قدر کٹھور' اس درجے کی بے حس میں اللہ کو کیا منہ دکھاؤنگا۔ وہ آج بھی بارہ سال پہلے کی طرح میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مطلع کر گئی ہے۔ وہ اس کے ساتھ رابطہ ضرور کرے گی۔ میں تو آنے والے طوفان کے آگے بند باندھنے کی ایک عدد ناکام کوشش کرنے گیا تھا۔''

بوڑھا باپ اور ماں دونوں رو رہے تھے۔

''میں تو دعا کرتی ہوں۔ اگر اولاد ایسی ہوتی ہے۔ تو اللہ کسی کو صاحب اولاد نہ کرے۔ لوگ تو یہی کہیں گے۔ ماں نے بیٹی کی یہ تربیت کی ہے۔ بے وفائی بدچلنی تو میری نسلوں میں کہیں نہیں ملتی۔ میں نے تو آج تک بغیر ضرورت کے دہلیز سے باہر قدم نہ نکالا۔ شوہر کی غیر موجودگی میں بھی اسکی دہلیز پر کوئی چھینٹا نہیں پڑنے دیا۔

پھر میرے پیٹ سے جنم لینے والی ایسی کیوں نکلی۔۔۔؟ جسکو ماں باپ سے محبت نہ ہو۔ وہ زندگی میں کسی اور کی محبت کا دعوا بھی کیسے کر سکتا ہے۔ میں نے اسکو ہر بات کھول کھول کر بتائی پھر اس پر اثر کیوں نہیں ہوا۔ قرآن کہتا ہے۔ ماں باپ کے سامنے اکتاہٹ سے اف کرنا بھی گناہ ہے۔ تو وہ مجھے اور آپکو خون کے آنسو کیسے رلا سکتی ہے۔ میں بارہ سال پہلے ہی بڑا رو چکی ہوں۔ آج میرے میں اتنی ہمت نہیں ہے اگر اس نے میرے سفید سر میں خاک ڈالی تو میری دعا ہے میرا اللہ مجھے اس زندگی کی قید سے آزاد کر دے۔"

جمال علی گیلانی نے اپنے آنسو صاف کیے اور کھڑے ہو گئے۔

"تم دعا کرو سکینہ۔۔ اللہ کی ذات ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالے جسکو اٹھانے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔"

سکینہ نے اپنے شوہر کی پشت پر نظر ڈالی کیسا دل دہلا دینے والا منظر تھا۔ سر جھکا کر سوچ سوچ کر قدم اٹھاتا ضعیف نظر آتا وجود۔ یہ وہ آدمی تھا۔ جو اپنی برادری و خاندان والوں کے فیصلے کرتا تھا۔ ہر بات میں پوری گرج کے ساتھ اپنی رائے دینے والا۔ سچی بات پر ڈٹنے والا سینہ تان کر سر اٹھا کر چلنے والا۔ آج حالات نے کیسا بابا بنا دیا تھا۔ یہ اولاد کا تحفہ تھا۔ جو حلق میں پھنس چکا تھا۔ جسے نہ نگلا جا رہا تھا۔ نہ ہی اگلا جا سکتا تھا۔

کھانے کی میز سے اٹھ کر انہوں نے ملازمہ کو کہہ کر جمال صاحب کے لیے چائے انکے آفس میں پیچھے بھجوائی۔ خود فون سٹینڈ کی جانب آئیں۔

نمبر ملانے کے بعد رسیور کان سے لگایا۔ چوتھی بیل پر دوسری جانب سے جواب آیا۔

"اسلام علیکم آپ سردار احمد یار خان کے بیٹے سے مخاطب ہیں۔ کہیے کیا کام ہے؟"

بے اختیار انکے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"وعلیکم اسلام آپ بھی اس وقت سردار احمد یار خان کی ساس سے مخاطب ہیں۔"

دوسری جانب غازی کی ہنسی گونجی۔۔۔

"یہ ہوئی ناں بات آپ نے ثابت کر دیا ہے کہ آپ میری ہی نانو ہیں۔ میں ابھی آپکو ہی یاد کر رہا تھا۔"

"جاؤ جاؤ منہ دیکھے کی محبت جتانے میں تم باپ بیٹے کا کوئی ثانی نہیں ہے۔"

غازی ہنستے ہوئے صفائی دینے لگا۔

''نانو قسم ہے سچ کہہ رہا ہوں۔ وہ ملازمہ نے پپا کے کہنے پر ساگ بنایا ہے۔ پپا کے کسی کلائینٹ نے گاؤں سے بھیجا تھا۔ ساگ بنایا اچھا ہے مگر اینڈ میں جو مکھن ڈالا ہے نانو کبھی آکر دیکھیں اس مکھن کا رنگ ایک دم زرد ہے۔ جبکہ جو ساگ آپ بناتی ہیں۔ اس کے مکھن کا رنگ ہمیشہ سفید ہوتا ہے۔ یہی بات میں پپا کو بتا رہا تھا۔ اب تو آ گیا یقین کہ میں آپکو ہی یاد کر رہا تھا۔''

''ہاں مجھے یقین آ گیا ہے۔ تم ساگ اور سفید مکھن کو یاد کر رہے تھے۔ مجھے یاد کرتے تو کم از کم ملنے تو آتے۔

''نانو میں تو آج ابھی آ جاؤں۔ مگر سکول کی چھٹی نہیں ہے۔ پر پپا نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ اس دفعہ چھٹی پر ہم دادو کی بجائے آپ کی طرف آئیں گے۔ اگر پروگرام فائنل ہوا ناں تو میں چھٹی والے دن صبح ہی آپکو فون کروں گا۔ آپ میرے لیے چکن مکھنی بنا کر پہلے سے ہی رکھ دینا۔''

''کیوں نہیں میری جان۔۔ میں آج ہی بنا کر ڈرائیور کے ہاتھ بھجوا دوں گی۔''

''نہیں جب میں آپکی طرف آؤں گا۔ تب بنانا ہے۔''

''تب بھی بنا دوں گی اپنے بیٹے کے لیے بار بار ہر روز چکن مکھنی بنانے کو تیار ہوں۔''

''تھینک یو نانو۔۔ آپ کے لیے ایک بڑی سی پپی ہے۔''

سکینہ بی بی بے اختیار مسکرا کر بولیں۔

''آج کل کیا نئی معلومات اکٹھی کی ہیں؟ کیا نیا پڑھا؟''

''نانو آج کل میں خلا کے بارے میں پڑھ رہا ہوں۔ پپا نے کتابیں منگوا کر دیں تھیں۔ اس میں ناسا کی سب سے جدید ترین دریافت کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ جب آیا تو کتابیں لیکر آؤں گا آپ ان میں موجود تصویریں دیکھ کر حیران رہ جائیں گی۔''

''ضرور لیکر آنا۔ پر اس سے پہلے والے موضوع کا کیا بنا؟ کیا پڑھا تھا۔ ہاں یاد آیا ہیومن باڈی میں موجود مختلف سسٹم۔۔۔''

''ہاں جی بالکل یہی تھا۔ آپ کو پتا ہے۔ اپنے سارے سکول کے سامنے میں نے اس موضوع پر سولو ٹاک

دی تھی۔ ہماری ہیڈ نے میری تصویر کے ساتھ میرا نام لکھ کر بڑا سا فریم کروا کر اپنے آفس میں لگایا ہے۔ وہ مجھے اپنا سکول کا اب تک کا بیسٹ سٹوڈنٹ بولتی ہیں۔"

"ماشاءاللہ میرا بیٹا ہے ہی جینیس۔۔۔۔اب ذرا جلدی سے مجھے بتاؤ کیا مین باڈی سسٹم ہیں؟"

سکینہ کو اس کی باتیں سن کر روحانی قسم کا سکون ملتا تھا۔اس لیے ہمیشہ بات سے بات نکال کر گفتگو کو طوالت دینے کی پوری کوشش کرتی تھیں۔جیسے ابھی کیا۔

"ٹھیک تفصیل سے بعد میں بتاؤں گا ابھی صرف ہیڈ لائنز۔۔۔تو جناب 'سرکیولیری سسٹم' جس میں ہمارا دل خون کو سارے جسم میں پمپ کرتا ہے۔ ڈائجسٹیو سسٹم۔۔ خوراک کو ہضم کرنے والا سارا نظام۔۔' ریسپریٹری سسٹم سانس کے آنے اور جانے کا نظام کیسے ہم آکسیجن کو اندر کھینچ کر کاربن ڈائی اکسائیڈ باہر پھینکتے ہیں۔مسکیولری سسٹم سارا ہمارے پٹھوں کا نظام اور عمل 'سکیلاٹری سسٹم' ہماری ہڈیوں کا نظام۔۔"

"غازی جان تمہارا چکن مکھنی بالکل پکا۔کل ڈرائیور کے ہاتھ بھیجتی ہوں۔"

"اگر سچ کہہ رہی ہیں تو میری درخواست ہے کہ آپ خود لیکر آئیں۔نانا کو ساتھ لانا۔انکے ساتھ لڈو کی بازی بھی لگاؤں گا۔ایسا کریں کل رات آپ ہماری طرف رہیں۔سچی نانو آپ لوگ کبھی بھی رات کے لیے نہیں رکتے۔"

"تمہارے نانا کو کہیں نیند نہیں آتی بیٹا۔"

"نیند کا تو بہانہ کرتے ہیں نانو۔اصل میں انہیں اپنے کتوں کی فکر کہیں رہنے نہیں دیتی۔آپ کل آئیں میں انکو رات کے لیے منا کر ہی دم لونگا۔"

اچھا جیسے تمہاری مرضی۔۔مما کیا کر رہی ہے؟"

"اوہ مما کی تو کوئی دوست آئی بیٹھی ہیں۔دوپہر سے بس انکے ساتھ ہی مصروف ہیں۔ڈنر بھی اپنے کمرے میں ہی منگوالیا۔"

"اب کونسی دوست آ چمٹی ہے۔۔"

"اپنے کو تو کوئی معلومات نہیں ہیں۔آپ نے ان سے بات کرنی ہے تو بلا لاتا ہوں؟"

''نہیں میری جان رہنے دو اسکو دوستیاں نبھا لینے دو۔''

دونوں کے درمیان کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''فکر نہ کریں نانو آج پپا نے مما کی ایک نئے ڈاکٹر سے اپوائمنٹ لی ہے۔انشااللہ وہ ٹھیک ہو جائینگی۔''

سکینہ بی بی کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا اٹک گیا۔آگے بات ہی نہ ہو سکی۔مجبوراً لائن کاٹ دی۔

☆......☆......☆

پہلا دن ہی اتنا مصروف گزرا۔جب صبح سے لگی خواتین کی لائن ختم ہوئی۔اس وقت شام کے چھ بج رہے تھے۔کہاں صبح کے گیارہ بجے اس نے پہلا مریض دیکھا تھا۔تب سے اب تک سوائے چائے کی بریک کے اور کوئی وقفہ نہیں لیا تھا۔کچھ بڑا ہاتھ موسم کا بھی تھا۔برف باری اور پھر درجہ حرارت میں اس قدر کمی نے لوگوں کو دمہ' کھانسی' زکام' بخار کا شکار کیا ہوا تھا۔زیادہ تر بچے سانس کی بیماریوں اور کھانسی والے آئے تھے۔اس کی مدد کے لیے ایک سترہ اٹھارہ سال کا لڑکا موجود رہا تھا۔جو کہ عام طور پر ڈاکٹر سفیان کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کرتا تھا۔مگر آج صرف رش اور پھر ژالے کا پہلا دن ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر سفیان نے اسکو کلینک کے زنانہ حصے کی جانب بھیج دیا ہوا تھا۔وہ بھی دو گھنٹے پہلے چھٹی لیکر جا چکا تھا۔کیونکہ اسکی شفٹ چار بجے ختم ہو جاتی تھی۔

اپنا سامان سمیٹ کر میز کے دراز میں رکھتے ہوئے۔ژالے کی نظر دراز کی زمین پر بچھے اخبار پر پڑی۔پہلی نظر سرسری تھی۔مگر کچھ غیر معمولی منظر دیکھتے ہی اسکے اندر گھنٹیاں بج اٹھیں۔احتیاط کے ساتھ چیزوں کے نیچے سے اخبار کو کھینچ کر نکالا۔سارا منظر واضح ہونے پر سیدھا ہاتھ بے اختیار منہ پر چلا گیا۔کانوں میں سائیں سائیں ہونے لگی۔سارے منظر دھندلا گئے۔کانپتے ہاتھوں میں اخبار کے کترن پکڑے پھٹی آنکھوں سے ہیڈ لائن کے ساتھ لگی کلر تصویر کو وہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔اس کے اندر باہر وحشت کا بسیرا ہوا۔اسکے پاس تو ہینڈ بیگ بھی نہ تھا۔جس میں اخبار کو چھپا کر وہاں سے لے جاتی۔کلینک پر اس وقت کوئی نہیں تھا۔وہ اپنا سکارف آدھا چہرے کے سامنے ڈال کر کلینک سے نکل آئی۔قدم بڑھانے سے پہلے یہ فیصلہ کرنا مشکل لگا کہ کونسا راستہ گاؤں سے باہر کو جاتا تھا۔کیونکہ اسی راہ پر آگے جا کر ہاسٹل آتا تھا۔

اسے پورا یقین تھا کہ یہی راستہ منزل کو جاتا ہے۔مٹھی میں اخبار دبوچے۔تیز تیز قدموں سے برف کو مسلتی

چلتی چلی گئی۔ گاؤں بہت پیچھے رہ گیا۔ مگر ہاسٹل کی عمارت کہیں نظر نہ آئی۔ بے اختیاری میں بہتے ہوئے آنسوؤں کو سکارف کے ساتھ رگڑ کر صاف کرتی۔ کبھی ناک سے بہتے پانی کو صاف کرتی۔ پانچ منٹ مزید چلنے کے بعد ایک موڑ کاٹ کر قدم آگے بڑھایا ہی تھا کہ قدموں کے نیچے ایک دم سے کوئی سطح نہ آئی۔ جب تک صورتحال کا اندازہ ہوا۔ اسکا نچلا دھڑ سارا برف میں دھنسا ہوا تھا۔ فوری طور پر اپنے بازوؤں پر وزن ڈال کر اپنے آپ کو اوپر اٹھانا چاہا تو دل دہلا دینے والا ادراک ہوا کہ وہ باہر کو آنے کی بجائے اور نیچے گئی تھی۔ مزحمت چھوڑ دی۔ پہلے بے یقینی و وحشت حواس پر چھائی ہوئی تھی۔ اب خوف نے پوری شدت سے حملہ کیا۔ اخبار کا ٹکڑا ہاتھ سے چھوٹ کر تھوڑے فاصلے پر گرا۔

گہرے گہرے سانس لینے کے ساتھ اس نے اردگرد کا جائزہ لیا تو گردن کے بال کھڑے ہوگئے۔ وہ ایسی جگہ پر موجود تھی۔ جہاں اطراف میں اونچے برف سے ڈھکے پہاڑوں کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ نہ چرند پرند نہ کوئی بشر۔ خاموش ماحول میں کبھی کبھی برف گرنے سے تھوڑی ارتعاش پیدا ہوتا اور بس۔ وہ یقیناً غلط راستہ اختیار کر چکی تھی۔ اس وقت گاؤں سے میل ڈیڑھ دور اس غیر آباد جگہ پر موجود تھی۔

''کوئی ہے۔۔؟ کوئی میری مدد کرو۔۔۔ ہیلو۔۔۔!!۔۔ خدا کے لیے کوئی میری مدد کرو۔۔ اگر میں نے تنہائی اور ٹھنڈ سے ہی مرنا تھا۔ تو میرے گھر کی چاردیواری کیوں چھنی گئی۔ اب یہاں ہائپو تھرمیاں سے مر جاؤنگی۔ میں ایسے مرنا نہیں چاہتی اللہ جی کسی کو تو میری مدد کو بھیج دیں۔''

''اگر پہاڑ کی چوٹی سے برف کا تودا گرا تو میں پوری کی پوری برف میں دفن ہو جاؤنگی۔ کوئی بھی مدد کو نہ آئے گا۔ بھلا اس ویرانے کی جانب کوئی کیوں آئے گا۔ زینب ادھر نہیں ہے۔ باقی کس کو میرا انتظار ہوگا۔ کونسا ماں باپ زندہ ہیں جو ڈھونڈنے نکلیں گے۔ اگر برف باری دوبارہ شروع ہوگئی تو؟۔ ہائے گرمیوں تک میں ادھر فریز رہونگی۔ زینب یہی سمجھے گی لاہور واپس چلی گئی ہوں۔ اسکو کیا خبر ہوگی کہ راستہ بھٹک کر مرگئی ہوں۔ یا اللہ غلطی میری ہی ہے۔ گھر پر موت سامنے آئی تو میں نے بوا کے کہنے میں آکر دوڑ لگا دی۔ وہاں سے بچی آگے ایک ویران اور تاریک گھر میں خوف و بیماری کے ساتھ موت کا انتظار کیا۔ ادھر زینی نے بچا لیا۔ اب کوئی بھی نہیں بچائے گا۔ میں آپ کے حوالے اللہ جی کہیں اعزرائیل کو آئیں نکال لیں جان سیاپا ہی مکے۔۔''۔ آسمان سے

اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھی۔ جب اچانک نیم اندھیرے میں درختوں کے درمیان ایک ہیولہ سا دکھائی دیا۔
رہی سہی جان نکل کر لبوں پر آ گئی۔

"ہائے اب میرا گوشت جنگلی جانور کھائیں گے۔ کوئی قبر ہوگی۔ نہ ہی کوئی پھول ڈالنے والا آئے گا۔"

آنکھیں بند کیے زار و قطار روتے ہوئے کلمہ پڑھ رہی تھی۔ جب برف میں چلتے قدموں کی آواز عین اسکے چہرے کے قریب آ کر رکی۔

سارا جسم ٹھنڈ سے کم خوف کے مارے زیادہ کپکپا رہا تھا۔ دانت ایک دوسرے میں بج رہے تھے۔
آنکھیں کھول کر اپنی موت کو ایک نظر قریب سے دیکھنا چاہا تو سامنے کسی جنگلی بلی بلے کی بجائے ایک کالے لباس والے نقاب پوش کو دیکھ کر حلق سے فلک شگاف چیخ برآمد ہوئی۔ سارا جسم ہلا جسکی وجہ سے ایک دو انچ اور برف میں گھس گئی۔ آنکھیں پھاڑ کر گھورا۔

گرم اونی نقاب سے صرف کالی آنکھیں اور سرخی مائل گلابی لب جھانک رہے تھے۔ کالے ٹراؤزر کے اوپر کالی ہی موٹی جرسی پہنی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گھٹنوں کے بل بڑے سکون سے بیٹھ کر ڈالے کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔

"شور تو تم ایسے کر رہی ہو۔ جیسے نارتھ یا ساؤتھ پال کے کسی گلیشیر میں پھنس گئی ہو۔ جہاں کا درجہ حرارت مائینس پچپن یا ساٹھ کے قریب ہے۔ اور تمہارے پاس آ جا کر دو تین منٹ بچتے ہیں۔ کلمہ پڑھنے اور توبہ کرنے کے۔"

"ڈاکٹر صاحب یہ پاکستان ہے۔ بڑی حد ہوئی تو درجہ حرارت مائنس بیس یا پچیس تک گر جائے گا۔ جس میں آدھا گھنٹہ چالیس منٹ تک تمہاری باڈی سروائیو کر جائے گی۔ اور جیسے کہ آج کا درجہ حرارت ہے ہی سارا مائینس سات تو فروسٹ بائیٹ تک مشکل ہے۔ کہاں ہائپوتھرمیاں۔۔۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے۔ ٹھنڈ لگ جائے۔ وہ بھی انڈے، سوپ وغیرہ لیتا ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

ڈالے کا وجود یک دم ساکت ہو گیا۔ کپکپاہٹ بھی ختم ہو گئی۔

"تم۔۔۔ت تم وہی ہو۔ میں تمہاری آواز پہچان گئی ہوں۔"

وہی باریک آواز تھی۔

اس نے ژالے کو دونوں بازوؤں سے تھام کر کھینچا اور اگلے سیکنڈ برف کے بستر سے نکال کر باہر کھڑا کر دیا۔ باہر نکلتے ہی ژالے نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اس پر جھپٹ پڑی۔ دو چار مکے ہی پڑے ہو نگے جو وہ مروت میں کھا گیا۔ مگر جب ژالے کا ہاتھ اسکے نقاب کی جانب بڑھا۔ اس کو ایکشن لینا پڑا۔ دونوں ہاتھ مضبوط گرفت میں لیکر ژالے کی کمر سے لگا دیئے۔ خود وہ اسکی پشت کی جانب کھڑا ہو گیا۔ ژالے کا سر اسکے سینے کے اوپر رکھا تھا۔ ایک ہاتھ سے اسکے ہاتھ پکڑ کر دوسرا ہاتھ کمر میں ڈال کر اسکے احتجاج کو روک رہا تھا۔

''مار کیوں رہی ہو؟ اور یہ ساری انرجی برف سے نکلنے میں کیوں نہیں صرف کی ادھر تو بڑے آرام سے کلمے پڑھ کر موت کے فرشتے کے سامنے سرنڈر کیا جا رہا تھا۔''

اسکو اسی طرح لیکر واپس کی جانب بڑھا۔ موڑ کاٹتے ہی ژالے کی نظر تھوڑی دور کھڑی گاڑی پر پڑی۔ وہ وہی گاڑی تھی۔ جس میں اس نے لاہور سے کوئٹہ تک کا سفر کیا تھا۔ اب تو پکا کنفرم ہو گیا کہ یہ وہی آدمی تھا۔ غصہ اور تکلیف تو تھی مگر ژالے کو یک دم تحفظ اور سکون کا احساس ہوا۔ پینجر سیٹ پر اسے ڈال کر خود دوسری جانب سے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہی تھی۔ جب ژالے نے ایک دفعہ پھر اسکے نقاب پر حملہ کرنا چاہا۔ مگر ہاتھ درمیان میں ہی روک دیئے گئے۔ اور وہ ایک دم غصے سے دھاڑا۔

''ہاتھ مت چلاؤ۔ انسان بن کر منہ سے بات کرو۔ ورنہ مجھے بھی جانور بن کر بات کرنی پڑے گی۔''

وہ بالکل متاثر نہ ہوئی۔ بل بل بہتے آنسو صاف کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''پہلے تو جیسے بڑے انسان ہو۔''

''جب میں تمہیں اس گھر میں چھوڑ کر گیا تھا۔ تو تم نے ادھر رہ کر میری واپسی کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ ایک غیر اور انجان لڑکی پر بھروسہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔''

''تو کیا تم میرے اپنے ہو؟ کیا میرے خیر خواہ ہو؟ جو اپنا چہرہ بھی نقاب میں چھپا کر سامنے آئے ہو۔ میری بوا نے تم پر بھروسہ کیا تھا۔ تم نے وعدہ خلافی کی اور مجھے ایک انجان شہر میں مرنے کو اکیلا چھوڑ دیا۔''

''میرے پاس یہ شکوے شکایتیں سننے کا وقت نہیں ہے۔ یہ گاؤں ہے۔ تمہاری غیر موجودگی کی خبر ہر طرف

پھیلتے ہی یہ لوگ تمہیں ڈھونڈنے نکلیں گے۔ میں تمہیں رہائش کو جانے والی پگڈنڈی پر اتار دونگا۔کوئی پوچھے تو کہہ دینا راستہ بھول گئی تھی وغیرہ۔۔''

''میں واپس وہاں نہیں جاؤنگی۔''

اس کے حتمی انداز پر گیئر بدلتا ہاتھ اک لمحے کو رکا۔

''تو کیا میرے ساتھ جانا ہے؟ یہ خواب دیکھنا بھی مت نہ میرے پاس گھر ہے۔نہ ٹھکانہ اسلیے ادھر نوکری پر لگی ہو تو چپ کر کے لگی رہو۔''

''تمہارے ساتھ جاتی ہے میری جوتی۔کالے کلوٹے انسان آخر تم نے خود کو سمجھ کیا لیا ہے۔میں کوئی مری جا رہی ہوں۔تمہارے ساتھ کسی ٹوٹے پھوٹے جنوں کے کھنڈرات میں جانے کے لیے۔میں واپس لاہور جانا چاہتی ہوں۔تم مجھے بس کوئٹہ کے ٹرین سٹیشن تک پہنچا دو۔میں نے آج ایک ہفتہ پرانا اخبار دیکھا ہے۔میرے کزن کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔عین اسی دن جس دن میں وہاں سے آئی تھی۔اگر یہ سب ہو جانا تھا۔تو کاش میں بوا کی بات نہ مانتی۔مگر اب میں یہاں وہاں پناہ نہیں ڈھونڈونگی مجھے گھر واپس جانا ہے۔آج اور ابھی۔۔''

وہ گاڑی ایک دفعہ پھر رستے میں ہی روک کر اسکی جانب مڑا۔

''تمہارا واپس جانا اب ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں ممکن نہیں ہے۔وہ میرا گھر ہے۔جب جی چاہے جا سکتی ہوں۔''

''وہ تمہارا گھر تھا۔مگر جب تم نے میرے ساتھ فرار ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ گھر تمہارے لیے دنیا کی آخری جگہ بن گئی۔جہاں تمہیں کبھی امان ملے گی۔تم نے اخبار میں وہ خبر پڑھی ہے۔جو تمہارے تایا کی بیٹیوں اور داماد و نے اپنی مرضی سے اخبار والوں سے چھپوائی ہے۔اور ایک خبر وہ بھی ہے۔جو تمہاری ساری برادری اور خاندان میں چہ مگوئیاں پیدا کر رہی ہے۔''

''کیا مطلب۔۔؟''

''مطلب یہ ڈالے کہ تمہارے بارے میں یہی رائے کہی جا رہی ہے کہ تم نے اپنے کسی آشنا کے ساتھ مل کر اپنے منگیتر کو قتل کیا ہے۔اور اسی آشنا کے ساتھ فرار ہو گئی ہو۔''

ژالے کو یوں لگا جیسے چھت سر پر آگری ہو۔ رونا بھی بھول گئی۔ پورا رخ موڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے یقینی سے بولی۔

''تم مذاق کر رہے ہو؟''

''تمہارا میرا کوئی مذاق نہیں ہے۔''

''ایسا وہ لوگ سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔ میری کزنیں تائی سب مجھے جانتے ہیں۔ میری کسی کے ساتھ کوئی شناسائی نہیں ہے۔''

اس کی آواز میں بے یقینی ہی بول رہی تھی۔

''اور تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟ تمہیں کس نے بتایا؟۔''

اسکے دونوں ہاتھ ابھی بھی سٹیرنگ پر دھرے تھے۔ اردگرد پر بھی نظر رکھے ہوئے تھا۔

''یہ سب باتیں کرنے کا اس وقت ٹائم نہیں ہے۔ اندھیرا پھیل گیا ہے۔ اس وقت تمہارا واپس جانا ضروری ہے۔ میں کل آؤنگا تب پوچھ لینا جو جاننا چاہتی ہو۔ مگر جو میں نے کہا ہے۔ وہ جھوٹ بالکل بھی نہیں۔''

''پھر ٹھیک ہے۔ میں ابھی تمہارے ساتھ ہی جاؤنگی۔ کوئی نہیں جانا مجھے واپس ہاسٹل۔''

سیاہ آنکھوں میں غصہ جاگا۔ اگلے پل اس نے ڈیش بورڈ کے خانے سے ایک سیل فون نکال کر ژالے کی جانب بڑھایا۔

''تمہارے آتے ہی اگلے دن ان لوگوں نے تمہارے ساتھ بھلائی کرنے والی مائی کو زہر دیکر ختم کر دیا تھا۔ کیونکہ گھر کے کسی ملازم نے اسکی میرے ساتھ ہونے والی بات چیت دھمکی ملنے پر سب کے سامنے اگل دی تھی۔ یہ لائن ٹریس نہیں ہو سکتی۔ تم اپنے گھر کا نمبر ملاؤ تصدیق ہو جائے گی۔''

ژالے نے فون تھام لیا۔ اس آدمی پر وہ مزید اندھا یقین نہیں کر سکتی تھی۔ نمبر ملایا بیل جارہی تھی۔ ساتھ ہی اسکو اپنے دل کی دھڑکن اپنے حلق میں سنائی دینے لگی۔

''ہیلو۔ اسلام علیکم سعدیہ آپا میں ژالے بول رہی ہوں۔''

دوسری جانب سے آنے والے جواب نے ژالے کے حواس سلب کر لیے۔ سعدیہ آپا اس کے ساتھ ہمیشہ

بڑے پیار سے پیش آتی تھیں۔مگر اس وقت وہ تائی کی طرح گالیاں کوسنے دیئے گئیں۔

''تم میسنی چڑیل تمہاری جرات کیسے ہوئی اس گھر کا نمبر ملانے کی۔میرے بھائی کو کھا گئی ہوڈائین۔آخر نکلی ناں تم اپنی ماں جیسی بدکردار عورت''

آپ کیا کہہ رہی ہیں۔سعدیہ آپا میری امی کے لیے ایسے الفاظ استعمال مت کریں۔''

''تو مجھے سبق دے گی۔تو ایک دفعہ ہاتھ لگ جا تیرے اور تیرے اس یار کا وہ حشر ہوگا کہ آنے والی نسلیں یاد کریں گی۔بے غیرت تجھے ذرا شرم نہ آئی ہمارے سر پر یوں خاک ڈالتے ہوئے۔اتنے سالوں سے میرے باپ نے تجھے سینے سے لگا کر رکھا۔اسکا یہ صلہ دیا تم نے۔۔۔میرا ایک ہی بھائی تھا ژالے میرا ایک ہی بھائی تھا۔تمہیں موت آئے۔اللہ کرے کتے۔۔۔۔''

ژالے کے کانپتے ہاتھ سے فون لیکر اس نے لائن کاٹ دی۔تھوڑی دیر تک گاڑی میں خاموشی چھائی رہی۔دونوں ہی اپنے سامنے ونڈ سکرین کی دوسری جانب دیکھتے رہے۔اچانک ژالے کے اندر ابال اٹھا ایسا لگا جیسے سارا کچھ باہر آجائے گا۔اپنی جانب کا دروازہ کھول کر وہیں جھک گئی۔بڑی بری قے آئی تھی۔جب بے حال ہوگئی تو ایک کالے ہاتھ میں سفید ٹشو اسکے سامنے آئے۔خاموشی سے ٹشو لیکر منہ صاف کیا۔

گاڑی کے اندر ہیٹر کی وجہ سے اسکے کپڑے گیلے ہونے کے باوجود سردی کا احساس شدید نہ رہا تھا۔مگر اس وقت وہ گاڑی سے نکل گئی۔دور سے گھروں میں جلتی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ہوا جسم کو جیسے چیر کر گزرنے کے پروگرام میں تھی۔ذہن کی سلیٹ بالکل خالی ہوگئی۔ایک نظر اپنے گرد ڈالی سمجھ ہی نہ آیا اب کدھر جائے گی۔سارے منظر خالی ساری زندگی کی محنت رائیگاں چلی گئی۔مرے ہوئے قدموں سے جس طرف روشنی کے نقطے نظر آرہے ادھر کو جانے کا فیصلہ کر کے آگے بڑھی۔تبھی سامنے سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹ چمکی ساتھ ہی برف میں زور لگانے سے انجن کا احتجاج بھی آیا۔

اس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔گاڑی کی پچھلی لائٹس ہر لمحے کے ساتھ دور سے دور ہوتی دکھائی دیں۔بالکل اسکے مستقبل کی طرح کچھ بھی صاف نہ تھا۔سامنے سے آنے والی گاڑی میں سے پریشان سی شکل لیے نعمان برآمد ہوا۔

''ژالے بہن آپ ٹھیک تو ہیں۔؟ کیا ہوا تھا؟ میں آپکو لینے آیا آپ کلینک پہ تھی ہی نہیں۔کب سے میں اور غازان آپکو ڈھونڈ رہے ہیں۔''

''میں تو گھر جانے کے لیے نکلی تھی مگر نہ جانے کیسے غلط رستے پر قدم ڈال کر راستہ کھو بیٹھی۔ مجھے گھر ہی نہیں مل رہا۔''

جو اسکی ذہنی حالت تھی۔ اسکے مطابق جو الفاظ زبان سے نکلے وہ عین اسکی اصل صورتحال کے مطابق تھے۔ نعمان کو سمجھ کیا آتے۔وہ تو وہی سمجھا جو ظاہری جو سامنے نظر آ رہا تھا۔

''چلیں شکر ہے۔ابھی تو آپ مل گئیں۔آئیں بیٹھیں گھر چلتے ہیں۔''

وہ اسی طرح خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی۔دوسری جانب نظر ڈالی تو ایک دفعہ پھر آنکھ بھر آئی۔جو قانونی طور پر سب سے اپنا تھا۔وہ یوں غیروں کے بیچ چھوڑ کر غیروں کی طرح کب کا جا چکا تھا۔اس نے ایک نظر واپس مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ ہوسکتا ہے کسی چور ڈاکو کی گاڑی ہوتی تب؟ کیا تب بھی ایسے ہی چلا جاتا؟

میں نے بڑے غلط انسان سے بڑی غلط امیدیں باندھ لیں۔

''ہیلو غازان' ژالے مل گئی ہے۔ہاں رستہ بھول گئیں تھیں۔میں واپس آ رہا ہوں۔''

نعمان نے فون پر اطلاع دینے کے بعد لائن کاٹ کر گاڑی کو موڑا اور آگے بڑھا دی۔

''اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے ژالے ہم نے تمہیں ڈھونڈ ہی لینا تھا۔ مجھے یہی شک ہوا تھا۔ اصل میں کلینک سے سیدھی سڑک باہر کو جاتی ہے اور وہی سڑک دوسری جانب آگے کے قصبوں کی جانب۔تم غلطی سے دوسری پر چل پڑیں۔

ژالے جواب میں کچھ نہ بولی۔جس وقت انکی گاڑی گیٹ سے اندر گئی بالکل سامنے غازان اور دادی فکر مندی سے کھڑے نظر آئے۔ژالے کو احساسِ جرم نے گھیرا وہ کیوں ان پیارے لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔جنہوں نے اسکے لیے وہ کیا تھا۔جس سے اپنے بھی انکاری ہوگئے۔

وہ باہر نکلی تو دادی نے بانہوں میں لے لیا۔

''شکر ہے تم خیریت سے مل گئی ہو۔میرا تو دل پریشان ہوگیا تھا۔''

ژالے کو تو ویسے بھی اس وقت کسی کندھے کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ مگر اس نے خود کو بڑی مشکل سے رونے سے باز رکھا۔ اسکے چہرے کے خواس باختگی دیکھ کر غازان نے لب کھولے۔

'' معذرت چاہتا ہوں مس گل آپ کو پہلے ہی دن ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر کل سے آپ کے لیے ایک بندے کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔ وہ آپکو لیکر بھی جائے گا۔ سارا وقت وہیں آپ کے ساتھ رہنے کے بعد آپکو واپس بھی لائے گا۔ آج تو میں اور نعمان کوئٹہ سے آئے بڑی لیٹ ورنہ یہ سب نہ ہوتا۔''

'' کوئی بات نہیں آپ لوگوں کی تو کوئی غلطی نہیں مجھے ہی اکیلے نہیں آنا چاہیے تھا۔''

ژالے نے سب کو یوں شرمندہ دیکھ کر صفائی دی۔۔

'' چلو بچو اندر چلو پہلے سب کھانا کھاؤ ویسے بھی باہر بڑی ٹھنڈ ہے۔''

ژالے نے انکار کر دیا۔

'' نہیں دادی امی آپ لوگ جائیں۔ میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔ پلیز میں نے دن میں اتنا کچھ کھایا تھا۔ اس وقت بھوک نہیں ہے۔''

'' بیٹی اتنی دیر سے باہر ٹھنڈ میں گھوم رہی ہو۔ اندر چل کر گرم دودھ کافی لو پھر چلی جانا اپنے کمرے میں۔''

اس کے چہرے پر بیچارگی دیکھ کر غازان نے ماں کو روک دیا۔

'' اماں میرا خیال ہے۔ مس گل کافی تھک گئی ہیں۔ ابھی آرام ہی کرنے دیں۔ نعمان ذرا انکو آگے کر آؤ میں کھانا لگواتا ہوں۔''

ژالے نے مشکور نظروں سے غازان کو دیکھ کر شکریہ ادا کیا۔ جس پر اس نے اپنی عادت کے مطابق سر اثبات میں خم کیا۔

وہ گراؤنڈ پار کر کے ہاسٹل کی عمارت کی جانب چل پڑی۔ نعمان تین چار قدم کی دوری پر چل رہا تھا۔

نعمان کے والد گاؤں کے کرتا دھرتا آدمیوں میں سے ایک تھے۔ نعمان کی دو بہنیں اور ایک چھوٹا بھائی تھا۔ والدہ پوری طرح سے ایک روایتی پٹھان عورت تھیں۔ بڑی دبنگ ٹائپ عورت تھیں۔ بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ وہ خود بھی سرکاری نوکری کر رہا تھا۔ جبکہ چھوٹا بھائی ابھی پڑھ رہا تھا۔ گاؤں میں انکی حویلی نما گھر بڑا نمایا

تھا۔ ایک تو وہ غازان کا ہم عمر تھا۔ دوسرا دونوں لنگوٹیے یار تھے۔ کالج کے بعد یونیورسٹی دونوں ایک ساتھ ہی تھے۔ وہ نعمان کو خدا حافظ بول کر اندر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔ جب نعمان کے سوال پر رک گئی۔

''گوہر کیا کوئی پریشانی ہے؟۔''

ژالے نے نفی میں گردن ہلائی۔

''نہیں نعمان بھائی ویسے ہی تھکن کی وجہ نیند آ رہی ہے۔''

''کہتی ہو تو مان لیتا ہوں۔ پر اگر کوئی پریشانی ہو تو بلا جھجک بتانا ہے۔ تم میری زینی جیسی ہی بہن ہو۔ کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ اپنے تک نہیں رکھنا۔ ابھی جاؤ آرام کرو کل انشاءاللہ بات کریں گے۔''

وہ اسکے سر پر ہلکی سی تھپکی دیکر واپس مڑ گیا۔ نیوی شلوار سوٹ پر براؤن جیکٹ تھوڑے لمبے بال جن کو درمیاں میں مانگ نکال کر سیٹ کیا ہوا تھا۔ سلکی بال ہونے کی وجہ سے اس پر مانگ نکالنا جچتا تھا۔ جتنے دن زینب اسکے ساتھ تھی۔ سب کے ساتھ تفصیلی تعارف کی بجائے اچھی خاصی بات چیت بھی نکل پڑی تھی۔ اسی وجہ سے نعمان اسکو پوچھ کر گیا تھا۔

ژالے کے دل پر تو پہلے ہی اس وقت بڑا بوجھ پڑا ہوا تھا۔

تیز تیز قدموں سے اپنے کمرے تک آئی تا کہ کسی لڑکی کی اس پر نظر پڑنے سے پہلے وہ بند دروازے کے پیچھے چھپ جائے کیونکہ اس وقت کسی سے بات کرنے کا من نہ تھا۔

اپنے کمرے میں آ کر لائٹ جلائی۔ دروازہ لاک کیا۔ تو نظر کمرے میں موجود تین چار شاپنگ بیگز پر پڑی۔ اتنا تجسس تک نہ جاگا کہ آگے بڑھ کر دیکھ ہی لیتی کہ زینب نے کیا کچھ خرید کر بھیجا ہے۔ واش روم میں جا کر گرم پانی سے منہ ہاتھ دھویا۔ آنسو پانی کی دھار کے ساتھ ایک تواتر سے بہتے چلے گئے۔ کانوں میں ایک ہی جملہ گردش کرتا رہا۔

''نکلی ناں آخر ماں جیسی بدچلن۔۔۔''

وہیں واش روم کے فرش پر گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر سر گھٹنوں میں چھپائے کتنی دیر تک سسکیاں بھرتی رہی۔

''میری امی بدکردار نہیں تھیں۔ اللہ کی قسم تم سب لوگ جانتے ہو وہ بدکردار نہیں تھیں۔ میرا کسی مرد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یا اللہ آپ تو سب جانتے ہیں۔ دلوں کے حال۔۔۔ ظاہر ہوا سچ۔۔ پردوں میں چھپے راز بھی تو اللہ جی میرے حصے میں یہ بدنامی کیوں آئی؟۔ یا اللہ میری ماں کے حصے میں یہ داغ کیوں آیا؟ جب یہ آپکی شان ہے۔ جسکو چاہیں عزت دیں۔ جسکو چاہیں زلت کی عمیق گہرائیوں میں دھکیل دیں۔ تو اللہ جی میری شہرت یہ ٹھہری کہ اپنے چاہنے والے کے ساتھ گھر سے بھاگنے والی لڑکی۔۔؟ وہ تو میرا کچھ بھی نہیں ہے۔ اسکو کسی اور نے میرے لیے چنا اللہ جی اور وہ مجھے بیچ راستے چھوڑ گیا ہے۔ آپ کو کیا بتاؤں آپ تو پہلے ہی سب جانتے ہیں۔''

دس پندرہ منٹ تک رو رو کر غبار کچھ کم ہوا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر کمرے میں آئی۔

الماری میں لٹکے کپڑے نکال کر لباس بدلا اور لائٹ بند کر کے رضائی میں لیٹ گئی۔ آج کا دن جتنا اچھا اور پر امید شروع ہوا تھا۔ اختتام اتنا ہی مایوس کن۔

اس کو سمجھ نہ آرہا تھا۔ کس کس غم کو رونا ہے۔ بوا کی موت یا سرفراز کی موت پر یا پھر اپنی بدنامی پر؟ اسی طرح روتے روتے نیند کی وادی میں اتر گئی۔



وہ لوگ کھانے کی میز پر موجود تھے۔ جب رحمت بی بی نے فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''غازان تمہیں ژالے کو اس طرح سے جانے نہیں دینا چاہیے تھا۔ کھانا کھا کر سوتی تو اچھا ہوتا۔ اب کہیں بیمار نہ پڑ جائے۔

اس نے اپنی پلیٹ پر سے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا۔

''اماں آپ کی بات بھی ٹھیک ہے۔ مگر آپ نے دیکھا نہیں اسکے چہرے پر رقم تھا۔ کہ وہ رکنا نہیں چاہ رہی تھی۔ اسلیے میں نے ایسا کہا۔''

''پچھلے کئی دنوں سے کھانے کی میز پر زینی اور ژالے کی وجہ سے اتنی رونق رہی ہے۔ آج دونوں نہیں ہیں تو گھر سونا لگ رہا ہے۔''

رحمت بی بی کی بات پر نعمان دھیرے سے مسکرایا۔ ٹشو سے منہ صاف کرتے ہوئے بولا۔

''موئے زینی کی رونق دس بندوں کے برابر ہے۔ژالے تو کم ہی بولتی ہے۔ پر زینی کو چپ کروانا عذاب ہے۔ سارا دن سر پر سوار رہی ہے۔ لنچ بھی اسی کی مرضی کے رستورانٹ سے کرنا پڑا۔ حالانکہ غازان یہی کہتا رہا پر ہے ایک نظر کتاب کھول کر دیکھو لو مگر نہ جی۔۔''

''زینی تو میری بلبل ہے۔میرے باغ کا سنہری پرندہ۔۔اللہ اسکو میری بھی عمر لگا دے۔''

''ژالے بڑی ہی نیک فطرت بچی ہے۔ پر اسکے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہوا۔شوہر معمولی سی بات پر جھگڑ کر اسکو چھوڑ گیا ہوا ہے۔''

رحمت بی بی کی بات پر دونوں دوستوں کے کان کھڑے ہوئے۔

''کیا مطلب ہے؟''

غازان نے الجھن بھرے انداز میں پوچھا۔

''تم لوگوں سے میں نے ایک بات چھپائی ہے۔''

رحمت نے باری باری دونوں کو دیکھا۔جو کھانے سے ہاتھ روک کر انکو دیکھ رہے تھے۔

''ژالے نہ ہی زینی کی کوئی پرانی دوست ہے۔نہ ہی وہ اپنا تبادلہ کروا کر یہاں آئی ہے۔''

غازان نے سنجیدہ نظروں سے دادی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اگر وہ زینی کی دوست ہے نہ ہی سرکاری طرف سے یہاں بھیجی گئی ہے۔تو اماں پھر یہ ہے کون اور ہمارے گھر میں کیا کر رہی ہے؟۔''

''دیکھو غازان پریشان ہونے یا غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔پچھلے کتنے دنوں سے وہ ہمارے ساتھ ہے۔ میں خود اسکو آزما اور پرکھ رہی تھی کہ کہیں کوئی جھوٹی لڑکی ہی نہ ہو۔مگر مجھے لگتا ہے کہ اس نے جو کہا سچ کہا تھا۔''

اب کی دفعہ سوال نعمان کی جانب سے آیا۔

''کیا کہا تھا؟۔''

''پنجاب سے شادی ہو کر یہاں آئی ہے۔شوہر کے ساتھ کوئٹہ رہتی تھی۔شوہر لڑ کر کہیں چلا گیا واپس نہیں

آیا۔ اسکو کرایہ نہ دینے پر کرائے دار نے گھر سے نکال دیا تھا۔ زینی کو بس سٹیشن پر روتی ہوئی ملی تھی۔"

"اماں یہ زندگی ہے یا کوئی فلم؟ آپ نے مجھے یہ سب پہلے کیوں نہیں بتایا۔ ڈیڑھ سو لڑکیوں کا بھرا ہاسٹل ہے۔ جو کہ میری ذمہ داری ہیں۔ میں آپ سے اس قدر غیر ذمہ داری کی امید نہیں رکھتا تھا۔ اگر یہ لڑکی کوئی اور ہی ڈرامہ نکل آئی تو پھر؟۔"

"غازان تم خامخواہ جذباتی ہو رہے ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ کیا تمہیں وہ شکل سے ایسی لگتی ہے؟۔".

"اماں کاش انسانی شکلوں پر لکھا مل جائے کہ کون چور ہے اور کون محافظ۔۔ اس زینی کی تو میں کل جا کر خبر لیتا ہوں۔ اور اس ڈرالے کو بھی دیکھتا ہوں۔ حد ہے ہم لوگ اتنے پیار سے پیش آ رہے ہیں۔ اور وہ ہمارے ساتھ جھوٹ بول رہی ہے۔"

"غازان اس نے کوئی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اور اگر تمہیں اسکے ہوسٹل رہنے پر اعتراض ہے تو میں کل ہی اسکو اپنے پاس ادھر اپنے گھر میں لے آؤنگی۔ پر خبردار جو تم نے اس بچی کے ساتھ کوئی سوال و جواب شروع کیا۔ وہ میری ذمہ داری ہے۔ میں دیکھ لونگی۔ تمہیں چاول اور ڈال دوں۔"

"نہیں جی۔۔ پیٹ بھر گیا ہے۔ بس کافی کے ساتھ تھوڑا میٹھا لونگا۔ کیا خیال ہے شاہ جی تھوڑی واک ہو جائے؟"

اس نے نعمان سے پوچھا جو کہ نل پر ہاتھ دھو رہا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں چلو۔۔"

دونوں گرم چادریں اوڑھ کر گھر سے نکل آئے۔ تھوڑی دیر خاموشی سے چلتے رہے۔ غازان نے چوکیدار کے کمرے کا ایک چکر لگایا جہاں وہ سی سی ٹی وی کیمروں کے مونیٹر کے آگے بیٹھا اپنے فون پر کوئی مووی دیکھ رہا تھا۔

"شاباش ہے استاد کام چالو رکھو۔"

سمندر خان نے شرمندہ سی مسکراہٹ کے ساتھ فون رکھنا چاہا۔ مگر غازان نے منع کر دیا۔

"کوئی نہیں دیکھ لو یار منع تھوڑی کر رہا ہوں۔ پر ہر وقت تمالی فلمیں ایسے دیکھتے ہو جیسے تمہیں انکی بڑی سمجھ آتی

ہے۔''

''سر سمجھ تو نہیں اتا پر ام کو انکا ایکشین بڑا اچی لگتا اے۔ اے وا ایک ہاتھ مارتی ہے۔ اور گاڑی اڑتا اوا جاتی ہے۔''

غازان کے ساتھ ساتھ باہر کھڑے نعمان کی بھی ہنسی نکل گئی۔

دونوں آگے بڑھ گئے۔

''نعمان ہمارے لوگ بہت سادے ہیں یار۔''

''ہوں۔۔ پر میرے خیال میں زیادہ سادگی بھی اچھی نہیں ہوتی بعض اوقات نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ انسان کو کم از کم زمانہ شناس ہونا چاہیے۔ ویسے غازان تم ثالے کی کہانی پر یقین کر رہے ہو؟۔''

''یار پتا نہیں اب اماں بھی اتنی گئی گزری رائے والی تو نہیں ہیں۔ شائد سچ ہی ہو پر پھر بھی مس گل مشکوک ہو گئی ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ تم اسکول اکیلے میں ساری بات پوچھ لو ہو سکتا ہے واقعی وہ مجبور ہو ہماری مدد کی ضرورت ہو۔ کیونکہ میں ایک الجھن کا شکار ہو گیا ہوں۔''

''کیسی الجھن؟۔۔''

''گوہر جہاں سے ملی تھی۔ وہاں پر کسی گاڑی کے ٹائروں کے نشان تھے۔ دور سے جاتی ہوئی بیک لائٹس بھی نظر آئیں۔''

''یار وہ ایک راہ گزر ہے۔ ہو گا کوئی اگلے دیہات کا۔۔''

''نہیں غازان جس گاڑی کے وہ ٹائر تھے۔ اپنے علاقے میں کسی کے پاس نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس طرف کوئی آرمی والوں کی چھاؤنی قریب ہے۔ اور سب سے آلارمنگ گوہر کا انداز تھا۔ تم نے دیکھا ہے وہ کتنی پریشان تھی۔ روئی ہوئی بھی لگ رہی تھی۔''

''راستہ بھول کر پریشان ہو گئی ہو گی۔ لڑکیاں اتنے سے دل کی تو ہوتی ہیں۔ رونے لگ گئی ہو گی۔ ضروری تو نہیں کہ گاڑی کا اس سے کوئی تعلق ہو۔ یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کوئی ایجنٹ ہے۔ اپنے مالکوں سے ملنے کے لیے

بھٹکنے کا ناٹک کر رہی ہو۔"

"یار غازان تھریلر ناول کم پڑھا کرو۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ یہ اپنے شوہر سے لڑ کر نکلنے کی بجائے اسکے ڈر سے بھاگی ہو اور اب اسکو علم ہو گیا ہو کہ یہ یہاں ہے۔ وہ اسکے پیچھے آیا ہو۔ اور اب ڈالے اس لیے پریشان ہے۔"

"او تمہارا مطلب کہ یہ بھی سلیپنگ ویدا انمی جیسا سین ہے۔ جیسے جولیا رابرٹ اپنے ظالم سائیکو شوہر سے ڈر کر اسے ڈج دیکر بھاگی تھی۔ ایسے ہی مس گل بھاگ کر پناہ ڈھونڈے ہوئے ہیں۔ انٹرسٹنگ یار تیرا دماغ تو سردی کھا کھا کر بڑا ذہن ہو گیا ہوا ہے۔"

"سو فیصد نہیں پر فیفٹی فیفٹی ایسا لگتا ہے۔ دوسرا ہم اپنی تفتیش کر لیں گے۔"

"ہاں ہم تو ٹھہرے زیرہ زیرہ سیون۔۔! سیدھے سے کل پوچھو نگا مس گل اگر ہماری مدد چاہیے تو سچ بولو ورنہ اپنا رستہ ناپو۔"

"نہ یار ایسے بدید بن کر بات مت کرنا۔ چڑیا سی تو ہے۔ جھوٹ کیوں بولے گی۔ اپنی بہن ہے۔"

"ہو گی تیری۔۔ میری تو نہیں ہے۔"

"اچھا جی ایک بہن بناتے ہوئے بڑی تکلیف ہوئی ہے۔ اور جو دو تین سو لڑکیوں کو بیٹی کہتے ہو وہ کیا۔"

"وہ الگ بات ہے۔ وہ میری ذمہ داری ہیں۔ میری زینی جیسی بیٹیاں ہیں۔"

"یہ بھی کسی کی بیٹی ہے۔"

"ہاں کسی کی ہے۔ میری نہیں۔"

"بڑے کمینے ہو۔ میں اب گھر چلتا ہوں۔ صبح واپس جانا ہے۔ کل اگر آ گیا تو ملاقات ہو جائے گی۔ ورنہ ویک اینڈ پر ملیں گے۔ اور پلیز گوہر کو ادھر ہی رہنے دو۔"

"اوکے خدا حافظ سدا کے بدھو انسان۔۔"

"ہاں تم جو عقلِ کل ہو۔"

غازان ہنستے ہوئے گھر آ گیا جبکہ نعمان اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گیا تھا۔

☆......☆......☆

''غازی بتا رہا تھا۔ پرسوں آپ نے کال کی تھی۔

''ہاں کیا تھا فون جب تم اپنی دوست کے ساتھ مصروف تھیں۔''

''طعنہ پہلے مارلیں۔ اور کیا ضرورت تھی۔ کل اتنے کھانے بنا کر ڈرائیور کے ہاتھ بھیجنے کی۔ اماں یہاں پر بھی خانسامہ موجود ہے۔ ہر طرح کا کھانا بنا لیتا ہے۔ ایسے چونچلے مڈل کلاس لوگوں کو سوٹ کرتے ہیں۔''

''تم ہائی کلاس ہو۔ میں نے وہ کھانا اپنے بچے کے لیے بنا کر بھیجا تھا۔ جس کے لیے تم نے آج تک ایک کام بھی اپنے ہاتھ سے نہیں کیا۔ فیڈر اور نیپیاں تک ملازماؤں نے بدلیں۔ ایک دن تم نے دونوں بچوں کو سینے کی گرمی نہیں دی۔ دونوں ہی ڈبے کا دودھ پی کر بڑے ہوئے ہیں۔ نہ جانے تم جیسی ماؤں کو ماں کیوں کہا جاتا ہے۔ کیا غازی کو میرا بھیجا کھانا پسند نہیں آیا تھا؟۔''

''دونوں باپ بیٹا پاگلوں کی طرح کل سے وہی کھانا کھا رہے ہیں۔ سخت الجھن ہوتی ہے مجھے ایسے چیزی رویوں سے۔''

''تم نے آج تک اپنے سوا کسی سے محبت جو نہیں کی ہے۔ تمہیں تو محبت کے اظہار پر الجھن ہی ہوگی۔''

''اماں میں نے اپنی زندگی میں محبت کے سوا کچھ نہیں کیا۔ آپ نے چاہے مجھے ڈیڑھ سال تک سینے سے لگا کر رکھا۔ اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا بنا کر کھلائے۔ پر پھر کیا کر دیا۔ میری ساری خوشیاں چھین لیں۔ مجھے عمر بھر کے لیے تہی دامہ کر دیا۔ میرا دل ہی ویران کر دیا۔ امی جب کسی کا دل ہی مر جائے تو اسکو کوئی کیسے اچھا لگے۔ مجھے بھی کچھ اچھا نہیں لگتا۔ نہ یہ گھر' نہ یہ آدمی' نہ اسکے بچے' میرا جی چاہتا ہے۔ کسی ایسی جگہ چلی جاؤں جہاں ان میں سے کسی کی منحوس شکل نظر نہ آئے۔ اوپر سے وہ شوخی نوشابہ دونوں بہنیں آجاتی ہیں سر کھانے ذرا سا کوئی موقع ہو ادھر ہی دعورت اپنے گھر تو چین ہی نہیں پڑتا۔''

''کہاں وہ اتنا تمہاری طرف آتی ہیں۔ کبھی اپنے گریبان میں بھی جھانکو کتنے کتنے مہینے آکر باپ کی چوکھٹ پر پڑی رہتی ہو۔ وہ تو دونوں اتنی سعادت مند بیٹیاں ہیں اپنے گھر بار محبت کرنے والی۔ دو چار ہفتوں بعد اگر ایک لنچ یا ڈنر اپنے بھائی اور اسکے بچوں کے ساتھ کر لیتی ہیں۔ تو تمہیں کیا تکلیف ہے تم نے انکو پکا کر تو نہیں کھلانا

ہوتا۔''

''آپ ساری دنیا کی خوبیاں ڈھونڈ نکالیں گی۔ پر ایک اپنی بیٹی میں آپکو دنیا بھر کے عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔لوگوں کی مائیں اپنی اولاد کو دیکھ دیکھ کر جیتی ہیں۔''

''میں بھی تو یہی کہتی ہوں۔ تمہیں اپنی اولاد نظر کیوں نہیں آتی۔''

''یو نو وٹ امی جسٹ فورگیٹ اِٹ۔۔۔ بڑی بھول ہوگئی جو میں نے آپکا نمبر ملا لیا۔گھر پر آنے سے آپ کے شوہر نے منع کر دیا ہوا ہے۔فون پر آپ اتنی اچھی طرح پیش آتی ہیں کہ انسان مڑ کے کبھی ایسی حرکت نہ کرے۔اپنی دنیا میں خوش رہیں۔آپ کی بلا سے اولاد چاہے مرے یا جئے۔۔''

غصے سے فون پٹخ دیا۔

اسی وقت احمد یار کمرے میں آیا۔اس کے فون کے ساتھ سلوک کو دیکھ چکا تھا۔

دروازے کے قریب ہی کھڑے ہو کر سلام لی۔جس کا کوئی جواب نہ ملا۔

اپنی جیکٹ اتار کر ہینگر پر ڈالنے کے بعد کف لنکس نکالتے ہوئے وہ اس کے قریب آیا جو بنی سنوری ماتھے پر تیوری لیے بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھی تھی۔

احمد یار نے کف لنکس دراز میں رکھے۔ٹائی کی ناٹ کھول کر نکالی۔نظریں بیوی کے تاثرات پڑھ رہی تھیں۔

''آج کیوں موڈ خراب ہے؟۔''

''میرا موڈ ہی نہیں قسمت بھی خراب ہے۔اور کیوں خراب ہے تو ایسے پوچھ رہے ہو۔جیسے ٹھیک کرنے کی طاقت رکھتے ہو۔''

''طاقت تو میں رکھتا ہوں۔پر اچھی فطرت مارتی ہے۔''

''ہنہ اچھی فطرت یہ بھی خوب کہی تم نے۔۔۔خیر میں دوستوں کے ساتھ ڈنر پر جا رہی ہوں۔تمہاری باتوں سے مزید اپنا موڈ غارت کرنا نہیں چاہتی ہوں۔تمہاری دیوانی ساس پہلے ہی میرے دماغ کا رائتہ بنا چکی ہیں۔''

''دیٹ پور وومن آئی رِیئلی فیل سوری فور ہر۔۔کبھی کبھی میں تمہیں صرف اس لیے معاف کر دیتا ہوں۔کہ تم

انکی بیٹی ہو۔ کاش تم ان جیسی ہوتیں۔"

"تو پھر تم نے انہی سے شادی کر لینی تھی۔ مجھ سے کیوں کی۔۔"

وہ اتنی بڑی بات اتنی آسانی سے کہہ گئی۔

احمد یار صوفے پر گر سا گیا۔

"جانتی ہو آج کل میرے اندر ایک جنگ چل رہی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ جو بے ترتیبی میری زندگی گھر اور بچوں کے ساتھ ہے اس میں تمہارا نہیں میرا قصور ہے۔ پنجابی میں ایک لفظ بولتے ہیں۔ نکیل۔۔ میں نے تمہیں نکیل نہیں ڈالی۔ کیونکہ میرا فلسفہ مختلف ہے۔ نہ میں تشدد کا قائل ہوں۔ نہ بے جا سختی کا مگر مجھے اب ڈاؤٹ ہوتا ہے کہ میں نے تمہاری اوقات سے زیادہ تم سے نرمی برتی ہے۔ جس نے تمہیں احساسِ برتری کے نشے میں چور کر کے بالکل اندھا کر دیا ہوا ہے۔ مگر ایک بات میری ہمیشہ یاد رکھنا ساحرہ جو لوگ حد سے زیادہ آپکی غلطیوں کو نظر انداز کریں۔ جب انکی نرمی کو انسان انکی کمزوری سمجھنے لگے تو وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارتا ہے۔ اس لیے میں کہوں گا۔ میری برداشت کو اس حد تک نہ آزماؤ کہ جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہ نکل سکے۔"

وہ اسکو مسلسل گھورتی رہی۔ مگر وہ اپنی بات مکمل کر کے باتھ روم چلا گیا۔ واپس آیا تو وہ کمرے میں نہیں تھی۔ اس نے کنفرم بھی نہیں کیا کیونکہ گاڑی کے جانے کی آواز سن چکا تھا۔

فریش ہو کر کمرے سے نکل آیا۔ دونوں بچے سیٹنگ روم میں بیٹھ کر ملازمہ کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہے تھے۔

"اسلام علیلکم۔۔!۔"

دونوں چونک کر خوشدلی سے متوجہ ہوئے۔ گڑیا بھاگ کر باپ کی گود میں چڑھی۔

وعلیکم اسلام پپا۔۔۔ آپ کا دن کیسا گزرا۔۔؟ غازی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ملا۔

"میرا دن بڑا بزی تھا یار۔ تمہارے آغا جی بڑے ظالم انسان ہیں۔ بڑا کام لیتے ہیں۔ ایک ساتھ چار بڑے کیس مجھے دیئے ہوئے ہیں۔ آج تو لنچ کا وقت بھی نہیں ملا۔"

"پپا میں کھانا لگانے کا بول دوں۔ مجھے بھی بھوک لگی ہوئی ہے۔ میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔ تاکہ کھانا ساتھ کھائیں۔"

''ہاں یار بول دو۔''

خود اس نے فون اٹھا کر بھائی کا نمبر ملایا۔

''ہیلو وسلام یار پانچ منٹ کے اندر زکی والے کیس کی فائل لیکر پہنچو کھانا تب تک لگ چکا ہوگا۔ دیکھو لیٹ مت ہونا۔ بچوں کو بھوک لگی ہوئی ہے۔

پانچ کی بجائے محمد یار دس منٹ بعد پہنچا۔

مگر دونوں بھائیوں نے اگلے دو تین گھنٹے تک بچوں کو ذہنی طور پر اس قدر مصروف رکھا کہ انکا دھیان ماں کی جانب نہ جانے دیا۔

چاروں ٹی وی کے سامنے ہی تھے۔ گڑیا باپ کی گود میں سو رہی تھی۔ احمد یار خود بھی اونگ رہا تھا۔ غازی چچا بھتیجا ٹاپ گیئر دیکھتے ہوئے جری کلارکسن کی حرکتوں پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

محمد یار بولا۔ ''اگر یہ کلارکسن اس شو میں نہ ہوتا۔ شو ایک دم بور ہوتا تھا۔''

محمد کی آواز پر احمد کی آنکھ کھل گئی۔

''یار تم لوگ آہستہ نہیں بول سکتے گدھوں کی طرح دانت نکال رہے ہو۔''

''جناب والی مودبانہ گزارش ہے کہ آپ اپنے حجرے میں جا کر آرام فرمائیں۔ جگہ آرام کرنے کی یہ سیٹنگ روم نہیں ہے۔''

محمد کے کہنے پر احمد یار نے آنکھیں مسلتے ہوئے ایک نظر گھڑی پر ڈالی۔ ساڑھے دس ہو چکے تھے۔ بے دلی سے گڑیا کو گود میں لیے وہاں سے اٹھ گیا۔ گڑیا کو اسکے بیڈ پر ڈال کر اچھی طرح ڈھانپنے کے بعد منہ چوم کر وہاں سے نکل آیا۔

اب غازی کی باری تھی۔ جو باپ کی سوالیہ نظریں دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر پھر بولا۔

''پپا آپ کو یاد ہے آپ نے وعدہ کیا تھا۔ گڑیا کی چوتھی سالگرہ پر کہ آپ ہمیں فارمولا ون دیکھانے دبئی لیکر جائیں گے۔''

''ہاں بھئی مجھے یاد ہے۔ مگر وقت نہیں مل رہا۔ انشاءاللہ ہفتے دو تک پروگرام بناتے ہیں۔ کیوں محمد کیا خیال

ہے چلو گے؟''

''آپ میرا خرچہ اٹھانے کو تیار ہیں تو بندہ انکار کیوں کرے گا۔''

''اپنی تنخواہ سے کیا دوسرا ملک بناؤ گے؟ جسے سنبھال کر رکھتے ہو۔''

''جب غازی بیس سال کا ہو گا تو اس پیسے سے ہم دونوں چچا بھتیجا ورڈ ٹور پہ جائیں گے۔ ہالی وڈ کے اپنے پسندیدہ ستاروں سے مل کر آنا ہے۔ اسکے لیے بہت پیسا چاہیے آپ اگر کبھی ہمارے کاز میں مدد کرنا چاہیں تو موسٹ ویلکم۔۔''

احمد یار نے ہنستے ہوئے نفی کی۔

''تم اور تمہاری گپیں۔۔چلو غازی سو جاؤ کل سکول ہے۔''

''گڈ نائٹ پاپا۔۔۔''اس نے باپ کے گلے لگ کر شہتیر کہا۔

''لو یو چاچو۔۔۔گڈ نائٹ۔۔''

''لو یو ٹو چاچو کے جگر۔۔!!''

غازی کے جانے کے بعد احمد یار بھائی کے کندھے پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔ جو دھیمی سی آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''آخر کب تک یہی سین چلنا ہے؟۔''

''مجھے لگتا ہے میری ساری عمر ایسے ہی گزرنی ہے۔''

''بھائی اس عورت کو چھوڑ دیں۔''

''بچوں کو کیا جواب دونگا۔''

''آپکا بیٹا اب ہر بات سمجھتا ہے۔ آپ کو کسی کو جواب دینا نہیں پڑے گا۔ پر اگر اس عورت نے اپنی کہیں ناک ڈبوئی تو ہم اپنی نسلوں کو کیا جواب دیں گے۔ مرد گھر پہ موجود ہے اور گھر کی عورت بغیر کسی کام کے باہر گھوم رہی ہے۔''

''محمد یار مجھے لگتا ہے میں بڈھا ہو گیا ہوں۔''

''تم بڈھے ہوئے نہیں کر دیئے گئے ہو۔''

''یار مجھے اپنی بیوی سے اتنی کامل محبت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ جہاں آپ محبوب کو اسکے عیبوں سمیت قبول کر لیتے ہو۔ مجھے بھی اس معاشرے کے ننانوے فیصد شوہروں والی محبت کرنی چاہیے تھی۔ جو بیوی کو جسمانی تسکین کے لیے تو آنکھیں بند کر کے برتتے ہیں۔ مگر جب عورت کے حقوق کی بات آتی ہے تو اسکو اسکے عیب گنوا گنوا کر احسان جتاتے ہیں۔ حقوق نہیں دیتے۔''

تب ہی باہر گاڑی کا ہارن اور پھر گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔

محمد اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

''حقیقت بڑی واضح ہے۔ پر میرے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ جس دن مجھے ثبوت مل گیا۔ میں اس عورت کو معاف نہیں کرونگا۔ اس نے بڑے خوبصورت دلوں کا قتل کیا ہے۔''

ساحرہ کے اندر آنے سے پہلے محمد یار اپنی سپورٹس بائیک پر پچھلے دروازے سے نکل گیا۔ احمد یار گیسٹ روم میں بند ہو گیا۔ دونوں بھائی اپنی گفتگو کے دوران اندھیرے میں کھڑے غازی کی موجودگی سے لاعلم ہی رہے تھے۔ جو اپنے گال صاف کرتا واپس اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

زرمین آئینے کے سامنے بیٹھ کر عادت کے مطابق سونے سے پہلے اپنے بالوں کو برش کر رہی تھی۔ اسکے پشت کی جانب نظر ڈال کر رات پر ایک اور رات کا گمان ہوتا تھا۔ اسکے بال گھنے اور بے انتہا سلکی تھے۔

ابراہیم سا ہی نے ایک نظر بیوی کے معصوم سراپے پر ڈالی۔

''سارا دن کیا کافی نہیں ہوتا۔ جو تم آدھی رات کو زلفیں سنوارنے بیٹھ جاتی ہو۔ یا پھر میں کمرے میں آنا ہی چھوڑ دوں؟''

وہ گزرے سات سالوں میں شوہر کے مزاج سے اس قدر آشنا ہو گئی ہوئی تھی۔ کہ اب ابراہیم کو بات کہنی ہی نہ پڑتی۔ مگر یہ عادت اسکو کئی دفعہ ذلیل کروا چکی تھی۔ وہ بھی مجبور تھی کہ جب تک کنگھی نہ کر لیتی نیند نہ آتی۔ اس وقت بھی فوراً بال سمیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ غصہ نہ ہوں۔ میں نے بال سمیٹ لیے ہیں۔''

"میں تمہیں کتنی دفعہ کہہ چکا ہوں مجھے اپنی بات دہرانا پسند نہیں ہے۔ میرے آفس میں کوئی ورکر دوسری دفعہ غلطی کرے۔ تو نوکری سے ہی جاتا ہے۔ اگر مجھے اپنی ماں کا خیال نہ ہوتا تو گھر میں بھی کب کا یہ اصول لاگو کر چکا ہوتا۔"

وہ شرمساری آ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

جو سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کینہ توز نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"یہ جوڑا کب بنوایا؟ رنگ تم پر اچھا لگ رہا ہے۔"

"کیا آپ کو اچھا لگا؟ ولی بھائی نے دلوایا ہے۔ انکو یہ رنگ بڑا پسند ہے۔"

"وہ کب آیا تھا؟"

"پچھلے ہفتے آئے تھے۔"

"کیا ادھر گھر پہ آیا تھا؟"

"نہیں جلدی میں تھے بس ایک دن کی چھٹی تھی۔ اسلیے امی کی طرف ہی مجھے بلوالیا۔"

"ہاں بھئی وہ نواب آدمی ہے۔ میرے گھر میں قدم رکھتے تو اسکی شان گھٹتی ہے۔ پر میری بیوی کو وہ آدھے منہ سے فون کرے بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ شوہر کی عزت کا کوئی خیال ہی نہیں۔"

"نہیں آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"او بس بی بی بند کرو یہ اپنے بھائی کی صفائیاں دینا۔ جیسے جانتا نہیں ہوں میں کہ وہ مجھے ناپسند کرتا ہے۔ اس نیک محب وطن سپاہی کو لگتا ہے۔ اسکا بہنوئی دو نمبری کرنے والا مکار انسان ہے۔"

پھر خود ہی سارا دھواں اسکے چہرے پر پھینکتے ہوئے فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"ویسے ہے بڑا سیانہ جو کام میں اس سے چھپا کر کرتا ہوں۔ اسکو انکی خبر ہو ہی جاتی ہے۔ سالے نے جاسوس چھوڑے ہوئے ہیں۔ پر یہ میرا ابھی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ جانتی ہو کیوں؟"

"کیونکہ اسکی بہن آپکے پاس ہے۔"

زرمین کے جواب پر وہ ایک دفعہ پھر قہقہہ مار کر ہنسا۔

''تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ سمجھدار ہو گئی ہو۔ میرا پاؤں ولی اللہ کہ شہ رگ پر دھرا ہے۔ جب چاہوں تند ھ چھری سے کاٹ کر رکھ دوں۔ بڑا پیار ہے بہن سے تڑپتا مر جائے گا۔''

''آپکو بھائی سے کیا بیر ہے۔ انہوں نے تو آپکا کبھی برا نہیں چاہا۔''

''وہ چاہ بھی لے تب بھی ابراہیم ساہی کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ میں بڑا اچھا موڈ لیکر تمہارے پاس آیا تھا۔ مگر تم نے سارا ستیاناس کر دیا۔ تم سے بہتر وہ عورتیں ہیں۔ جن کے سامنے نوٹوں کی ایک گٹھی پھینکوں اپنا تن من وار کر قدموں میں رکھتی ہیں۔ تم سے بڑھ کر حسین اور نازک اندام تم کیا ہو؟ نراڈ پریشن۔۔''

وہ دوسرے پل کمرے سے جا چکا تھا۔

زرمین نے اپنی سیدھے ہاتھ کی گلابی ہتھیلی کی لکیروں پر انگلی پھیری۔

''زندگی جہدِ مسلسل کی طرح کاٹی ہے

جانے کس جرم کی پائی ہے سزا یاد نہیں''

زرمین اور ولی اللہ دو ہی بہن بھائی تھے۔ والد آرمی میں شہید کے مرتبے پر اس وقت فائز ہوئے جب ولی آٹھ سال کا تھا۔ والدہ نے دونوں کو اپنے پر شفیق پروں میں سمیٹ لیا۔ ولی کے رول ماڈل ہمیشہ سے اپنے ابو ہی رہے تھے۔ جن کی پیروی میں اس نے تعلیم مکمل کی اور فوج میں بھرتی ہو گیا۔ اسکا خواب زرمین کو بھی فوج میں لانے کا ہی تھا۔ مگر اس زمانے میں لڑکیوں کو فوج میں بھیجنے کا رجحان بالکل بھی نہ ہونے کے برابر تھا۔ خاص کر انکے خاندان میں تو لڑکیوں کو نوکری کرنے ہی نہیں دیا جاتا تھا۔ کہاں فوج میں بھیجنے کی اجازت ملی۔

ڈالے کا رشتہ پھوپھی نے اسکی بڑی چھوٹی عمر میں ہی اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے مانگ لیا تھا۔ تب پھوپھی کے مالی حالات کچھ اتنے اچھے نہ تھے۔ پھوپھا یرقان کے مریض تھے۔ جو آخری سٹیج پر تھا۔ ابراہیم ابھی زیرِ تعلیم تھا۔ بڑا افراہیم بھی مر کے گریجوئشن کرنے کے بعد بس یہاں وہاں دوستوں کے ساتھ وقت گزار دیتا۔ اسکے اونچے شوق تھے۔ مگر سرمایہ نہیں تھا۔ گھر میں آمدنی کا ذریعہ آجا کر چند زمینوں سے ملنے والا ٹھیک ہی تھا۔ مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے حالات بدل گئے۔ جس کو اگر کوئی کہے کہ رات کے رات امیر ہو گئے تو غلط نہیں ہوگا۔ افراہیم نیشنل اسمبلی کی سیٹ جیت گیا۔ الیکشنوں میں کھلا پیسا خرچ کیا۔ کہاں وہ لوگ پیدل آتے جاتے اور عام سے

لباس پہنتے اب تو عمدہ لباس اور یہ بڑی بڑی گاڑیاں آنے لگیں۔ پرانا محلہ چھوڑ کر نئی صاف ستھری سکیم میں محل جتنا گھر لیا۔ افراہیم نے چھوٹے بھائی کو پہلے باہر بھیجا وہاں چند سال گزار کر واپس آیا تو ادھر کاروبار شروع کروا دیا۔ پھر تو سارے ٹھیکے ابراہیم کی کمپنی کو ملنے لگے۔ بزنس ہر گزرتے دن کے ساتھ اوپر سے اوپر گیا۔ اس سفر میں کتنوں کے حق مارے گئے۔ کتنوں کو پاؤں تلے کچلا گیا۔ اس بارے میں بات کرنے سے انکے رشتے دار تک کتراتے تھے۔ رشتے دار بھی وہی ساتھ رہے جو جی حضوری کرنے والے تھے۔ غریبوں کو تو منہ لگانا ہی چھوڑ دیا۔ زرمین کی منگنی جب ہوئی تب وہ پندرہ سال کی تھی۔ پھوپھی نے کہا شادی اسکی تعلیم مکمل ہونے کے بعد کریں گی۔ مگر جب اپنا بیٹا برسرِ روزگار ہو گیا تو انہوں نے شادی کی جلدی مچا دی۔ ولی اللہ نے ماں کو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا۔ ابراہیم کی شہرت اور جن لوگوں کے ساتھ اسکی تعلق داریاں تھیں. اس حساب سے وہ زرمین جیسی لڑکی کے لیے بالکل ہی ناموزوں تھا۔ مگر امی کیا کرتیں۔ ایک ہی نند اسکو بھی اتنے سالوں سے زبان دی ہوئی تھی۔ اب ایک دم عین وقت پر انکار کرنا آسان نہیں تھا۔ ویسے بھی انہوں نے بھاوج کو تسلی دی تھی۔ زرمین بیاہ کر اپنی پھوپھی کے گھر جا رہی ہے۔ کہیں غیروں میں نہیں شہزادی بنا کر رکھوں گی۔ امی نند پر بھروسہ کر کے زرمین کی شادی کے ایک سال بعد ہی اپنی اصل منزل کو روانہ ہو گئیں۔

پھوپھی نے تو اپنا وعدہ وفا کیا۔ مگر پھوپھی کے بیٹے کو ساری دنیا اپنے اختیار میں لگتی۔ زرمین سے پہلے ہی کئی سے عشق اور کئی سے صرف جنسی تعلق ہو چکا تھا۔ پھر وہاں زرمین جو کہ سانولی سی ایف اے پاس بھولی بھالی سی لڑکی اتنے بڑے اژدھے کو کیسے قابو کرتی۔ ماں کی وجہ سے وہ مجبور تھا۔ اسکو عزت واحترام پورا ملتا تھا۔ مگر شوہر کے لیے وہ صرف ایک کاروائی تھی۔ جو معاشرے میں مہذب نظر آنے کے لیے اس نے اس عورت کو اپنے ساتھ جوڑ رکھا تھا۔ کیونکہ تھی تو وہ ایک خاندانی عورت۔

اب زرمین کے لیے ساری دنیا اسکا بھائی تھا۔ جو سب جانتے ہوئے بھی اسکے سامنے انجان بن جاتا۔ اور زرمین بھائی سے ہر درد چھپانے کے چکر میں گھل رہی تھی۔

ہو سکتا ہے اگر اسکی شادی بیس پچیس سال کی عمر میں ہوئی ہوتی۔ جس عمر میں انسان کو زمانے کی کچھ ہوا لگ جاتی ہے۔ تعلیم جاری رکھنے سے ہر روز کی پبلک ڈیلنگ ہوتی ہے۔ انسانوں کی پہچان ہوتی ہے۔ تو ہو سکتا ہے وہ

اپنے لیے کھڑی ہوتی۔ یا کم از کم ابراہیم کو یہ تو احساس دلوا سکتی کہ یہ اعلٰی وادنٰی کا رشتہ نہیں ہے۔ یہ ایک ہی گاڑی کے دو پہیے والا رشتہ ہے۔ ایک خراب ہو یا دوسرا گاڑی دونوں صورت میں آگے نہیں چل پائے گی۔

مگر وہ آج بھی وہی زرمین تھی۔ صلح جو بڑے ظرف والی۔ بھائی کے سامنے شوہر کی صفائی دینے والی اور شوہر کے سامنے بھائی کا دفاع کرنے والی۔ اسکو ان دونوں سے محبت تھی۔

''مما دادو بارئی ایں۔۔''

وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ جب اپنی بیٹی کی آواز پر چونکی۔ پانچ سالہ گول مٹول سی شرارتی بچی۔ جس کی شخصیت نہ تو زیادہ ماں پر تھی نہ باپ پر وہ اپنے ماموں جیسی لگتی تھی۔ اسی لیے ابراہیم کی زیادہ توجہ پانے میں بھی ناکام تھی۔ مگر پھر بھی بیوی نہ سہی بیٹی عزیز ہی تھی۔

وہ اٹھ کر ساس کے کمرے کی جانب چل دی۔ ویسے بھی اب ابراہیم نے کونسا ایک دو دن تک گھر کا چکر بھی لگانا تھا۔

☆......☆......☆

وہ اپنی بیٹھک میں اپنے ہم ذوق دوستوں کے ساتھ پارٹی منا رہا تھا۔ ہر قسم کی ڈرنک اور کمپنی موجود تھی۔ دوست مست مگن تھے۔

اسکے خاص آدمی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے تلاشا پھر آ کر کان کے قریب جھک کر عرض گزار ہوا۔

''سرکار وہ ایک گھنٹے بعد اپنی دوستوں کے ساتھ پی سی میں رات کا کھانا کھانے آنی والی ہیں۔ وہاں انکے نام کا میز بک ہے۔ حکم ہو تو ادھر لے آئیں۔''

''ناہ بالکل نہیں ایسی گستاخی کا سوچنا بھی مت۔ پی سی میں آ رہی ہے ناں تو اسکی والی میز کے بالکل سامنے کا میز بک کرواؤ۔ گاڑی تیار رکھو میں جاؤنگا۔''

''جی سرکار ہو جائے گا۔''

ملازم وہاں سے ہٹ گیا۔ ابراہیم اپنے سامنے موجود مہ جبین میں گم ہو گیا۔ کسی خاص کو ملنے کا نشا ابھی سے عصاب پر سوار ہو رہا تھا۔ وہ اپنے ہی کسی خیال پر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا۔

پورے ایک گھنٹے بعد نہادھو کر شریفوں والے سارے ہتھیار سجا کر وہ رستورنٹ میں اکیلا داخل ہوا۔ بیرے نے اسکی بک شدہ میز تک رہنمائی کی جہاں بیٹھتے وقت وہ بالکل انجان اور لاعلم بن گیا کہ جیسے وہ جانتا ہی نہ تھا۔ کہ دوسری میز پر وہاں پر موجود آج کی سب سے حسین عورت کا منہ کی جانب نوالا لیکر جاتا ہاتھ بیچ راہ میں ہی کیوں حائل ہو گیا۔ وہ یک ٹک بغیر پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھ بیٹھی عورتوں کو بھول گئی۔ بھرے پڑے رستورنٹ کو بھول گئی۔ بس یاد رہا تو وہ۔

''ساحرہ؟ آر یو فیلنگ او کے؟۔''

اسکی برگر دوست نے کندھا ہلا کر دریافت کیا۔

اسکا فوکس ٹوٹا۔۔۔ بے دلی سے مسکراتے ہوئے خجل سی بولی۔

''یس ایم فائن۔۔ ایکسکیوز می آئی نیڈ ٹو یوز فریش روم پلیز کیری اون۔ آئی بی رائٹ بیک۔''

اپنا پاؤچ لیے کانپتی ٹانگوں سے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ اسکا دل یوں محسوس ہوا پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ واش روم میں آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ہتھیلی پر ٹھنڈا پانی لگا کر اپنے گالوں پر مس کیا جہاں سے دھواں سا نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔

واش روم. کا دروازہ کھلا مگر اندر آنے والی کوئی خاتون نہیں بلکہ ایک بیرا تھا۔

''ساحرہ میم۔؟؟۔''

''جی میں ہی ہوں۔۔''

بیرے نے ایک چٹ کے ساتھ کارڈ کی اسکی جانب بڑھائی۔ یہ ابراہیم ساہی صاحب نے آپکے لیے دیا ہے۔''

اس نے کانپتے ہاتھوں سے دونوں چیزیں تھام کر بیرے کو ٹپ دینے کے بعد روانہ کر دیا۔

چٹ پر بڑی مختصر سی تحریر درج تھی۔

''یہ میرے کمرے کی چابی ہے۔ اپنی دوستوں کو رخصت کر کے مجھے وہاں ملو۔''

ساحرہ کے تن من میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ کیا اللہ یونہی مہربان ہوتا ہے؟۔ ابراہیم اس وقت اسی عمارت میں

موجود ہے۔ وہ یہ بھول گئی۔ اسکے ماتھے پر کسی اور مرد کا نام کندہ تھا۔ اور جب عورت کی پیشانی پر نکاح کا نور چمک رہا ہو۔ چاہے وہ نور کتنا ہی ان چاہا اور غیر اہم لگے اسکا احترام لازم ہے۔ اس نور کی بے حرمتی کرنے والوں کے لیے ہی حکم ہے۔ شب برآت اور ستائیسویں کی شب کو جیسی مقدس راتوں میں اللہ عام معافی کا علان فرماتے ہیں۔ گناہ چاہے بکریوں کے بالوں کے برابر بھی کیوں نہ ہوئے اللہ کی ذات نے کہا ہے۔ بندے ایک دفعہ توبہ کرلے معاف کردونگا۔ مگران لوگوں کو نہیں جو نکاح کے نور کی بے حرمتی کریں۔ جو زنا کے مرتکب ہوں۔

عورت مرد کی کھیتی ہے۔ حکم ہے کہ خبر دار کسی مرد کو جائز نہیں کہ اپنی کھیتی کے سوا کسی اور پر نظر ڈالے۔ اپنی عورت کا حق کسی اور کو دے۔ تو عورت کے لیے کتنا سخت حکم ہوگا۔ اسکا اندازہ لگانا ہی مشکل ہے۔ نبی پاک ﷺ کا فرمان ہے۔

عورت مرد کی غیر موجودگی میں اسکے گھر بار کی حفاظت کرتی ہو۔ اپنے مرد کی امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کرے۔ پانچ وقت کی نمازی ہو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والی ہو۔ اسکو اجازت ہے۔ جنت کے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

عورت نام ہی وفا کا ہے۔ وفا کے بغیر وہ بنجر زمین ہے۔ جس پر کبھی کوئی پھول نہیں اگتا۔

اس رات کے ابتدائی حصوں میں اپنی دوستوں سے سر درد کا بہانہ کر کے باہر کو نکلنے کا ڈرامہ کرنے کے بعد اوپر ہوٹل کے پرائیوٹ سویٹ میں اپنے پرانے شناسا کو ملنے جانے والی عورت سب بھول گئی۔ وہ ایک عزت والے باپ کی بیٹی ہو کر کیا گالی جیسا کام کرنے جا رہی ہے۔

وہ ماں جیسے مقدس رتبے پر فائز ہونے کے باوجود اپنی کوکھ سے جنم لینے والوں کے مقدر میں کیسی اذیت اور اندھیروں بھری زندگی لکھنے جا رہی ہے۔ اس کا روشن پیشانی اور ذہین آنکھوں والا بیٹا کیسے اپنے ناتوان ہاتھوں سے ماں کی ملی کالک دھوئے گا۔ بیٹی کیا نام لیکر بڑی ہوگی۔ معاشرے میں سر اٹھا کر کیسے چلے گی۔ یہ خیال تک نہ آیا۔ اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے کسی کا جائز جینے کا حق ختم کرنے جا رہی ہوں۔

اسکے نہ تو قدم اس خوف سے رکے نہ دل کانپا کہ اپنے اللہ اور رسول ﷺ کو گواہ بنا کر میں نے ایک شخص کو اپنے حقوق سونپے تھے۔ وہ اتنا پیارا شخص مجھ سے اتنی محبت کرتا ہے۔ آج تک میری ہر خواہش پوری کرتا آیا

ہے۔ میری مرضی نہ ہوتو مجھے مہینوں ہاتھ نہیں لگاتا۔ مجھے سر چھپانے کو مضبوط چھت دی ہے۔ دنیا کی ہر نعمت کھانے کی میز پر مہیا کرتا ہے۔ میری غلطی پر بھی مجھے معاف کر دیتا ہے۔ درگزر کرنے والا ہے۔ میں اتنے نایاب شخص کے ساتھ یہ کرنے جارہی ہوں۔ اسکی اچھائیوں کی اتنی گندی سزا کہ وہ نہ جیتوں میں رہے نہ مردوں میں۔

اس نے کارڈ دروازے میں ڈالا اور ایک کلک کی آواز کے ساتھ لاک کھل گیا۔

اگلے لمحے کمرے کے اندر داخل ہونے کے بعد اس نے دروازہ پیچھے بند کر دیا۔

کمرے کی ساری فینسی روشنیاں جل رہی تھیں۔ سامنے ہی صوفے پر ٹانگ رکھے ابراہیم بیٹھا فتح مند نگاہوں سے اسکو سر سے پاؤں تک دیکھتا رہ گیا۔

دونوں ہی بے خودی سے ایک دوسرے کو دیکھتے چلے گئے۔

دونوں کی ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی۔ وہ پہلی نظر میں ہی اسکے حسن کے سامنے گھٹنے ٹیک گیا۔ اور حسن کو تو پسند ہے لوگوں کو شیدا کرنا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ باہر گھومنا کھانے کھانا پارٹیز میں اکٹھے جانا معمول بن گیا۔ ابراہیم خوبصورت نہیں تھا۔ مگر اسکے پاس الفاظ کا نہ ختم ہونے والا ذخیرہ ضرور تھا۔ جس نے ساحرہ کو سر سے پیر تک یوں اپنے سحر میں جکڑا۔ وہ ابراہیم کو لیکر باپ کے آگے لے گئی۔ شادی کرنی ہے تو اس سے کروا دیں۔ اسکے علاوہ کوئی اور نہیں چلے گا۔ جلال گیلانی تجربہ کار انسان تھے۔ اکیلے میں ابراہیم کو اپنے آفس بلایا۔ اور ڈیڑھ کروڑ کا چیک اسکے سامنے رکھ دیا۔

”میری بیٹی چاہیے یا اس سے کام چل جائے گا۔“

اس نے سونے کا انڈا دینے والی مرغی کا پہلا انڈا دیکھ کر ہی مرغی کے گلے پر چھری چلا دی۔ اسکے بعد وہ ساحرہ کو کہیں نظر نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر باپ کی مرضی کے سردار احمد یار سے شادی کر لی۔ اور آج وہ سامنے موجود تھا۔

”اس دن تمہارے ساتھ وہ عورت کون تھی۔؟“

وہ دروازے سے ہٹ کر آگے بڑھی اپنا پاؤچ میز پر رکھ کر اپنے لیے ایک گلاس میں پانی ڈال کر اسکے بالکل سامنے دوسرے صوفے پر ٹک گئی۔

”وہ میری بیوی ہے۔“

”شادی پسند سے کی ہوگی۔“

”کرنا بھی چاہتا تھا۔مگر جو پسند تھی۔وہ دسترس سے دور تھی۔اسلیے پھر ماں کو راضی کرلیا۔“

”میں تو آج تک انہی راستوں پر بھٹک رہی ہوں۔دسترس سے دور تو تم ہو گئے تھے۔ڈھونڈتی میں تمہیں رہی ہوں۔تمہیں تو میرے گھر کا علم تھا۔میرا پتہ تو آج بارہ سال بعد بھی وہی ہے۔جبکہ تم نے تو اپنا پتہ بارہ سال پہلے ہی بدل لیا تھا۔“

”یہ جھوٹ ہے ساحرہ۔۔۔اس وقت تم ایک بیوروکریٹ کی کوٹھی میں رہتی تھیں۔اب ایک بیرسٹر کے بنگلے میں رہتی ہو۔تمہارا نام بھی بدل گیا ہے۔“

”یہ ظاہری تبدیلیاں وقت کی ضرورت ہوتی ہیں۔لوگوں کو یہ احساس دلوانے کے لیے کہ ہم ابھی زندہ ہیں۔“

”ظاہری تبدیلیاں تو مجھ میں آئی ہیں۔پہلے سے موٹا ہو گیا ہوں۔تب لڑکا تھا۔آج مرد کے روپ میں تمہارے سامنے ہوں۔تم عورت ہو کر بھی ویسی کی ویسی کیسے ہو؟۔“

”یہ جدائی کا بخشا اعجاز ہے۔ہجر انسان کو پھلنے پھولنے نہیں دیتا۔جکڑ کر رکھتا ہے۔مگر ساری مشقت میرے حصے میں آئی تمہیں تو اس نے آزاد ہی رکھا۔“

”جو وقت گزر گیا۔وہ واپس نہیں آنا۔مگر کیا جو گھڑیاں اب ملی ہیں انکو بھی ایسے ہی جانے دینا ہے؟۔“

”تمہارے میرے درمیان تمہاری بیوی کھڑی ہے۔تمہارے دل میں وہ ہوتی تو تم یہاں موجود نہ ہوتے۔اگر میرے دل میں بھی میرا شوہر موجود ہوتا تو میں بھی یہاں نہ ہوتی۔میں اس کے دل سے اسی لمحے اتر جاؤنگی جب وہ مجھے تمہارے ساتھ دیکھے گا۔مگر عورت کے دل سے مرد کو نکالنا اتنا آسان نہیں ہے۔تم اپنی بیوی کے دل سے پہلے خود کو نکال کر آؤ باقی باتیں اسکے بعد ہونگی۔ابھی مجھے جانا ہے۔اگر شرط منظور ہو تو مجھے بتا دینا۔“

وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔۔پاؤچ پکڑا اور بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

ابراہیم اسکے پیچھے نہیں گیا۔نہ ہی منت سماجت کی وہ جانتا تھا۔آج کمرے تک آئی ہے کل بیڈ تک بھی خود ہی

آئے گی۔ برائی کا صرف پہلا قدم مشکل ہوتا ہے۔ جو انسان ادھر ڈر کر بھاگ جائے وہی بچ جاتا ہے۔ جو ڈٹ کر کھڑا رہے وہ ڈوب جاتا ہے۔ ویسے بھی وہ گرم گرم کھا کر منہ جلانے والوں میں سے نہیں تھا۔

☆......☆......☆

ژالے کی آنکھ دروازے پہ ہونے والی دستک پر کھلی تھی۔ آنکھوں کے پپوٹے سوجے اور پلکیں جڑی ہوئی تھیں۔ کمرہ اتنا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ کہ بستر سے منہ نکالنے کا بھی من نہ کیا۔ حالانکہ آدھی رات کو اٹھ کر وہ کتنی دیر تک کروٹیں بدلتی رہی تھی۔ بھوک کی وجہ سے نیند ٹوٹنے کے بعد آنے سے انکاری ہو گئی تھی۔ یہ تو صبح کی اذانوں سے کچھ دیر قبل آنکھ لگ گئی۔

دستک وقفے کے بعد پھر چالو ہو گئی۔ مجبوراً بستر چھوڑنا پڑا۔

دوپٹہ شانے پر پھیلانے کے بعد دروازے کا لاک اور دروازہ کھولا۔

سامنے ورشے کھڑی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی اندر گھس آئی۔

''اف اللہ اتنا ٹھنڈا کمرہ۔۔۔!! ہیٹر کیوں نہیں چلایا ہوا؟''

''میرے پاس ہیٹر نہیں ہے۔''

اس نے بالوں کی پونی بناتے ہوئے بتایا۔ پیروں میں بند جوتے ڈال کر ہی واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

''منہ دھو کر باہر آیئے گا۔ ورنہ تھوڑی دیر تک وارڈن نے گیزر بند کر دینا ہے۔ تو ٹھنڈے پانی سے قلفی ہی بنے گی۔ ہم سب کو علم ہو گیا ہے کل آپ کے ساتھ اچھی نہیں ہوئی مگر فکر کا ہے کہ آج تو آپکا باڈی گارڈ تڑکے کا آیا بیٹھا ہے۔''

اسے ورشے کی بات سنائی تو دے رہی تھی۔ مگر سمجھ خاک آئی۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر آئی تو نہ صرف یہ کہ کمرہ گرم تھا۔ بلکہ گرما گرم ناشتہ بھی سامنے رکھا تھا۔

''ہیٹر کہاں سے آیا ہے؟''

اس نے الیکٹرک ہیٹر کی جانب اشارہ کیا۔

''میں اپنے کمرے سے لیکر آئی ہوں۔ کل رات آپ جلدی سو گئی تھیں۔ تو ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

پلیز کھانا کھالیں۔ سر کے گھر سے دادی نے خاص آپکے لیے بھیجا ہے۔ مجھے کالج کو دیر ہو رہی ہے۔ شام کو ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔۔۔"

"ورشے ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہی ہوتی ہو۔"

وہ ثالے کے کمنٹ پر ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔

ثالے نے ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ چوبیں گھنٹے بعد تو پیٹ میں کوئی چیز جا رہی تھی۔ کھانے کے بعد چائے کے دو کپ اندر پھینکے۔ پھر دھیان شاپنگ بیگز سے ہوتا ہوا زینب کی جانب چلا گیا۔

"کاش تم ہی ادھر ہوتیں۔"

اداسی ابھی تک پوری طرح حاوی تھی۔

ناشتے کے برتن ٹرے میں واپس رکھ کر نیچے فرش پر دیوار کے ساتھ رکھ دیئے۔ سارے بیگز اٹھا کر بیڈ پر رکھنے کے بعد ایک ایک کر کے سب سامان نکالتی چلی گئی۔

زینب کے خلوص پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ کس نے ٹوتھ برش' صابن' شیمپو' سے لیکر نیل کٹر اور ٹویز رتک خرید کر بھیجا تھا۔ دو ہینڈ بیگز تین عدد جوتے ایک چپل۔۔ تین سلے اور دو ان سلے سوٹ۔۔ چار گرم شالیں' مختلف رنگوں کے موزے دستانے۔۔ الیکٹریک کیٹل چائے پتی کا سامان استری۔۔۔

پوری فل سپیڈ سے اس نے سامان سمیٹا پھر بھی ایک گھنٹہ لگ گیا۔ کلاک لگانے کو کیل تو کوئی تھا نہیں۔ ویسے ہی میز پر ڈال دیا۔ وقت کا علم نہ تھا۔

نیا لباس وغیرہ پہن کر باہر آئی۔ لمبی راہداری سے گزرنے کے بعد وارڈن سے سنا ہوا جو کہ صفائی والے سٹاف سے باہر کہ صفائی کروانے میں مصروف تھیں۔

"اسلام علیکم صنم جان۔۔"

"وعلیکم اسلام گوہر۔ آج بہت دیر سے اٹھی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟۔"

"کیا وقت ہوا ہے؟۔"

"ابھی پونے بارہ ہو گیا ہے۔"

''اف میں اتنی دیر تک سوتی رہی۔ میرے کمرے میں گھڑی نہیں تھی۔ انشااللہ کل سے وقت پر اٹھونگی۔''

''کوئی نہیں ہوتا ہے۔ اور آپ نے کونسا کالج یا اسکول جانا ہوتا ہے۔ کلینک پر ڈاکٹر سفیان تو ایک بجے کے بعد بیٹھتے ہیں۔''

''نہیں پھر تو رات تک مریض ہی ختم نہیں ہوتے۔ دن دن کا کام اچھا ہے۔ میں چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔۔''

باہر آنے پر ایک خوشگوار ادراک ہوا۔ برف پگھل چکی تھی۔ اور اس وقت بڑی پیاری سی دھوپ چمک رہی تھی۔ اسکے ساتھ ہی کل شام والا منظر نگاہوں میں گھوم گیا۔ اذیت کہ لہر بھی ویسے ہی سارے جسم میں پھیلی۔

ذہن ہٹانے کی خاطر تیز تیز قدموں سے چلتی گراؤنڈ پار کر کے باہر جانے کی بجائے پچھلے دروازے سے گھر کی جانب چلی گئی۔

اندر داخل ہوتی ہی اونچی آواز میں سلام کرتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی۔

اسلام وعلیکم دادو جی۔۔!!''

مگر سامنے دادو کی بجائے غازان کو دیکھ کر تھم گئی۔

''مجھے پتہ تھا آپ تو اس وقت کالج میں ہونگے۔ وہ میں ناشتے کے لیے دادو کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔''

وہ کچن کے میز پر لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا ہوا تھا۔

''وسلام' وہ تو آپکو ناشتہ' لنچ' ڈنر روز اسی طرح سے بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ کیا آپ روز دن میں تین دفعہ اسی طرح انکا شکریہ ادا کرنے آیا کریں گی۔''

''نہیں اسکی ضرورت نہیں پڑے گی۔ اب چونکہ مجھے جاب ادھر کرنی ہے۔ تو اپنے کھانے پینے کا انتظام بھی خود ہی کرلونگی۔ ویسے اگر آپ کی زینی سے بات ہو تو میری طرف سے اسکا بے حد شکریہ ادا کر دیجئے گا۔ اس نے میری ضرورت کی تقریبا ہر چیز بھیج دی۔ اب بس ایک عدد موبائل مجھے خود لینا پڑے گا۔''

''میں اس تک آپکا پیغام پہنچا دونگا۔ مگر اس نے صرف آپکے کپڑے وغیرہ ہی خریدیں ہے۔ باقی کی شاپنگ نعمان اور میں نے کی ہے۔ اور ہاسٹل میں موبائل کی اجازت نہیں ہے۔ اگر آپکو کوئی ضروری کال کرنا ہو تو میرے آفس سے کرسکتی ہیں۔''

"آپ نے یونہی تکلیف کی اتنا سارا وقت میرے لیے برباد کیا۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔ یقیناً زینی کی بچی نے آپ پر زور دیا ہوگا۔"

"اس نے صرف کہا تھا۔ زور نہیں دیا تھا۔ اور آپکو شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اکیلی خاتون ہیں آپکی ضروریات کا خیال کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ بلکہ آپکو کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بتا دیا کریں آجایا کرے گی۔ بس ایک چیز کا خیال رکھیے گا۔ ہم نے آپ کے لیے اپنے گھر کے دروازے کھولے ہیں۔ ہمیں جھوٹ یا دھوکا مت دیجیے گا۔ کافی پئیں گی؟"

ژالے کو دل ہی دل میں داد دینی پڑی تھی۔ جس خوبصورتی سے غازان نے اپنا پیغام کلیر کیا تھا۔

"نہیں بہت شکریہ میں ابھی چائے پی کر آئی ہوں۔ میں اس گاؤں کے لوگوں اور اس گھر کے مکینوں کی تا عمر احسان مندر ہوں گی۔ جس طرح میری مدد کی گئی ہے مجھے محبت کا احساس دیا ہے۔ میرے لیے یہ سب آکسیجن کا کام کر رہا ہے۔ محسنوں کی تا عمر عزت کی جاتی ہے۔ غازان صاحب انکو دھوکا نہیں دیا جاتا۔ کم از کم میرے جیسی لڑکی سے آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ اب میں چلتی ہوں۔ دادو کو میرا شکریہ پہنچا دیجیے گا۔ اللہ حافظ۔۔۔"

وہ کچن کے اندر نہیں آئی تھی۔ دروازے سے پلٹ گئی۔ غازان کی توجہ سامنے کھلے لیپ ٹاپ سے اچاٹ ہو گئی۔ تیز گرم کافی کے ہلکے ہلکے سپ لیتے ہوئے سنجیدہ نظروں سے دہلیز کو دیکھتا گیا۔ جہاں سے وہ ہٹی تھی۔ پھر دماغ کے کونے میں خود کو باآور بھی کیا۔ "وہ شادی شدہ ہے۔۔"

"ہاں مگر شوہر سے ناراض بھی تو ہے۔ چانس بن بھی سکتا ہے۔"

بھنوئیں اچکا کر نظریں گھماتا ہوا لیپ ٹاپ بند کر کے بغل میں دبانے کے بعد کچن سے نکل گیا۔ ایک ہاتھ میں کافی کا کپ ہنوز موجود تھا۔ سیٹی کے اوپر دھن بجاتا واپس کالج کی راہ ہو لیا۔

☆......☆......☆

غازان کی بات نے اسکو مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ آخر اس نے ایسا کیوں کہا کہ میری وجہ سے ان لوگوں کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ کیا ان لوگوں میں سے کسی نے ادھر مجھے اس شخص کے ساتھ دیکھ لیا تھا؟ کیا یہ اس آدمی کو جانتے ہیں؟ اس بارے میں پہلے کیوں مجھے خیال نہیں آیا۔ وہ یقیناً یہیں کہیں کا رہنے والا ہے۔ تبھی تو اس گھر کی

چابی اسکے پاس تھی۔کوئی نہ کوئی تعلق تو ہے ضرور آخر اسکو کیسے علم ہوا میں یہاں ہوں؟
پھر اسکو لاہور کے بھی سارے حالات معلوم ہیں۔نہ صرف اسکے دل کی دھڑکن تیز ہوئی بلکہ قدم وہیں زمین سے جکڑے گئے۔وہ اس رات حلیہ بدل کر میرے گھر پر کام کر رہا تھا۔اگر اسکا تعلق کوئٹہ سے ہے تو لاہور میں کیا کر رہا تھا؟ایک معمولی سے الیکٹریشن کے پاس اتنی مہنگی گاڑی اور کپڑے کیسے آئے؟وہ تو مجھے بس سے لیکر ایک جگہ سے دوسری تک جاتا۔پھر یاد آیا کل اس نے فون لائن کے ٹریس نہ ہوسکنے کی بات کی تھی۔میں نے ان سب باتوں پر پہلے غور کیوں نہیں کیا؟ایک عام آدمی کو کیا پتا لائن ٹریس ہوسکتی ہے یا نہیں۔اسکو بوا کی موت کا بھی علم ہے۔اسکو میرے سامنے منہ چھپا کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔کیا اسکو اپنی اصلیت کھل جانے کا ڈر ہے۔کیا یہ راحیل کا کوئی کارندہ ہے یا اسکا کوئی دشمن۔۔راحیل کی موت کیسے ہوئی؟اگر اسکو قتل کیا گیا ہے۔۔کہیں اس نے تو؟؟۔۔۔
یکدم کھلی ہوا میں کھڑے ہونے کے باوجود آکسیجن کی کمی ہوگئی۔اچانک یہ احساس بھی ہوا کہ وہ اکیلی نہیں ہے۔اسکے ساتھ کوئی دوسرا وجود بھی چل رہا ہے۔تیزی سے گردن موڑ کر اپنی دائیں جانب دیکھا تو حلق سے چیخ بلند ہوتے ہوتے رہ گئی۔سب سے پہلی نظر میلے کچیلے کپڑوں پر پڑی وہاں سے ہوتی ہوئی کھلی چپل میں پھٹی جرابوں سے نظر آتے گندے میل والے ناخنوں پر گئی۔جسم پر موجود نہ جانے وہ سویٹر کالا تھا یا براؤن نے اپنی اصل شکل کھوئی ہوئی تھی۔گلے میں مفلر کی طرح ایک رلی ڈالی ہوئی تھی۔سر پر بلوچی ٹوپی میں سے لمبے لمبے بال جھانک رہے تھے۔
سر سے پیر تک جسکا جائزہ لے رہی تھی۔اٹھارہ انیس سال کا وہ لڑکا بڑے اطمینان سے ایسے کھڑا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔جیسے دنیا میں اس سے زیادہ اہم کام کوئی نہیں ہے۔دونوں اس وقت گاؤں اور گھر والی سڑک کے بالکل وسط میں موجود تھے۔جتنا رستہ طے کیا تھا۔اتنا ابھی باقی تھا۔
''اف تم کتنا بولتا اے۔سارا راستہ بولتا ہی آیا ہو۔کس سے بات کر رہا تھا؟
وہ ثرالے کی خود کلامی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔وہ ڈپٹ کر بولی۔
''تم کون ہو؟۔۔''

''ام شیر بخت بلوچ ہے۔۔''

''اچھا شیر بخت بلوچ ادھر کیا کر رہے ہو؟۔''

''ادر ام نوکری کر رہا ہے۔''

ژالے نے تعجب سے اسکو پھر گھوم کر ارد گرد نظر ڈالی۔۔

''یہاں کہاں نوکری کر رہے ہو؟۔''

''اپ کا ساتھ۔۔''

''ہیں؟ کیا مطلب ہوا اس بات کا؟۔''

''امارہ نوکری اے تم کو دواخانہ لیکر جانا ادر سے لیکر آنا۔ اسکا صاب سے پیسہ ملے گا۔ گر کا روٹی پانی چلے گا۔ تم رک کیوں گیا۔ جالدی چلو پھر ام کو اپنی گائے کا چارہ لینے کو بی جانا اے۔''

''اوہ۔۔۔!! تو تم میرے باڈی گارڈ مقرر ہوئے ہو۔''

''وہ کیا ہوتی ہے؟۔''

''بھئی باڈی گارڈ جیسے کہ گن مین یا محافظ ہوتا ہے۔''

''اچا جیسا محافظ ہسٹل کے بار کڑا ہوتی ہے۔ نائیں ام وہ نا ہی اے۔ ام شیر بخت خان اے۔ سردار سے پوچ لینا۔ ابی چلو ام کا دیر ہوتا اے۔ امارہ گل بدن سے بوک برداشت نہیں ہوتا۔ جب اسکو بوک لگے تو وہ اونچی اونچی ام کو آواز دیتا ہے۔''

ژالے نے قدم آگے بڑھا دیئے۔ مگر گاہے بگاہے ایک نظر اپنے ساتھ چلتے شیر بخت پر ڈال لیتی۔ دل میں سوچے بنا نہ رہ سکی کہ بھلا اسکی کیا ضرورت تھی۔ یہ سامنے ہی تو گاؤں ہے۔ اب میں ہر روز تھوڑی رستہ بھولونگی۔ کل تو پہلا دن تھا۔ اوپر سے برف' بارش' آنسو' جذبات سب نے مل کر بینائی چھین لی۔ عقل نے کام نہ کیا۔ پر ایک طرح سے اچھا بھی ہوگیا۔ اب مجھے یہ تو پتا چلا کہ وہ ڈرپوک شخص ادھر ہی کہیں رہتا ہے۔ بس ایک دفعہ زینی واپس آجائے۔ پھر اسکے ساتھ مل کر اسکا سراغ نکالوں گی۔ جاکر اسکی اماں کو پوچھونگی ایسی تربیت کی ہوئی ہے اپنے بیٹے کی' ایک لڑکی کو اپنی عزت بنایا پھر اسے اکیلا چھوڑ دیا۔ چور کہیں کا۔ کاش کل نام ہی پوچھ

لیتی۔۔ایک دم جذبات کا ابال چڑھا تو ایک دفعہ پھر رک گئی۔

منہ کے گرد دونوں ہاتھ رکھ کر اونچی آواز میں بولی۔۔

''اگر آج بھی کہیں چھپ کر بیٹھے دیکھ رہے ہو۔تو در فٹے ناساں تمہاری مردانگی پر۔۔۔نام تک بتاتے ہوئے بھی مر رہے ہو۔منہ چھپا کر سامنے آنے والے بزدل۔''

پورے حلق کے بل چلا کر اس نے شیر بخت پر نظر ڈالی۔وہ پہلے تو آنکھیں پھاڑ کر اسکو دیکھتا رہا۔پھر اپنی چپل اتار کر بغل میں دبائی اور واپسی کے راستے پر دوڑ لگا دی۔

وہ جو نم آنکھوں کو چادر کے پلو سے صاف کر رہی تھی۔حیران ہوئی پھر جب سمجھ آیا کہ بیچارہ ڈر کر بھاگا ہے۔ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔کیونکہ نام کا شیر بخت ٹانگیں سر پر رکھ کر بھاگ رہا تھا۔جیسے پیچھے موت پڑی ہو۔اس نے سیدھا غازان کے آفس جا کر سانس لیا۔

''سردارام کو یہ کام نہیں کرنا۔''

پھولی ہوئی سانس کے ساتھ تیزی سے بولا۔غازان جو کہ ایک استانی کے ساتھ کچھ معاملات پر بات کرنے میں مصروف تھا۔ایک دم سر اٹھا کر سوالیہ نظروں سے شیر بخت کی جانب دیکھا۔

''وہ ڈاکدارنی پر جن اے۔۔''

غازان نے ناراضی سے بولا۔''اسے شگ مینٹل تو'' (کیا پاگل ہو گئے ہو؟)

شیر بخت نے نفی کی۔نانہ ان۔۔'' (نہیں بالکل بھی نہیں۔)

''پھر چپ کر کے ادھر کرسی پر بیٹھ کر پانی پیو انتظار کرو۔''

غازان کے کہنے پر وہ کمرے میں موجود بیٹھنے والے حصے کی طرف جا کر خاموشی سے بیٹھ کر غازان کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔مگر اسکے ہر عمل سے بے تابی جھلک رہی تھی۔جیسے راز کو سنبھال کر رکھنا بڑا ہی بھاری کام ہو۔جس وقت استانی اپنا کام ختم ہونے پر وہاں سے چلی گئیں۔وہ شیر بخت سے مخاطب ہوا۔

''ہاں جی اب بولو کیا ہوا ہے؟''

''وہ سارا راستہ اپنے آپ سے باتیں کرتا گیا تھا۔پھر اک دم آسمان کو سر اٹھا کر چیخنے لگا۔جیسے مولوی صاب کا

بٹی چیختا تھا۔ جب اس پر جن آیا تھا۔

غازان کا حیران ہونا لازم تھا۔

"پکی بات ہے کہ تم ڈاکٹر ژالے گل کی ہی بات کر رہے ہو؟"

"ژالے گلے کو ام نہیں جانتی بس ڈکدارنی نے ایسا کیا اے۔"

"ہوسکتا ہے۔ شغل میں لگی ہو اور تم نام کے شیر ادھر سے بھاگ آئے۔ کیا عزت رہ گئی ہمارے گاؤں کی۔ اب وہ ڈاکٹرنی تو یہی سمجھے گی۔ کس گیدڑ کو اسکے محافظ کی نوکری دی ہے۔ یار تم ہمارے گاؤں کا ایک نمبر کا نشانہ باز آدمی اور ایک لڑکی سے ڈر گیا۔"

"سردارام کو گیدڑ نہ بولو۔ اور ام لڑکی سے نہیں جن سے ڈرتی ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ جن نے کہا کیا تھا۔"

شیر بخت نے ژالے کے بولے جملے دہرا دیئے۔

اب کے غازان سنجیدہ ہوا۔

"ایسے بولا؟ پر کس کو بولا۔ کیا وہاں آس پاس کوئی اور بھی موجود تھا؟"

"ہاں ناں دو چار بکریاں تھا۔ دس گیارہ درخت کے علاوہ فرلانگ کے دوری پر مالک غنی کا سیب کا باغ ہے۔"

غازان نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

"دیکھو شیر بخت مس گل ہماری مہمان ہے۔ کوئی جن بھوت نہیں۔ اب مزید کوئی بیوقوفی نہیں۔ اپنی غلیل نکالو اور واپس ڈیوٹی پر حاضری دو شاباش۔۔۔"

شیر بخت بیچارہ سا منہ بنا کر وہاں سے نکل آیا۔

☆......☆......☆

وہ دونوں اس وقت اپنے اس گھر پر موجود تھے۔ جسکو دونوں نے اپنی زبان میں ہیڈ کوارٹر کا نام دیا ہوا تھا۔ یہ گھر جس جگہ پر موجود تھا۔ دور دور تک نہ تو کوئی آبادی تھی۔ نہ ہی وہاں سے کسی انسان کا گزر ہوتا تھا۔ جنگل کے

درمیان ایک لکڑیوں کا بنا چھوٹا سا بنگلہ اسلام آباد سے باہر کہیں موجود تھا۔

سولر پینلو کے ذریعے اپنی بجلی پیدا کر کے استعمال کی جاتی تھی۔ضرورت کی ہر چیز ہر وقت موجود رہتی تھی۔وہ کھانے سے لیکر اسلحے کی سپلائی تک ہو سب موجود تھا۔اسی طرح کے سارے ملک میں دو اور گھر تھے۔عام شہریوں' پولیس' سیاستدانوں کے ریڈار سے بالکل باہر۔وہ ٹو مین آرمی تھی۔جو مختلف سیکورٹی ایجنسیوں کے لیے کام کرتے مگر پوری طرح اپنی شرائط پر۔دونوں کا کام دیکھ کر فیصلہ کرنا مشکل ہو چکا تھا۔افسر کون ہے۔اور ماتحت کون۔مگر انکی گفتگو سے اندازہ ہو جاتا تھا۔جو عمر میں چھوٹا تھا۔وہ بڑے والے کے لیے سر کا خطاب استعمال کرتا تھا۔

ان دونوں کی غیر موجودگی میں اگر کوئی اس جگہ کو ڈھونڈ بھی لیتا تو ساری تلاشی کے بعد بھی اسکے ہاتھ کچھ نہیں آنا تھا۔بنا بنایا جو کھانا لایا گیا تھا۔اسکے خالی بیگ میز پر بکھرے پڑے تھے۔جنہیں اس نے ایک بیگ میں ڈال کر کوڑے دان میں ڈالا۔

اسی وقت وہ چائے کے دو کپ لیکر کچن سے برآمد ہوئے۔

''تم جانتے ہو۔میں آج کا اخبار دیکھ چکا ہوں۔اگر چاہو تو خبر زبانی بھی سنا سکتا ہوں۔سرگودھا کے قریب ایک گاؤں کے کھیتوں میں ایک پچیس چھبیس سالہ لڑکے کی لاش کچھ اس حال میں ملی ہے۔لڑکے کے مردانہ عضو کو بلیڈ سے کاٹ کر الگ کرنے کے بعد اسکو ماتھے پر دونوں آنکھوں کے درمیان گولی ماری گئی ہوئی ہے۔

اس واقعے کا کوئی عینی شاہد موجود نہیں ہے۔مقامی لوگوں کا کہنا ہے۔مرحوم کا تعلق شہدرہ سے تھا۔پر ادھر اپنی بہن کے پاس رہتا تھا۔کسی سے کوئی دشمنی بھی نہ تھی۔پولیس نے لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے اپنے قبضے میں لیکر نا معلوم افراد کے خلاف پرچہ کاٹ لیا ہے۔پولیس کے مطابق بہت جلد قاتل کو ڈھونڈ کر گرفتار کر لیا جائے گا۔

یہ کیا سین ہے؟۔''

''آپ میرے سے تو ایسے پوچھ رہے ہیں۔جیسے خود نہیں جانتے ہوں۔آپ اس وقت وہیں موجود تھے۔ جب ایک مجبور لاچار باپ نے مجھ سے اس کو مارنے کی درخواست کی تھی۔اس آدمی نے اپنے چار دوستوں کے ساتھ مل کر رات کے اندھیرے میں اس شریف انسان کے گھر دھاوا بولا جب وہ خود گھر پر نہیں تھا۔اسکے بیوی

بچے ہی تھے۔اسکی پندرہ سالہ بیٹی کا ریپ اس مرد نے اس بچی کی ماں اور چھوٹے بھائیوں کے سامنے کیا تھا۔اس کے بعد کھلے عام گاؤں میں گھومتا رہا۔کسی نے کچھ نہیں کیا۔پولیس میں ایف آئی آر جمع کروائی گئی۔دو چار دن حوالات کی سیر کی اسکے بعد مقامی طاقت ورلوگوں کی پشت پناہی پر نکل آیا۔بچی نے خود پر تیل چھڑک کر خودکشی کر لی۔ماں شدید ڈپریشن کا شکار ہے۔یہاں تک کے اپنے بچ جانے والے بچوں کی دیکھ بھال کے لیے خود کو معذور تصور کرتی ہے۔باپ کا دل کرتا ہے۔وہ ایک ایسی دنیا کو منہ کر جائے۔جہاں ہر روز اسکو مرنا نہ پڑے۔سر سیانے کہتے ہیں۔اولاد کے دکھ سے بڑا کوئی غم نہیں ہے۔اوپر سے ایسا ظلم کرنے والے ظالم سرِ عام دندناتے پھریں۔ جانتے ہیں بے حسی اور ناانصافی کی اس ریت میں اگلا قدم کیا اٹھتا ہے۔یہ لڑکی پندرہ سال کی تھی۔اور ظلم کرنے والا گاؤں کا عام سا لڑکا تھا۔مگر کل جو خبر آپ کے نیوز چینلز پر چل رہی تھی۔وہ ایک چھ سالہ بچی کی تھی۔جس کے ساتھ زیادتی کرنے والا کوئی اور نہیں وہ انسان ہے۔جس سے وہ اپنے گھر سے نکل کر دین سیکھنے جاتی ہے۔ایک امام مسجد۔کین یو ایون امیجن ہاؤ میسیڈ اپ آور سوسائٹی اِز گیٹنگ۔۔۔صرف اس وجہ سے کہ انصاف نہیں ہے۔ جب ایک مجرم کو سزا نہیں ملتی تو ایسے دس اور پیدا ہوتے ہیں۔اس امید پر کہ یار فلاں نے یہ سب کیا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔میں کرلوں تو کیا ہونا ہے۔''

''اس خبر کو ٹی وی پر چلے بہتر گھنٹے ہو گئے ہیں۔کیا آپ نے کسی سے سنا مولوی برادری ایکشن میں آگئی ہے۔اور ایک بھیڑ کی کھال میں چھپ کر بیٹھے بھیڑیے کو پکڑ کر سرِ عام چوراہے پر لٹکا دیا ہے۔یا حکومت نے فوری طور پر اس آدمی کو سب کے سامنے گولی ماری ہے۔تاکہ آئندہ کوئی ایسی پامالی کا سوچ کر ہی لرز جائے۔یا اس گلی محلے کے لوگوں نے اس آدمی کو پتھر مار مار کر سنگسار کر دیا ہے۔ہمارے لوگ برائی دیکھ کر کبھی بھی اسکو روکنے کی کوشش نہیں کرتے۔بس ہر روز رات کو ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر خبرنامہ سن لیا۔تبصرہ کرلیا آگے بڑھ گئے۔یہ عمل اس قدر خطرناک ہے۔جس آگ میں دوسروں کے گھر جلتے نظر آتے ہیں۔وہ آگ خود ہماری دہلیز پر بھی پہنچی ہوئی ہے۔مگر ہمیں ادراک نہیں ہے۔ہم اپنے آپ کو اینسبل سمجھتے ہیں۔پر سچ پتا کیا ہے سر۔اِٹس اونلی آ میٹر آف ٹائم۔۔۔جب وہی آگ ہمارے بھی گھر کو جلا کر راکھ کر دے گی۔جیسے سیانے کہتے ہیں ناں جس کی موت آتی ہے۔اسکی قیامت اسی لمحے شروع ہو جاتی ہے۔اور جو زندہ ہیں وہ سمجھتے ہیں۔قیامت ابھی ہزاروں

لاکھوں سال کی دوری پر ہے۔ دلی ہنوز دور است۔۔۔ یہی ہمارے لوگوں کا حال ہوگیا ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں۔ حکمران کرپٹ ہیں۔ حکمران کبھی کرپٹ نہ ہوتا اگر ہم خود کرپٹ نہ ہوتے۔ وہ ہمارا عکس ہیں سر۔۔ وہ ہمی میں سے ہیں کہیں باہر سے نہیں آئے۔ ان کو سلام کر کر کے ہمی نے بادشاہ بنایا ہوا ہے۔ جب انصاف نہ ملے۔ جینے کی ہر دشوار ہو۔ رات کو ضمیر کی مار سونے نہ دے۔ تو تب آپ اور میرے جیسے لوگوں کو لوگ ڈھونڈتے ہیں۔ جو کام وہ خود نہیں کر پائے۔ وہ ہم کر دیتے ہیں۔ وہ باپ اس آدمی کو چاہ کر بھی نہیں مار سکتا تھا۔ کیونکہ اسکے سامنے اسکے دوسرے بچے تھے۔ انکو بھی یتیم کر جاتا جو پہلے ہی قیامت کی دستک دیکھ چکے تھے۔ اسکو میری ضرورت تھی۔ میں اسکے کام کیوں نہ آتا۔ میں ہر ایسے آدمی کے کام آتا رہوں گا۔ جو کسی نہ کسی طرح کہیں نہ کہیں ظلم کی چکی میں پس کر نڈھال ہوگیا ہے۔ جسکو دلدل سے نکلنے کے لیے ہلکے سے سہارے کی ضرورت ہے۔"

دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اسکا کندھا تھپتھپایا۔ جانتے تھے وہ کس سوچ اور عمل کا مالک ہے۔ وہ بالکل عملی بندہ تھا۔ عمل پہلے کرتا بتاتا بعد میں تھا۔ اسکا کپ میز سے اٹھا کر اسکی جانب بڑھایا۔

"چائے پیو۔۔۔"

تھوڑی دیر دونوں خاموشی سے سپ لیتے رہے۔ پھر وہ کہنے لگے۔

"تمہیں اسکو اس طرح اتنی نازک صورتحال میں چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا۔ کچھ دیر رک کر تسلی دیکر آتے۔ ایک دم سے اس پر اتنی بڑی حقیقت آشکار ہوئی ہے۔ قبول کرنے میں اسکو تھوڑا وقت لگے گا۔"

"وہاں کوئی آگیا تھا۔ ایسے میں کیسے رکتا۔ وہ اتنی نازک اعصاب کی بھی نہیں ہے۔ جیسے آپ سمجھتے ہیں۔ گیا میں اسی نیت سے تھا کہ ساری باتیں سمجھا دونگا۔ پر خیر اسکا حل میں نے سوچ لیا ہے۔"

"تم اسکو بتا کیوں نہیں دیتے ہو کہ تم کون ہو۔"

"مذاق کر رہے ہیں۔"

"نہیں۔۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ وہ دوسرے دن ہی پولیس کو سب بتا کر آپکی اور میری بینڈ بجوا دیگی۔ آپ بھول سکتے

ہیں وہ کس خاندان کا خون ہے۔ مگر میں یہ بات کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔"

"زیادہ گہرائی میں مت کھودوں پیارے ورنہ تمہارے اپنے ہاتھ بھی رنگنے جائیں گے۔ نیک اور بد کی اس ریس میں وہ جیتے جو اللہ کی جانب سے سرٹیفکیٹ ہاتھ میں لیے گھومتا ہو۔ جس پر اسکی نیک نامی و اعلیٰ نسل ہونے کہ مہر اللہ رب العزت کی جانب سے لگی ہو۔ اس پر لکھا ہو۔ میرا یہ بندہ دوسرے سے افضل ہے۔ پھر وہ تو بے قصور ہے۔"

خاموشی میں ہوا کا شور ہی رہ گیا۔

"میں بھی بے قصور تھا۔ مگر آج تک سزا کاٹ رہا ہوں۔ میں نے نہ اسکو برا کہا ہے۔ نہ ہی خود کو نیک۔۔۔ پر اسکے اور میرے ستارے دو الگ کہکشاؤں کے باسی ہیں۔ میں آپ کے جذبات سمجھ سکتا ہوں۔ مگر اس معاملے میں کوئی امید مت باندھیں۔"

"یار آج کل بیر کہیں نہیں ملتے۔۔۔ میں نے کسی کو خاص کر ایک جگہ اس امید پر بھیجا کہ وہاں سے سٹیو بیر مل جائیں گے۔ پر نہ جی۔۔۔ اب میں سوچ رہا ہوں۔ ادھر باہر دو چار بیریاں لگا لوں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟۔۔"

"سیریسلی ایک بات کہتا ہوں۔ یہ جو ایک بات کرتے کرتے بیچ میں یوٹرن لینے والی آپ کی عادت ہے۔ ایک دن مجھے پاگل کرے گی۔"

"یار لڑکی کی بات تم سننا نہیں چاہتے اب بیریاں ہی بچتی ہیں۔ انہی کے بارے میں بولا جا سکتا ہے۔"

"بیٹھ کر غور و خوض کریں کہاں بیری لگانی ہے۔ میں چلا۔۔۔"

'جانے سے پہلے یہ فائل دیکھ لو۔ اس میں نام اور تصویریں موجود ہیں۔ ہائیلی آفیشل ہے۔"

"جو حکم۔۔۔"

وہ سامنے میز پر رکھی فائل اٹھا کر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

☆......☆......☆

آج خلافِ معمول ساحرہ کو ناشتے کی میز پر دیکھ کر احمد یار کو حیرت تو ہوئی ہی مگر اسکو خوشگوار حیرت کہا جائے گا۔ جسکا اس نے کھلے دل سے اظہار بھی کیا۔

''تم اس وقت یہاں بیٹھی دنیا کی حسین ترین عورت ہو۔آج تو ہم غریبوں کی عید ہوگئی ہے۔''

وہ شائد زندگی میں پہلی دفعہ احمد یار کے کسی کمنٹ پر یوں دلکشی سے مسکرائی تھی۔احمد یار مسمرائز ہوگیا۔پلکیں جھپکنا بھول گیا۔ہاتھ میں پکڑا کانٹا پلیٹ میں رکھ کر اپنی سیٹ پر پیچھے کو ٹیک لگا کر ایسے بیٹھا جیسے انسان بڑی فرصت اور شوق سے اپنے پسندیدہ شو کے وقت ٹیلی ویژن سکرین کے سامنے بیٹھتا ہے۔

''اس وقت میرے دل سے حسرت نکلی ہے۔اے کاش ہماری ازدواجی زندگی کی ہر صبح ایسی ہوتی۔تم میرے سامنے بیٹھ کر اسی بے ساختگی سے مسکراتیں۔اور میں تمہیں دیکھ دیکھ کر اپنی آنکھیں سیراب کرتا۔مگر صد افسوس''

''وہ میرے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پہ برس گئیں۔

دل بے خبر میری بات سن اسے بھول جا اسے بھول جا۔۔''

احمد یار جب تک تیار ہو کر میز پر آتا تھا۔غازی سکول جا چکا ہوتا تھا۔گڑیا ابھی سو رہی ہوتی تھی۔عام طور پر ساحرہ بھی جاگتی یا سوئی رہتی اپنے کمرے میں ہی تھی۔احمد یار اکیلا ہی بیٹھ کر ناشتہ کرتا اور آفس کے لیے نکل جاتا۔یہ روٹین سالوں سے چلی آرہی تھی۔جس میں آج خلل آیا تھا۔تو اسکا بے ترتیب ہونا فطرتی بات تھی۔اس وقت بھی ملازم ناشتہ سجا کر جا چکا تھا۔اور ڈائینگ ہال میں دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا

بڑی مجروح سی مسکراہٹ احمد یار کے ہونٹوں پر ظاہر ہو کر معدوم ہوگئی۔وہ اپنے گھٹنوں پر بوجھ ڈال کر اپنی جگہ سے اٹھا۔ٹائی سیدھی کی۔کرسی کی پشت پر رکھی جیکٹ اٹھا کر تن پر پہنی اس سارے عمل کے دوران اسکی نگاہیں ساحرہ کا چہرہ بڑی غور سے پڑھ رہی تھیں۔جو بڑے مگن انداز میں مسکراتے ہوئے ٹوسٹ پر مکھن لگانے کے بعد جیم لگا رہی تھی۔احمد یار پر نظر پڑی تو بڑے صلح جو انداز میں پوچھا۔

''کھڑے کیوں ہوگئے ہو؟ کیا ناشتہ نہیں کرو گے؟۔''

احمد یار کو لگا وہ اگر دو چار لمحے اور اس پری زاد کے قریب کھڑا رہا تو پتھر کا ہو جائے گا۔ہلکے سے نفی میں جواب دیکر بولا۔

''آج رات میں غازی اور محمد یار دبئی کے لیے نکل رہے ہیں۔غازی کو میں نے کل شاپنگ کروادی تھی۔

اگر تمہیں ناگوار نہ گزرے تو پیکنگ دیکھ لینا۔"

وہ منہ سے تو نہیں کہہ سکتی تھی۔ دل و جان سے تمہاری پیکنگ کرونگی۔ اتنی توجہ سے میں نے آج تک کوئی کام نہ کیا ہوگا۔ مگر صرف اتنا کہا۔

"کیوں نہیں میں دیکھ لونگی۔ اچھا ہے تم گڑیا کو نہیں لے جا رہے۔ مجھے بھی گھر پر کمپنی رہے گی۔"

احمد یار خالی پیٹ ہی گھر سے نکل آیا۔ گاڑی آفس کی جانب رواں دواں تھی۔ کچھ خیال آنے پر وہ ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

"رشید۔۔"

"جی آکھاں سردار جی۔۔"

"یار ذرا غازی کے نانا کی طرف چلو۔۔"

"جو آکھو جناب۔۔"

پندرہ منٹ بعد رشید کو گیٹ کے باہر ہی روک کر وہ خود اندر کی جانب چلا آیا۔

سکینہ اور جلال صاحب اس وقت ناشتے کی میز پر ہی موجود تھے۔ احمد یار کو اپنے سامنے دیکھ کر کھل اٹھے۔

"آؤ بھئی کیا خوب وقت پر آئے ہو۔ آج تمہاری ماں نے پائے بنائیں ہیں۔"

جلال گیلانی نے اپنی جگہ سے اٹھ کر احمد یار کا استقبال کیا۔ وہ ہمیشہ اسی طرح پزیرائی سے اسکو ملتے تھے۔

سکینہ نے ہمیشہ کی طرح اسکی پیشانی پر بوسہ لیا۔

"غازی تو سکول جا چکا ہوگا۔ گڑیا کو ہی ساتھ لے آتے۔"

"امی وہ تو ابھی سو رہی تھی۔ افسر اسکا باپ ہے مگر روٹین میری بیٹی کی آفسروں والی ہے۔ رات کو گیارہ بارہ سے پہلے سو جائے تو معجزہ ہی ہوتا ہے۔ جس دن جلدی سوتی ہے۔ آدھی رات کو اٹھ کر میرے بیڈ پر آجاتی ہے۔ پھر مجال ہے مجھے سو جانے دے۔"

سکینہ اور جمال صاحب دونوں ہی خوشی سے مسکرا رہے تھے۔

"میرے لیے تو یہ دونوں بچے ہی پوتی پوتا بھی ہیں۔ اور نواسی نواسا تو ہیں ہی۔ اپنا بیٹا تو جا کر ولایت بسا رہا

ہے۔ ادھر تو ان دونوں کی وجہ سے ہی ہمارا دل لگا رہتا ہے۔ غازی تو میرا اتنا پیارا بیٹا ہے۔ ہر وقت دعا کرتی ہوں۔ اللہ اسکو ہر بری نظر سے بچا کر رکھے۔ دیکھ لینا احمد یار غازی ایک دن کوئی بہت خاص آدمی بنے گا۔ بڑے آدمی تو اسکا باپ دادا ہیں ہی۔ میرا بیٹا کوئی بڑا خاص آدمی بنے گا۔"

"آمین امی اللہ آپکی دعائیں پوری کرے انشاءاللہ۔ آج تو میرے پاس آپ لوگوں کے لیے ایک خاص خبر ہے۔ یہ سمجھ نہیں پا رہا تھا اچھی خبر ہے یا بری اسی لیے ناشتہ کیے بغیر ہی نکل آیا ہوں۔ پھر سوچا آپ سے ہی پوچھتا ہوں۔"

دونوں میاں بیوی چونکے تھے۔ خطرے کی گھنٹی کانوں میں بجتی سنائی دی۔ سکینہ کا تو حوصلہ نہ پڑا تفصیل پوچھنے کا جلال صاحب نے ہی پوچھ لیا۔

"ایسی کیا بات ہوئی ہے؟"

"ساحرہ آج نہ صرف ناشتے کی میز پر موجود تھی۔ بلکہ وہ بات بے بات مسکرا رہی ہے۔ آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں۔ وہ تو اپنے بچوں کی پیدائش پر بھی نہیں مسکرائی تھی۔ ہوسکتا ہے آپکو میری بات عجیب لگے۔ بری لگے۔ مگر نہ جانے کیوں مجھے کسی انہونی کا احساس ہو رہا ہے۔ جیسے کچھ بہت غلط یا ہونے والا ہے۔ یا ہونے جا رہا ہے۔ مجھے اسکی مسکراہٹ نے ڈرا دیا ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے بولتے ہوئے اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہوا تو کمرے میں خاموشی پھیل گئی۔ جلال صاحب نامحسوس انداز میں ناشتے سے ہاتھ کھینچ چکے تھے۔ بڑی بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے۔

"تم کھانا کھاؤ احمد یار میں وجہ معلوم کرلونگا۔ ہوسکتا ہے جہاں سے اب دوا لے رہی ہے۔ اس سے فرق پڑا ہو۔ اچھی بات ہے جو کسی بات میں حصہ لے رہی ہے۔ تم زیادہ پریشان نہ ہو۔ سکینہ سالن نکالو احمد کے لیے۔۔"

سکینہ بی بی نے اسی وقت پائے ڈال کر داماد کم بیٹے کے سامنے رکھے۔ ساتھ حلوہ پوری اور چنے' نان بھی آگے رکھے۔ وہ ہاتھ دھو کر کھانے لگا۔

جلال صاحب دماغ میں ایک نوٹ لکھ چکے تھے۔ ساحرہ کی کچھ دن نگرانی کروانی پڑے گی۔ اسکے معمولات سے آگاہی رکھنا پڑے گی۔ اس بات سے بے خبر تھے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے۔

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل

وہ تربیت سے بھی نہیں سنورتے

ان کی بیٹی اسی برادری کا حصہ تھی۔

☆......☆......☆

گاڑی کی آواز سن کر احمد یار کے گھر سے چلے جانے کی تصدیق ہوتے ہی اسکا نقرئی قہقہہ گھر کے اندر گونجا۔۔

''بیچارہ۔۔!!۔۔''

بڑی فرصت سے نوالہ نوالہ کر کے ٹوسٹ ختم کرنے کے بعد تازہ جوس کا گلاس پیا۔ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی۔ پرسوں سے اب تک وہ ابراہیم کے ساتھ ہونے والی ملاقات کو لاتعداد مرتبہ اپنے دماغ میں دہرا چکی تھی۔ اسکا کہا ایک ایک لفظ ازبر تھا۔ اسکی نظروں کی تپش' بیٹھنے کا انداز ایک ایک ادا تصور کے پردے پر زندہ تھی۔

شرمیلی سی مسکراہٹ ہونٹوں سے چسپاں ہو کر رہ گئی تھی۔

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اک اک نقش کو سو سو بار دیکھا۔ آج سب کچھ نیا اور حسین لگ رہا تھا۔ اس وقت اس نے سفید نائٹی کے اوپر سفید ہی سلک کا لونگ گاؤن پہنا ہوا تھا۔ اس وقت اسکا چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے پاک تھا۔

ڈریسنگ سے موئیسچرائزر کریم اٹھا کر ہاتھوں اور چہرے پر مساج کی بالوں میں برش چلا کر سیٹ کیا۔ مختلف پوز بنا بنا کر خود کو دیکھ دیکھ کر ہی محظوظ ہو رہی تھی۔

الماری سے ایک ساتھ کئی ہینگر شدہ لباس نکالے شیشے کے سامنے اپنے ساتھ لگا لگا کر دیکھتے ہوئے جو اچھا لگا الماری میں واپس ڈال دیا۔ باقی کے بیڈ پر پھینکنے کے بعد ملازمہ کو آواز دی۔ جب وہ وہاں آئی تو اسکو کہا یہ بیڈ والے سارے کپڑے اٹھا کر لے جاؤ۔ اپنی بیٹیوں کو دے دینا۔

اتنے قیمتی اور نفیس لباس ملازمہ کو پہلے بھی ملتے رہے تھے۔ مگر اتنی بڑی تعداد میں نہیں۔ اس کی باچھیں

کانوں تک کھل گئیں۔

وہ تیار ہو کر پہلے ڈرائیور کے ساتھ پارلر گئی جہاں کل کی اپوائنٹمنٹ لی ہوئی تھی۔ نئے سرے سے بال ڈائی کروانے کے بعد سیٹ کروائے۔ فیشل اور پیڈی کیور وغیرہ کروایا۔ آدھے سے زیادہ دن وہاں گزار کر اکیلے ہی باہر دوپہر کا کھانا کھانے ایک ریسٹورنٹ کا رخ کیا۔

اب ابراہیم ساہی نہ جانے پہلے سے وہاں موجود تھا۔ یا اسکا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ آ کر ساحرہ والی میز پر بیٹھ گیا۔

''میں یہ سب برداشت نہیں کر پا رہا ہوں۔ مجھے تم سے ملنا ہے۔ چلو میرے ساتھ کسی موزوں جگہ پر''

''کیا اپنی بیوی کو چھوڑ آئے ہو؟''

''ایسے ایک دم سے اسکو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ کوئی ٹھوس وجہ بھی تو ہو۔ تمہیں اسکی فکر کرنے کی ضرورت یوں بھی نہیں کیونکہ اگر وہ میرے لیے اہم ہوتی تو میں تمہارے پیچھے کیوں آتا۔''

''میں تمہارے پاس آنے کی ہی تیاری میں ہوں۔ آج میرا شوہر ملک سے باہر جا رہا ہے۔ اسکی واپسی سے پہلے میں نے اسکو چھوڑ دینا ہے۔ اب دیر صرف تمہاری جانب سے ہونی ہے۔ جب تمہاری بیوی نفرت سے تمہارے منہ پر تھوک کر چلی جائے مجھے بتا دینا۔ مگر اس سے پہلے مجھ سے ملنے سے اجتناب کرو۔''

وہ چور نظروں سے آس پاس کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔

''تمہاری باتیں اور شرطیں یہ ثابت کرتی ہیں۔ جتنا میں تمہارے قرب کے لیے مر رہا ہوں۔ تمہیں اس چیز کی پرواہ نہیں ہے۔ میں بارہ سال سے اس آگ میں جل رہا ہوں۔ اب آ کر دریا میرے سامنے آیا ہے اور تم مجھے مزید انتظار کو کہہ رہی ہو۔ یہ میرے ساتھ ایک طرح سے ظلم ہے۔ جب میں تمہارا ہوں۔ میرا دل تمہارا ہے۔ تو ایک غیر اہم عورت میرے نام پر گھر میں پڑی رہے کیا فرق پڑے گا۔''

''آج کے بعد یہ بات مت کہنا ابراہیم کیونکہ تمہیں فرق نہ پڑتا ہو۔ مجھے پڑتا ہے۔ میرے علاوہ کوئی آنکھ تمہیں کیوں دیکھے۔ میرے دل کے سوا تم کسی اور کے دل میں کیوں دھڑکو یہ تو محبت کی کھلی توہین ہے۔ میرا بننا ہے۔ تو پورے کا پورا میرا رہنا ہوگا۔ اسکے لیے اس عورت کا جانا ضروری ہے۔ ورنہ جہاں اتنے سال مجھے بھول کر زندہ رہے ہو۔ اب بھی اسی طرح رہو۔''

''یہ ممکن نہیں ہے ساحرہ میں تمہارے بغیر اب زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''پھر فیصلہ کر لو ابراہیم تمہارے پاس دو دن کا مزید وقت ہے۔ خدا حافظ۔''

۔اس کے بعد اپنے لیے پوری کی پوری نئی وارڈ روب خریدی۔ نئے بیگ ' جوتے ' ہر چیز نئی لی۔ جب گھر واپس آئی غازی سکول سے آکر اکیلا ہی لان میں باسکٹ بال کھیل رہا تھا۔

وہ گاڑی سے نکلی تو وہ گیند ہاتھ میں لیے پسینے میں شرابور ہی اسکی جانب آگیا۔ ملازم کو اتنے ڈھیر سے بیگ اندر لے جاتے دیکھ کر پہلا سوال یہی کیا۔

''ممی کیا آپ بھی ہمارے ساتھ آج دبئی چل رہی ہیں؟۔''

''اوہ غازی۔۔۔!ہاؤ آر یو سویٹ بوائے؟؟۔''

ماں نے اسکی موجودگی پر حیران ہوتے ہوئے اسکے گال پر ہلکا سا ہاتھ لگا کر یوں احوال پوچھا جیسے کسی غیر کے بچے کو پوچھتے ہیں۔

''میں ٹھیک ہوں ممی۔ تو کیا آپ ہمارے ساتھ آرہی ہیں؟'' لہجے میں امید تھی۔

''ڈونٹ بی سِلی غازی تم لوگ تو فارمولا ون ریسیں دیکھنے جارہے ہو۔ جبکہ مجھے ایسی چیزوں کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''پر اگر آپ چلیں تو ہم فارمولا کا پروگرام کینسل کر کے کہیں اور چلے جائیں گے۔ جہاں آپکو اچھا لگے۔''

''اف غازی تم سارے اپنے باپ پر چلے گئے ہو۔ کیا تم لوگوں کو اگلے بندے کی باڈی لینگویج بھی پڑھنی نہیں آتی۔ جب کوئی انسان بات کو بڑھا نہ رہا ہو۔ آگے بڑھنے کی کوشش میں ہو تو اسکا مطلب ہوتا ہے کہ وہ آدمی بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہے پر تم لوگوں کو بیماری ہے۔ ایویں بات کو طوالت دینے کے چکر میں رہتے ہو۔ سچی بات ہے کچھ لوگ پڑھ کر شہروں میں ہائی کلاس میں موو کرنے کے باوجود اندر سے وہی پینڈو کے پینڈو رہتے ہیں۔''

غازی کا چہرہ حدت سے لال سرخ ہوگیا۔ کیونکہ اسکے سارے کزن سیٹنگ روم کی کھڑکی میں کھڑے نہ صرف یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ بلکہ من وعن سن بھی رہے تھے۔ غازی گیند ہاتھ سے پھینک کر گھر کے پچھلی جانب

لان کی طرف بھاگ گیا۔

نوشابہ ساحرہ کو نفرت سے گھورتی ہوئیں قریب آئیں۔ دھیمی آواز تھی مگر لہجہ سخت بے لچک۔۔

"سنا تھا کہ ایک نسل سانپوں کی ایسی بھی ہے۔ جو خود اپنے ہی بچے کھا جاتی ہے۔ آج میں نے دیکھ بھی لی۔ ساحرہ جمال تم دنیا کی بدصورت ترین عورت ہو۔ کاش تم میرے بھائی کی زندگی میں نہ آئی ہوتیں۔ کاش میرے بھائی کی اولاد تمہاری کوکھ سے نہ نکلی ہوتی۔"

"میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتی ہوں نوشابہ ورنہ نوکروں سے کہہ کر ابھی کہ ابھی اس گھر سے نکال باہر کروں۔ آ جاتی ہو اپنی منحوس شکل اٹھا کر۔ اپنے گھر تمہارا دل کیوں نہیں لگتا۔"

"تم جیسی عقل کی اندھی عورت سے مجھے ایسے ہی طعنوں کی امید تھی۔ آخر اندھے کی دوڑ مسجد تک ہی ہوتی ہے۔ مگر آج کے بعد میرے بیٹے سے اس طرح مخاطب ہوئیں تو اچھا نہیں ہوگا ساحرہ بالکل بھی اچھا نہیں ہوگا۔ ہم آج تمہاری عزت کر رہے ہیں۔ ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔"

نشابہ ایک قہر زدہ نفرت بھری نظر اس پر پھینک کر غازی کے پیچھے چلی گئیں۔

ساحرہ پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

شام کو اب بہن بھائی ڈنر پر اکٹھے تھے۔ غازی نے نانا نانی کو خاص دعوت دے رکھی تھی۔ گھر ساحرہ کا تھا۔ انتظامات سارے احمد یار کی والدہ نے دیکھے۔ کھانا بھی انہی نے اپنی نگرانی میں بنوایا۔

جمال گیلانی اور سکینہ اتنے اعلیٰ ظرف لوگوں کی مروت کے سامنے ہار گئے تھے۔ جو ہر بات کو بھلا کر ان کے ساتھ ایسے ہی ہنس بول رہے تھے۔ جیسے بڑے قریبی بہن بھائیوں میں ہوتا ہے۔

حالانکہ انکی اپنی بیٹی نے ایک دفعہ کمرے سے باہر جھانکنا بھی گوارا نہ کیا۔ شرمندگی کے مارے سکینہ کی آنکھوں میں بار بار موتی چمکنے لگتے۔ احمد یار کی ماں نے انکو ساتھ لگا کر آنسو صاف کر دیئے۔

"بہن جی کیوں دکھ کرتی ہیں۔ نہ رویا کریں۔ اپنی ہی آنکھیں اندھی کرنی ہیں۔ اسکی تو بلا سے سارا دن روتی رہیں۔"

احمد یار سپیئر چابی سے دروازہ کھولنے کے بعد اندر آیا تو وہ تیز میوزک لگا کر بیڈ پر بیٹھی فیشن میگزین کے

ورقے پلٹ رہی تھی۔ احمد یار نے میوزک بند کر دیا۔ خود ایک کرسی کھینچ کر کمرے کے وسط میں بیٹھ گیا۔

''آج بنک والوں کا فون آیا تھا۔ کریڈٹ کارڈ سے کافی بڑی پیمنٹ دی گئی ہے۔''

''ہاں میں نے اپنے لیے کچھ چیزیں خریدی ہیں۔''

احمد یار نے سمجھنے والے انداز میں سر اثبات میں ہلایا۔ پھر گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''تم نے آج تک میرے بہن' بھائی' ماں باپ کی عزت کرنا بڑی دور کی بات انکے سلام کا جواب دینا بھی کبھی گوارا نہیں کیا۔ میں نے کبھی تم پر زور نہیں دیا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں۔ تم اپنے خود کے ماں باپ سے بھی اسی طرح پیش آتی ہو۔ جو انسان اپنے والدین تک کی عزت نہ کرتو ہو۔ وہ کسی دوسرے کو کیا سمجھتا ہوگا۔''

''پر ساحرہ بیگم یہ جو میرا بیٹا ہے ناں۔ یہ بڑا احساس قسم کا انسان ہے۔ ہر بات کو نوٹ کرتا ہے۔ ہر چیز کی سمجھ رکھتا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے۔ تم ادھر موجود ہو تو میرے بچوں کی وجہ سے۔ اتنے سالوں سے میں اس عذاب کو جھیل رہا ہوں۔ تو صرف و صرف اپنے بچوں کی وجہ سے۔ اپنے دل. کو سمجھا لیا جاتا ہے۔ معصوم ذہنوں کو سمجھانا احساس دلوانا مشکل کام ہے۔ کیونکہ جو مرضی ہو تم ماں تو ہو ناں چاہے نام کی ہی کیوں نہ ہو۔''

''میں نہیں چاہتا کہ کل کو تمہاری اولاد تمہارے نام سے بھی نفرت کرے۔''

''تم کیوں میرے اتنے سگے بنتے ہو۔ اور میری جوتی کو بھی پرواہ نہیں ہے۔ کیا کر لیں گے؟ زیادہ سے زیادہ نفرت کریں گے ناں مجھ سے کر لینے دو۔ کیا فرق پڑے گا۔ مجھے بھی اپنے ماں باپ سے نفرت ہے۔ کیا انہیں آج تک کوئی فرق پڑا۔ نہیں ناں؟ مجھے بھی نہیں پڑے گا۔ اب پلیز جاؤ یہاں سے۔''

احمد یار اگر جلد غصے میں آنے والا مرد ہوتا تو یہ بیل کب کا پار لگ چکا ہوتا۔ ابھی بھی اسکا ذہن اس کمرے میں نہیں بلکہ کہیں اور تھا۔ اس لیے وہ اس کو وہیں چھوڑ کر باہر آ گیا۔

☆......☆......☆

ڈالے شفٹ ختم ہونے پر اپنا سامان دراز میں ڈال کر تالا لگایا۔ چادر اوڑھی صفائی والے عملے کو ضروری ہدایت دیتی ہوئی جونہی باہر آئی۔ اسکو سامنے موجود پایا۔ باہر سیڑھیوں پر بیٹھا آنے جانے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ حلیہ صبح والا ہی تھا۔ رتی بھر تبدیلی واقعہ نہیں ہوئی تھی۔

ڈالے پر نظر پڑتے ہی سلامتی بھیجتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اسلام علیکم تم تو بہت دیر لگاتا ہے۔امارا گل بدن تو بوکا مر جاتا۔پر شکر اائے ام گھر جا کر اسکو کھانا پانی دے آیا ہے۔اب کوئی پھکر نئیں اائے۔''

''کب سے ادھر بیٹھے ہوئے ہو؟۔''

''ام چار بجے سے بیٹھی ہے۔''

''کل پورے چھ بجے آنا ہے۔اس سے پہلے نہیں۔''

''اوئے ہوئے تم اتنا دیر تک گھر سے بار رہے گا۔تمہارا ابا تم کو مارتا نائی اائے۔''

''چھ بجے کوئی دیر نہیں ہے۔ابھی تو کوئی اللہ معافی سیریس کیس نہیں آیا داخل کرنے والا ورنہ ہو سکتا ہے رات رکنا پڑ جائے۔اور نہیں میرا ابا نہیں مارتا کیونکہ وہ زندہ نہیں ہے۔''

''اوئے ہوئے۔۔اس کو کیا ہو گیا؟کب مرا تھا۔''

''بہت سال ہو گئے۔تب میں بہت چھوٹی تھی۔''

''اور تمارا ماٹ مطبل اماں وہ کدھر اائے۔''

''وہ ابا سے پہلے گئی تھیں۔وہ دونوں صرف مجھے دنیا میں لا کر پھینکنے کے لیے ہی آئے تھے۔جب میں پیدا ہو گئی۔باری باری بہانے بنا کر چلے گئے۔''

''اوئی۔۔۔اماں بی نئیں ہے؟۔۔تو تم رہتا کس کے ساتھ ہے؟۔۔''

''اکیلی رہتی ہوں۔''

''تم تو بڑا بہادر لڑکی اائے۔کیا تم کو غلیل چلانا آتی ہے؟''

''نہ کبھی نہیں چلائی۔کیا تمہیں آتی ہے۔''

''اوئے لاکا۔۔۔ام کو باتوں میں لگا کر کدھر کو جا رہا ہے۔تمارا گھر ادر کو اائے۔ادھر آگے نہیں جانے کا۔۔''

''مجھے علم ہے گھر ادھر کو ہے۔میں ادھر کسی سے ملنے جا رہی ہوں۔آنا ہے تو چپ کر کے آؤ ورنہ واپس جاؤ۔۔''

شیر بخت نے اسکو مشکوک نظروں سے دیکھا۔''تمارا میں پھر کوئی جن ون تو نہیں آ گیا۔''

''ہاں ایسا ہی سمجھ لو۔دعا کرو آج وہ بس آخری دفعہ ہی سہی ادھر موجود ہو۔مجھے اس سے بڑا ضروری سوال پوچھنا ہے۔''

''کس سے پوچھنا اے؟''

''جن سے۔۔''

''پر امارے گاؤں میں تو کہیں کوئی جن کا سایہ نہیں اے۔بس ایک لڑکی پر آیا تھا۔اوئے میں تو بھول گیا۔تمارے لیے ایک آدمی نے یہ دیا تھا۔''

ژالے جو کہ بڑے بڑے قدم اٹھاتی کل والی جگہ کے قریب پہنچ گئی تھی۔اسکی بات پر سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا پھر سے کوئی سیب یا کینو دے گیا۔ایک تو تم لوگ ہو بڑے مہمان نواز پتا آج دوپہر میں ایک لڑکی میرے لیے اتنا مزے کا کھانا لیکر آئی تھی۔بس مرچیں اس میں کم تھیں۔باقی سواد بہت تھا۔''

''نئیں سیب سوب کوئی نئیں یہ تھیلا دیا تھا۔اور بولا کپڑوں میں چھپا کر رکھ لو جب ڈاکدارنی گھر جانے کے لیے نکلے تب اسکو دے دینا۔''

ژالے کے قدم تھم گئے۔شیر بخت نے کپڑوں کی تہہ میں سے وہ بقول اسکے تھیلا اصل میں براؤن اینولوپ تھا۔ژالے نے دو قدم واپسی میں اٹھائے اور اسکے ہاتھ سے جھپٹنے کے انداز میں پیکٹ لے لیا۔

الٹ پلٹ کر دیکھا۔کوئی نام وغیرہ نہیں لکھا ہوا تھا۔

ایک طرف سے پھاڑ کر اندر جھانکا۔ایک دو کاغذ' پاکستانی کرنسی کے پانچ پانچ ہزار والے نوٹوں کا بنڈل اور ایک کالے رنگ کا نمبروں والا فون تھا۔

فون اور روپوں کو اندر ہی رہنے دیا۔کاغذ نکال کر کھولے۔

تعجب کا سامان تھا۔ژالے گل کے قبیلہ سردار اور ملحقہ دیہاتوں کے سرکاری کلینک زیادہ ہسپتال نام کے میں تقرری کے کاغذات تھے۔ژالے گل کے نام سے اسکا شناختی کارڈ بمعہ اسکی تصویر کے موجود تھا۔اب کم از کم

وہ کسی کو بھی اپنے کاغذات دیکھا کر مطمئن کر سکتی تھی۔

”پہلے کیوں نہیں بتایا۔“

”اس آدمی نے منع کیا تھا۔“

”کیسا آدمی تھا۔اور کس وقت دیکر گیا تھا۔“

”میں نے اسکا شکل نہیں دیکھا۔اس نے ٹوپی پہنا ہوا تھا۔چہرے کے آگے مفلر پڑا تھا۔اور جب میں آرہا تھا۔تو کھیتوں میں کھڑا ملا تھا۔ادھر ہی اس نے یہ دیا۔بولا جب چھٹی کر کے گھر کو جائے گی۔اسکو دے دینا۔“

”کیا وہ تمہارے گاؤں کا کوئی آدمی تھا؟“

”نائیں باہر کا تھا۔وہ تمہاری طرح اردو بول رہا تھا۔کیا کوئی غلط چیز دیکر گیا ہے۔“

”نہیں۔۔۔پر دیکھو آئندہ کبھی کہیں بھی وہ آدمی نظر آئے مجھے ضرور بتانا۔جو بھی دے لیکر رکھ نہ لینا اسی وقت بتانا ہے۔اب چلو گھر چلتے ہیں۔اپنے سردار کو اس بارے میں کچھ نہیں بتانا۔“

”کیوں؟۔۔“

”بھئی اسکا اسکے ساتھ کوئی تعلق نہی ہے۔تمہیں اپنی گل بدن کی قسم بولو نہیں بتاؤ گے۔نہ سردار خان کو نہ ہی کسی اور کو۔“

”گل بدن کی خاطر تو اپنا جان بھی حاضر ہے۔چلو کیا یاد کرے گا۔نہیں بتاؤنگا۔اب چلو گھر چلو۔۔“

واپسی کے راستے میں دونوں کو آدھا گھنٹہ لگ گیا۔حالانکہ اس وقت جتنی جلدی ژالے کو ہاسٹل پہنچ کر اپنے کمرے میں بند ہونے کی تھی۔سارا راستہ ایسے چل کر آئی جیسے پیچھے کوئی بلا چڑھی ہو۔کچھ اندھیرا بھی پھیل گیا تھا۔اس نے ساری چیزیں بیگ میں ٹھونس کر زور سے پکڑا ہوا تھا۔جیسے ذرا سا بھی گرفت ڈھیلی ہوئی بیگ گود سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوگا۔

جتنی سپیڈ سے وہ آئی تھی۔ہاسٹل میں لڑکیوں کی چہل پہل دیکھ کر اتنی ہی مایوسی ہوئی۔کیونکہ آج ایک ساتھ چار لڑکیوں کی سالگرہ تھی۔جس کے لیے انہوں نے ہال میں جھنڈیاں وغیرہ لگا کر انتظام کیا ہوا تھا۔کیونکہ وارڈن کسی بھی لڑکی کو نو بجے کے بعد نہ تو ٹی وی دیکھنے دیتی تھی۔نہ اکٹھے بیٹھ کر کسی قسم کا ہلا گلا کرنے کی اجازت تھی۔اس

لیے سالگرہ وغیرہ کی تقریب سات آٹھ بجے تک کر دی جانی ضروری ہوتی تھی۔

ژالے کو دیکھتے ہی ورشے نے سیٹیاں ماریں۔

''آیئے آپ کا ہی انتظار تھا۔ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر آ جائیں۔ آپکے استقبال میں یہ ساری پلٹون بھوکی بیٹھی ہے۔ پہلے کھانا کھایا جائے گا پھر کیک کٹے گا۔ اور ہاں ویسے تو آج میری سالگرہ نہیں ہے۔ پھر بھی از راہ مروت آپ ایڈوانس کے طور پر مجھے کوئی نیا جوتا' جوڑا' بیگ' شال کچھ بھی دینا چاہیں تو یو آر موسٹ ویلکم۔''

ژالے ہنستے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ آئی۔ سب سے پہلے بیگ کو الماری کے اندرونی دراز میں رکھ کر تالا مارا۔ پھر منہ ہاتھ دھو کر نیچے آ گئی۔ کھانے میں نمکین گوشت اور چاول بنے تھے۔ میٹھے میں کھیر۔ آج کا کھانا لڑکیوں نے خود بنایا ہوا تھا۔ کیک کٹا سب نے کھایا۔ گفٹ دیئے ژالے کے پاس گفٹ تو تھا نہیں۔ اس نے چاروں لڑکیوں کو پانچ پانچ سو روپیہ دے دیا۔ پھر جلد ہی تھکاوٹ کا بہانہ کر کے وہاں سے اٹھ آئی۔

کمرے میں آنے کے بعد سب سے پہلے اس نے دروازہ مقفل کیا۔

الماری کا دراز کھول کر بیگ نکالا بیگ میں سے خاکی لفافہ بیڈ پر خالی کر دیا۔

روپوں کے اوپر ربڑ لپٹا ہوا تھا۔ اٹھا کر انگلی پھیر کر اندازہ کرنا چاہا کہ کتنے ہو سکتے ہیں۔ بیس تیس ہزار سے زیادہ ہی لگے۔ اسکے بعد سارے پیپر ایک دفعہ پھر تسلی سے پڑھے۔ ہر جگہ اسکا نام ژالے گل لکھا ہوا تھا۔ سارا کچھ واپس لفافے میں ڈال دیا سوائے فون کے۔ بیگ واپس الماری میں رکھنے کے بعد فون کی باری آئی۔ جسے اس نے آن کیا۔

آن ہوتے ہی سکیرین پر پیغام آیا۔

''فار ایمرجنسی اونلی ڈائل دا نمبر پریزنٹ اِن دِس ڈیوائس۔ (صرف ہنگامی صورتحال کی صورت میں اس فون میں موجود نمبر پر کال کریں۔)۔'' اس نے فون بک کھولی وہاں صرف ایک نمبر پہلے سے موجود تھا۔ تھوڑی دیر تک دیکھتی رہی۔ پھر نمبر ملا دیا۔

دوسری جانب بیل جا رہی تھی۔ ژالے اپنے سیدھے ہاتھ کے ناخن چباتے ہوئے۔ کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ جب اسکو یقین ہو گیا کہ کوئی جواب نہیں ملنے والا تب دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا۔

''ہیلو۔۔؟۔۔''

آمنے سامنے ملاقات کے دوران جو آواز ہوتی تھی۔فون پر وہ مفقود تھی۔یہ آواز مختلف تھی۔باریک بالکل نہیں تھی۔ژالے کی پہلے تو سمجھ نہ آیا کہاں سے بات شروع کرے۔پھر بولی۔۔

''کیا تم وہی ہو۔؟۔''

''وہ ہی کون؟''

''جسکا یہ نمبر ہے۔''

''نمبر تو ظاہر ہے میرا ہی ہے۔مگر میں یہ نہیں جانتا تم کون ہو اور کس سے بات کرنی ہے۔''

''آج مجھے ایک لفافہ ملا ہے۔جس میں سے یہ فون نکلا ہے۔میں ژالے بول رہی ہوں۔مجھے اس آدمی سے بات کرنی ہے۔جو مجھے لاہور سے لیکر آیا تھا۔''

''ژالے گل؟۔۔''

''ژالے کا جی چاہا فون سامنے دیوار پر دے مارے۔

''ہاں ژالے۔۔''

''اس شخص کا نام کیا ہے۔جس کے ساتھ تم لاہور سے آئیں تھیں؟۔۔''

''مجھے اسکا نام پتا ہوتا تو یقین کرو اس وقت تمہارے ساتھ سر نہ کھپا رہی ہوتی۔''

''پھر مجھے کیسے علم ہوگا کہ کس سے بات کرنا چاہتی ہو۔''

ژالے ناامید ہونا شروع ہو رہی تھی۔ہوسکتا ہے یہ کوئی مذاق ہو۔ایویں اٹھا کر نمبر ملا دیا۔مزید پوچھنے لگی۔

''یہ کہاں کا نمبر ہے؟۔''

دوسری جانب سے بڑے شاہانہ انداز میں بتایا گیا۔

''پاکستان کا۔۔''

''وہ تو میں بھی جانتی ہوں۔پر پاکستان میں کس جگہ کا۔تم کون بول رہے ہو؟''

''اول یہ ایک موبائل فون کا نمبر ہے۔لینڈ لائن کا نہیں ہے۔اسلیے جگہ کا تعین کرنا مشکل ہے۔جہاں میں

جاتا ہوں۔وہیں میرے ساتھ فون جاتا ہے۔میرا نام خوشی محمد ہے۔''

ژالے رونے والی ہوگئی۔

''اتنا بوڑھوں والا نام ہے۔''

''دیکھولڑکی تم جو کوئی بھی ہو۔ایک پنتالیس سالہ آدمی کو بوڑھا کہہ کر جھوٹ نہ بولو نیلی ہوجاؤ گی۔''

پھر سے امید کی کرن جاگی۔

''اگر تم پنتالیس سال کے ہو۔تب تو تم کوئی اور ہو وہ نہیں ہو جس کے لیے میں نے فون کیا تھا۔دیکھو تمہارے قریب کوئی چھوٹے چھوٹے کنڈلیبالوں والا لمبا سا کلین شیو والا کوئی آدمی ہے۔جس کا رنگ بہت زیادہ کالا ہو۔اور سامنے کے دو دانت باہر کو نکلے ہوں۔وہ اپنی دائیں کلائی پر کیسیو کی سلور ڈائل کے اور ڈارک براؤن چمڑے والی گھڑی پہنتا ہو۔''

''اوہ کیا تم کالیا کی بات کر رہی ہو؟''

ژالے کا دل چاہا جی بھر کر روئے۔

''کیا اسکا نام کالیا ہے۔''

''ظاہری بات ہے۔گوریا تو ہو نہیں سکتا۔افریقہ سے آیا ہوا ہے۔امریکہ سے نہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔خوشی محمد کیا کالیا پاکستانی نہیں ہے؟۔''

''تم نے اگر اسے دیکھا ہوا ہے۔تو خود سے پوچھو ایسی شیڈ اللہ نے خاص افریقہ کے نصیب میں کی ہے۔ایک لطیفہ سنوگی؟۔''

وہ اسکا سوال نظر انداز کرتی صدمے سے بولی۔

''کیا اسکا مطلب یہ ہے کہ میں ایک افریقی کے نکاح میں ہوں؟۔''

''بھئی آواز سے تو معقول لڑکی لگ رہی ہو۔نکاح کرنے کو یہی ملا تھا۔اس میں انسانوں والی ایک بھی صفت نہیں ہے۔''

''خوشی محمد صاحب کیا آپ مجھے کالیا کے بارے میں کچھ معلومات دے سکتے ہیں۔''

"ایک منٹ ژالے تم ایک دم تم سے آپ پر کیسے آگئی ہو۔"

"پہلے میں جانتی جو نہیں تھی۔اب جب آپ نے بتایا آپ عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔تم کہہ کر مخاطب کرنا اچھا نہیں لگا۔پلیز مجھے کالیا کے گھر کا پتا بتا دیں۔وہ کہاں سے ہے؟۔کیا کرتا ہے؟"

"گھر تو اس نے ابھی بتایا نہیں ہے۔۔۔۔۔۔"

خوشی محمد کی آواز درمیان میں رہ گئی۔گاڑی کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔پھر پیچھے سے کوئی بولا۔آواز پہچانتے ہی لائن کی دوسری طرف وہ ساکت ہوگئی۔

"میں گاڑی کے ساتھ ٹریکنگ ڈیوائس لگا آیا ہوں۔مانیٹر آن کر کے اس پر نظر رکھیں۔جونہی جی پی ایس کے سگنل ملے مجھے گائیڈ کر دیں۔میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ رکا انکا غور سے جائزہ لیا۔چہرے پر بچے کے رنگِ ہاتھوں پکڑے جانے والے تاثرات تھے۔

"میرا فون آپکے کان سے کیوں لگا ہوا ہے؟۔"

"میری دوست کی کال آئی ہے۔وہ سن رہا ہوں۔"

دوسرے پل اس نے انکے ہاتھ سے فون کھینچ کر بند کر دیا۔اپنی سیٹ پر سنجیدہ چہرہ لیے بیٹھا۔ونڈ سکرین سے سامنے دیکھنے لگا۔فون بڑی سی ہتھیلی کے اندر چھپ گیا تھا۔

کافی دیر خاموش بیٹھ کر اپنے اندر اٹھتے ابال کو کنٹرول کرنے کے بعد بولا تو آواز دھیمی تھی۔

"پلیز مجھے بتائیں آپ نے ژالے کو میرا نمبر نہیں دیا ہے۔"

وہ شرمندہ بالکل نہیں تھے۔بس ڈرامہ کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔

"میں نے آپ سے ہی ہر چیز سیکھی ہے۔کیسے اپنے کام کے ساتھ مخلص رہنا ہے۔کیسے دوسرے لوگوں کو انکی ہی بہتری کے لیے خود سے دور رکھنا ہے۔مجھے یقین نہیں آرہا کہ آپ نے بذات خود آج اتنا بڑا اصول توڑ دیا۔آپ بھول رہے ہیں۔تو یاد دلواؤں کہ آپ اس کو کتنے بڑے خطرے میں دھکیل رہے ہیں۔سر اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ ہم سے دور رہے۔"

اتنی بات کہہ کر گاڑی سے اتر گیا۔

لمبے لمبے قدم اٹھاتا دوسری گلی میں کھڑی اپنی سواری کی جانب جارہا تھا۔ جب فون کی وائبریشن ہوئی۔ اس نے آنکھیں گھماتے ہوئے کال اٹھائی اور تحکم سے بولا۔

''میں تمہیں دو گھنٹے بعد کال کرونگا۔ واپس فون مت کرنا۔''

فون بند کر کے اپنی جیب میں ڈالا۔ اردگرد زندگی پورے جوش سے رواں دواں تھی۔ گاڑیوں' رکشوں' موٹر سائیکلوں کے ہارن۔ لوگوں کی آوازیں۔ آتے جاتے لوگ۔ کھانے پینے کی دکانوں کے باہر رش۔ وہ ایک مصروف چورائے کا سین تھا۔ جس میں ایک ساٹھ سالہ آدمی اپنی لمبی کالی وسفید داڑھی۔ کھلے تریزوں والے کرتے کے ساتھ ٹخنوں سے اوپر اٹھی شلوار اور پیروں میں پشاوری چپل پہنے۔ سر پر سفید ٹوپی' کاندھے پر سفید ململ کا کپڑا اڈالے ڈرائی فروٹ والے سٹال سے دو کلو مونگ پھلی کے ساتھ آدھا کلو پستہ خریدنے کر اندر گلی میں کھڑی اپنی کالے رنگ کی فور وہیلر جیپ لار یڈو میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس جگہ پر کھڑے ہونے کا اب چونکہ کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جس کام کے لیے رکا تھا۔ وہ کرلیا گیا تھا۔ اسلیے پہلے اس نے گاڑی یونہی گلیوں میں ادھر ادھر گھمائی صرف یہ دیکھنے کے لیے آیا کوئی شک میں آکر پیچھا تو نہیں کر رہا۔ جب اکیلے پن کا احساس ہوا تو۔ گاڑی ایک پارکنگ آلاٹ میں روک دی۔ اب اسکو سگنل ملنے پر ایکشن لینا تھا۔ گاڑی کا انجن بند کر کے اس نے اپنے ہولسٹر میں پڑے ویلسن نائنٹین الیون کو ہاتھ لگا کر اسکی موجودگی کی تصدیق کی۔

دماغ کو دوسری جانب سے ملنے والے سگنل کا انتظار تو تھا ہی مگر ایک کونے میں ڑالے بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اندرونی جیب میں رکھا فون خاموش ہونے کے باوجود توجہ کھینچ رہا تھا۔ وہ اس وقت یہ چاہتا تھا۔ ڑالے دماغ سے نکل جائے۔ اپنا فون ضائع کر دے۔ مزید منصوبہ بناتا مگر دوسری جانب سے ٹیکسٹ میسج آ گیا۔

''ٹارگٹ اون موو۔۔''

اس نے گیارہ انچ کے ٹیب پر ٹائپنگ شروع کی۔

''ڈائیریکشن اوف دا موومنٹ۔۔؟''

ساتھ ہی دوسری جانب سے چار لائینوں کا میسج آیا۔ جس میں مختلف سڑکوں کے نام دوج تھے۔ جہاں سے وہ گاڑی گزر رہی تھی۔ جس کا پیچھا کیا جارہا تھا۔

اس نے ٹیب گود میں ڈالا اور انجن کی چابی گھمائی۔ گاڑی میں زندگی کی لہر دوڑتے ہی اس نے گاڑی پارکنگ لاٹ سے نکال لی۔ نارمل سی سپیڈ کے ساتھ مطلوبہ سمت کی جانب بڑھنے لگا۔ کیونکہ اسکو ٹارگٹ کی آخری مقام چاہیے تھا۔

دس منٹ بعد ٹیب کی سکرین روشن ہوئی۔

''ٹارگٹ سٹاپڈ ایٹ''

آگے راولپنڈی کے ایک پوش علاقے میں موجود بنگلے کا ایڈریس تھا۔ وہ اس جگہ کو جانتا تھا۔ گاڑی کا گیئر بدل کر سپیڈ بڑھادی۔

بنگلے کے قریب پہنچ کر پہلے ایک سارا راؤنڈ چکر لگایا۔ پھر گاڑی کچھ بلاک ہٹ کر روک دی۔

دو منٹ بعد جب وہ گاڑی سے نکلا کالے لباس میں رات کا حصہ معلوم ہو رہا تھا۔ آدھے گھنٹے کے اندر اپنے کام کا پہلا حصہ مکمل کر کے واپس گاڑی میں آ گیا۔

اپنے ٹیب کی سکرین کا سیکیورٹی لاک کھول کر جلدی سے اسے کنیکٹ کیا۔ اب اس کے پاس تین مختلف کیمروں سے ملنے والی وڈیو براہِ راست نظر آ رہی تھی۔ پہلے کیمرے سے گیراج میں کھڑی تین گاڑیاں گارڈ اور آتے جاتے نوکر نظر آ رہے تھے۔ اسکا مین فوکس لال رنگ کی ہونڈا تھی۔

دوسرا کیمرہ بنگلے کے عقب کا سارا منظر تھا۔ جہاں چار سیکیورٹی کے آدمی بمہ اسلحہ آن ڈیوٹی تھے۔ اگلے حصے کی جانب تین اسلحہ بردار موجود تھے۔

تیسرے کیمرے میں گھر کے اندر کا منظر دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ اس نے اس کیمرے کو مزید زوم اِن کیا۔ اب سیٹنگ روم ہونے والی پارٹی کا منظر تھوڑا واضح دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی اپنی گاڑی کے شیشے کالے تھے۔ اب اسکو ایک دفعہ پھر یہاں بیٹھ کر انتظار کرنا تھا۔ تیسرا کیمرہ اس کے مطلوبہ بندے پر فوکس تھا۔

اپنی سیٹ کو پیچھے کہ جانب گرایا ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا۔

جیب سے فون برآمد کر کے نمبر ملایا۔

دوسری جانب ژالے جو کہ تب سے فون ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔ بیل پر ہڑبڑا اٹھی۔ چھوٹتے ساتھ بولی۔

"مجھے امید نہیں تھی تم واپس فون کرو گے۔"

"پھر بھی تم انتظار میں بیٹھی تھیں۔"

"بالکل بھی نہیں میں تو سو رہی تھی۔"

"بڑی بات ہے نیند میں ہونے کے باوجود دوسری بیل پر کال اٹھالی۔ جاگتے میں تو کالر کے فون کرنے سے پہلے ہی اٹھالیتی ہوگی۔"

چوری پکڑی جانے پر ژالے نے الٹا حملہ کر دیا۔

"کالیا میں تم سے ایک بات پوچھونگی انکار مت کرنا۔ سچ بتانا۔"

کالیا خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔

"میں تمہیں صرف اتنا سچ بتانے کا پابند ہوں۔ جسکا تعلق تمہاری ذات سے ہوگا۔ باقی کا سچ جاننے کا تم تجسس نہ ہی پالو تو بہتر ہوگا۔"

"کیا تم نے میرے منگیتر کو قتل کیا ہے؟"۔

اسکی نظریں کمرے کے وسط میں ناچتے آدمی پر جمی ہوئی تھیں۔ دانت ایک دوسرے پر سختی سے جمے ہوئے تھے۔ "اگر وہ تمہارا منگیتر تھا۔ تو تم اسکو چھوڑ کر فرار کیوں ہوئی تھیں؟"۔

"کالیا یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ سچ اگر تم نہ بھی بتاؤ پر اتنا تو میں سمجھ چکی ہوں۔ تم ایک اچھے آدمی نہیں ہو۔ راحیل کو تم نے ہی مارا ہے۔ ابھی خوشی محمد کو جو تم نے بتایا۔ جی پی ایس وغیرہ میرا شک یقین میں بدل گیا ہے۔ ایک عام یا الیکٹریشن اپنی بیوی سے یوں منہ چھپا کر کیوں ملے گا۔ کہیں بھی چھوڑ کا غائب کیوں ہو جائے گا۔ پلیز بتا دو کہ تم کیا کرتے ہو۔"

"اگر برداشت کر سکتی ہو تو سن لو۔ میں بندے مارتا ہوں۔ عین دونوں آنکھوں کے درمیان گولی مارتا ہوں۔ راحیل کو بھی میں نے ہی مارا ہے۔ میرا بڑا پرانا دشمن تھا۔ ہے۔ دیکھو ژالے تمہاری پہلی زندگی کے لمحے لمحے سے میں واقف ہوں۔ تم نے کس سکول سے میٹرک کیا۔ کس کالج سے ایف ایس سی کی۔ کس میڈیکل کالج سے

ڈاکٹری کی۔ تمہاری کتنی لڑکیوں سے دوستی تھی۔ ان میں سے ایک ایس ایس پی کی بیٹی تھی۔ ایک کے پاؤں میں پولیو تھا۔ تمہیں کس دن کون سا ڈرائیور چھوڑنے جاتا تھا۔ تمہاری چچی نے ساری زندگی تمہیں تمہاری ماں کے حوالے سے ٹارچر کرنے کا کوئی موقع نہیں جانے دیا ہے۔ تم راحیل سے کس قدر نفرت کرتیں تھیں۔ الف سے یے تک گن گن کر ہر بات بتا سکتا ہوں۔ اسلیے نہیں کہ میں نے کوئی حالیہ ریسرچ کی ہے۔ اسلیے ژالے کہ میں تمہاری ساری زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا آیا ہوں۔ تمہارے بارے میں کوئی بات میرے سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تمہارے بارے میں بہت سی ایسی باتوں سے واقف ہوں جو تم خود بھی نہیں جانتی ہو۔''

''تمہیں اللہ کا شکر کرنا چاہیے۔ میرے کو بندے تمہیں لینے آنے سے پہلے تم اس لڑکی کے ساتھ وہاں سے چلی گئیں تھیں۔ کیونکہ میرا پروگرام تمہیں لاہور واپس چھوڑ کر آنے کا تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو تم نے بھی اس وقت راحیل کے پاس موجود ہونا تھا۔ سمجھ رہی ہو میں کیا کہہ رہا ہوں؟ وہ لوگ کل بھی تم سے بھاگتے تھے۔ آج تو تم پر انکا اکلوتا بیٹا مارنے کا الزام آ رہا ہے۔ جو تھوڑا بہت لحاظ اس گھر میں تمہارے ساتھ ہوتا تھا۔ وہ تمہارے باپ کی چھوڑی ہوئی دولت کی وجہ سے تھا۔ مگر آج وہ لوگ سب سے قیمتی سرمایہ کھو کر زخمی بیٹھے ہیں۔ وہ چیپٹر ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ جتنی جلدی مان جاؤ گی۔ اتنی جلدی اپنی زندگی کو لائن پر لا سکو گی۔ تمہارے پاس جاب ہے۔ اچھی کہانی بنا کر وہاں جگہ پانے میں کامیاب ہوئی ہو۔ میرا مشورہ ہے اپنی نئی زندگی شروع کرو۔ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا۔''

ژالے دم سادھے بیٹھی صرف سن رہی تھی۔ آنسو آنکھوں میں جم کر رہ گئے تھے۔

''جہاں تک رہی میری بات میں نے صرف تمہاری وقتی طور پر مدد کی ہے۔ اب آگے کا راستہ تمہیں خود تلاشنا ہوگا۔ بہتر ہوگا اگر آئندہ یہ نمبر نہ ملاؤ۔ اپنے فون میں سے اسکو ڈیلیٹ کر دینا۔ البتہ فون کو زیر استعمال رکھنا چاہو تو رکھ سکتی ہو۔ مگر لاہور کا نمبر کبھی بھول کر بھی مت ملانا۔ نہ صرف تم اپنے آپ کو خطرے میں ڈالو گی۔ مگر ان سب لوگوں کو بھی جو تمہاری مدد کر رہے ہیں۔

ابھی مجھے ضروری کام سے جانا ہے۔ اپنا خیال رکھنا۔۔۔۔ اللہ حافظ ژالے۔۔''

لائن کٹ گئی۔

ڈالے کا نچلا لب دانتوں میں دبا ہوا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ بے رنگ پانی قطرہ قطرہ پگھل کر گرتا رہا۔

☆......☆......☆

کچھ اور بھی ہیں کام ہمیں اے غمِ جاناں

کوئی کب تک الجھی ہوئی زلفوں کو سنوارے

پونے دو بجے وہ اپنی گاڑی سے نکلا تو ہوسٹر میں اسکا ویلسن نائینٹین الیون اور بنالی ایم ون کندھے پر پیچھے کی جانب لٹکی تھی۔ ویسٹ بینڈ کے ساتھ رسی کا گچھا بندھا تھا۔ ٹانگ کے ساتھ خنجر لگا تھا۔ بیک پیک میں ٹیپ موجود تھا۔ جو کہ خاص مقصد کے لیے تھا۔

وہ اپنی پوری تسلی کر چکا تھا۔ گھر کے اندر کل گیارہ آدمی اسلحہ بردار تھے۔ اگر آمنے سامنے مقابلہ ہوتا تو وہ ویلسن کی بجائے بنالی کو استعمال کرنا پسند کرتا۔

براہ راست اس گھر میں داخل ہونا۔ زیادہ شور وغل کا باعث بنتا جبکہ اسکی آج کی رات پوری کوشش یہی تھی۔ کم سے کم آواز پیدا ہو۔ کیونکہ یہ ایک رہائشی علاقہ تھا۔ ایک پلس پوائنٹ یہ تھا۔ پولیس سٹیشن چار میل کی دوری پر تھا۔ اگر فائر ہونے کی صورت میں کوئی پولیس کو فون کرتا بھی تو انکے آنے میں پندرہ بیس منٹ لگ جاتے۔

اپنے مطلوبہ بنگلے سے پہلے والے بنگلے کی دیوار ایک جست میں عبور کرنے کے بعد ڈرین پائپ کی مدد سے چھت تک آیا۔ اسکے بوٹ کا میٹریل ایسا تھا۔ کہ قدموں کی ذرا آواز نہ پیدا ہوتی۔

دوسری چھت پر رسی پھینک کر لائن بنانے کے بعد ہوک لگا کر سلائیڈ کرتا ہوا بنگلے کی چھت پر پہنچ گیا۔ اس عمل میں سارے تین منٹ لگے تھے۔ جس کمرے میں وہ آدمی موجود تھا۔ وہ کمرہ دوسری منزل پر تھا۔

منڈیر کے ساتھ مضبوطی سے رسی باندھ کر اس کے ذریعے سر نیچے اور پاؤں اوپر کی جانب کر کے الٹا نیچے کھڑکی کی جانب لٹک کر جب کھڑکی کے قریب آیا تو وہ تھوڑی سی کھلی ملی۔ تھوڑی سی اور کھولنے کے بعد اس نے اپنی ٹانگوں کی گرفت رسی پر ڈھیلی کی اور گھوم کر کھڑکی کے اندر کود گیا۔

پیروں کے نیچے قالین ہونے کی وجہ سے آواز پیدا نہ ہو سکی۔

اس نے سب سے پہلے کھڑکی بند کر کے پردے برابر کئے پھر بیڈ پر لیٹے دونوں افراد میں سے ایک کا چہرہ غور سے دیکھنے کے بعد جیب میں سے ٹیپ نکال کر اس آدمی کے منہ پر لگائی۔ پھر دونوں ہاتھ کمر کے پیچھے باندھ کر ان پر ٹیپ لپیٹی۔ اسی طرح پاؤں بھی باندھنے کے بعد اسکو ہیڈ بورڈ کے ساتھ سیدھا کر کے بیٹھا دیا۔

جسکو احتجاج کرنے کا ایک سیکنڈ بھی نہ ملا تھا۔ اب آنکھیں پھاڑ کر سامنے نظر آنے والے نقاب پوش کو دیکھ رہا تھا۔ منہ سے گھٹی گھٹی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اس دوران ساتھ سوئی برہنہ عورت اٹھ کر شور مچانے کے فل پروگرام میں تھی۔ جب اس نے ویلسن نکال کر اس پر تاننے کے بعد اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کی تاکید کی۔

''اپنے کپڑے پہنو اور چپ چاپ ادھر اس آدمی کے ساتھ بیڈ پر بیٹھ جاؤ۔ اگر شور کر کے کسی کو متوجہ کرنے کی کوشش کروگی۔ اس صورت میں اپنی ہی جان سے جاؤ گی۔''

وہ لڑکی کانپتی ہوئی ٹانگوں سے جلدی جلدی اپنے کپڑے پہننے کے بعد بیڈ پر بیٹھ گئی۔

اس نے بیگ میں سے ٹیب نکال کر ایک ویڈیو کال ملائی۔ اور کرسی کھینچ کر بیڈ کے سامنے پر تھوڑا ہٹ کر بیٹھنے سے پہلے کمرے کی مین لائٹ جلادی۔ بیگ میں سے ایک لوہے کی چھڑی نکال کر کھولی جو ایک سٹینڈ کی شکل اختیار کرگئی۔

اس پر ٹیب اس طرح سے لگائی کہ اس کس منہ بیڈ کی جانب تھا۔

کال اٹھائی گئی۔ تو وہ دوسری جانب موجود عورت سے مخاطب ہوا۔ جو کالیا کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بلکہ بیڈ کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ جس نے اسکے حواس پر بجلی گرانے کا کام کیا تھا۔

''مسز مختار احمد میں آپ کو رات کے اس وقت تکلیف دینے کے لیے انتہائی معذرت خواہ ہوں۔ مگر یہ سب کرنا ضروری تھا۔ تا کہ آپ اس آدمی کے اصل روپ سے واقف ہوسکیں۔ اب کیا آپ مجھے بتاسکتی ہیں۔ آپ اس شخص کو پہچانتی ہیں۔ یا نہیں۔''

''یہ ایم پی اے مختار احمد ہے۔ میرا شوہر مگر یہ تو کام کے سلسلے میں دبئی گیا ہوا تھا۔ اسکے ساتھ یہ لڑکی کون ہے۔ اور یہ سب کچھ کیا ہے۔ کون بول رہا ہے؟''

''آپ کا شوہر دبئی میں نہیں ہے۔ اس وقت راولپنڈی میں موجود ہے۔ اسکے ساتھ اسکی رکھیل بیٹھی ہے۔ پلیز اس عورت پر غصہ نہ ہوں۔ یہ تو کٹھ پتلی ہے۔ میں آپکی توجہ اصل فنکار کی جانب دلوانا چاہتا ہوں۔ یہ عورت جو اسکے ساتھ موجود ہے۔ یہ زور زبردستی نہیں بلکہ اپنی مرضی سے یہاں موجود ہے۔ اس کے جیسی مزید تین اس اور اس وقت اسی گھر میں آپکے شوہر کے دوستوں کو ساتھ دے رہی ہیں۔ انکا بھی پیٹ ہے۔ اپنے انداز میں قمار ہی ہیں۔ اصل چیز جو ہے وہ ابھی آپکے سامنے آئے گی۔ اگر بات آپکی برداشت سے باہر ہو جائے تو آپ یہ کال بند کر سکتی ہیں۔''

پھر وہ مختار احمد کی سے مخاطب ہوا۔

''مختار احمد اگر تمہیں یاد ہو تمہارا ایک ڈرائیور تھا۔ سکندر علی۔۔ پچیس چھبیس سالہ جوان۔ تم اسکی شادی پر بھی گئے تھے۔ کچھ یاد آ رہا ہے یا نہیں؟؟ اسکی شادی کے پورے ایک ماہ بعد اسکی بیوی غائب ہو گئی تھی۔ سکندر علی مدد کے لیے سیدھا تمہارے پاس آیا تھا۔ تم نے اسکو وعدے وعید سنا کر رخصت کر دیا۔ چونکہ تم نے ایک سے زیادہ مرتبہ سکندر کے گھر چکر لگایا تھا۔ بہانے بہانے سے اسکی بیوی کا تذکرہ چھیڑتے تھے۔ اس سب کی بناہ پر سکندر علی کا شک تم پر گیا تھا۔ اور اسکی تصدیق اس وقت ہو گئی جب اس نے تمہارے خلاف پرچہ کٹوانا چاہا تو کسی نے بھی پرچا نہیں کاٹا۔ بڑی تگ و دو کے بعد اگر پرچہ درج بھی ہوا تو تمہاری ایک فون کال نے وہ خارج کروا دیا۔ وہ بچہ پچھلے دو ماہ سے در در کی خاک چھان کر انصاف ڈھونڈ رہا ہے۔ اور جس نے انصاف دینے کے نام پر ووٹ لیے تھے۔ جو اسی سکندر علی کے دیئے گئے ٹیکس سے تنخواہ لیکر پلتا رہا ہے۔ اسی محافظ نے جن کی حفاظت کرنے کا حلف اٹھایا تھا۔ انہی کی بوٹیاں کر کے کھا گیا۔''

''بتاؤ کیا تم نے سکندر کی دونوں ٹانگوں پر گولیاں مروا کر اسے مرنے کے لیے نہیں چھوڑا؟ تمہیں اس باغ کی رکھوالی کے لیے مقرر کیا گیا۔ پر تم نے پھولوں کو کھلنے سے پہلے ہی نوچ نوچ کر پھینکنا شروع کر دیا۔ بے غیرت انسان تیری اپنی بھی تو جوان بیٹیاں ہیں۔ کس منہ سے انکے سامنے جاتا ہے؟''

''میں تم سے پہلی اور آخری مرتبہ پوچھونگا۔۔ سوچ سمجھ کر جواب دینا۔ اگر جواب میری مرضی کا نہ ہوا تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔''

"مجھے بتاؤ سکندر علی کی بیوی اس وقت کہاں ہے۔"

آگے بڑھ کر اس نے مختار احمد کے منہ پر لگی ٹیپ پورے زور سے کھینچ کر اتار دی۔

ٹیپ کے ساتھ مختار علی کی مونچھوں کے کئی بال چپک کر اتر آئے تھے۔ مگر منہ کھلتے ہی اس نے گالیوں اور دھمکیوں کی بھرمار کر دی۔

"تو جو کوئی بھی ہے۔ آج ادھر سے زندہ واپس نہیں جائے گا۔ ایسی موت مرے گا کہ موت پناہ مانگے گی۔ حرامزاد۔۔۔۔۔"

بات اس کے منہ میں ہی رہ گئی۔ کالیا کے سیدھے ہاتھ کا مکا اسکے منہ پر سامنے کی جانب اتنی زور کا لگا تھا کہ سامنے دو دانت اڑ کر دور گرے تھے۔ اور ناک سے لہو کی پھوار ہ وٹ نکلی۔ پینتس چھتیس سالہ مختار احمد کراہ کر پیچھے کو گرا تو سر بورڈ سے ٹکرایا۔

مسز مختار اب میں یہ کال بند کر رہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ آپ اس قوم کی عظیم بیٹی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اس شخص کی موت پر ایک آنسو تک نہ بہائنگی باقی کی رپورٹ کل کے اخبار اور ٹی وی چینلز پر دیکھ لیجئے گا۔ اللہ حافظ"

اس نے ٹیب واپس بیگ میں ڈالی۔ اور مختار احمد کی طرف آیا۔ جو ایک طرف کو لڑھک کر کراہ رہا تھا۔

"سالے یہ میرا ملک ہے۔ میرا غریب روٹی کے لیے مر رہا ہے۔ اور تمہارے ساتھ تین تین سکیورٹی کی گاڑیاں ہوتی ہیں۔ دس بندے تمہارے آگے پیچھے اسلحہ لیکر پھرتے ہیں۔ آج ان سب کی موجودگی میں تجھے مارونگا۔ تیرے پالے ہوئے کتوں میں سے کوئی ایک بھی تجھے بچانے والا نہیں ہے۔ اس لیے اب کے جواب میں سچ بولنا۔"

"سکندر علی کی بیوی کہاں ہے؟؟۔۔"

"ن نیچے تہہ خانے میں۔۔۔"

ایک مکے نے ہی اسکا کام کر دیا ہوا تھا۔ کالیا نے اسکو کھینچ کر بیڈ سے اتار کر کھڑا کیا۔ صوفے پر پڑا تولیہ اسکی جانب اچھالا۔

''اس کے ساتھ اپنا منہ صاف کرو۔اور دروازہ کھول کر مجھے تہہ خانے تک لیکر چلو۔''

''میرے آدمی تمہیں۔۔۔۔''

ایک دفعہ پھر اسکی بات منہ میں رہ گئی۔کالیا نے اسکے کندھے کے درمیان ایسی ضرب ماری تھی۔کڑک کی آواز کے ساتھ ہی مختار احمد تڑپنے لگا۔زمین پر گرا۔کالیا نے پھر سے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ایک نظر کمرے میں موجود لڑکی پر ڈالی اور بولا۔

''اگلے آدھے گھنٹے کے اندر یہاں سے نکل جاؤ۔پولیس کی ریڈ ہونی ہے۔''

مختار احمد تہہ خانے کے راستے میں کراہتا ہی گیا تھا۔پر نہ تو کسی کمرے کا دروازہ کھلا نہ ہی کوئی گارڈ ادھر کو آیا۔یا تو وہ لوگ سو گئے ہوئے تھے۔یا پھر باہر ہی فوکس تھا۔

تہہ خانے کا لاک باہر سے کھول کر اندر قدم رکھتے ہی کالیا کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔

کمرے کے درمیان پنکھے سے دوپٹہ باندھ کر ابنِ مریم نے نہ جانے اپنی سزا ختم کر لی تھی یا زندگی۔

ویلسن کو پیٹھ پیچھے پینٹ میں اڑھسا کر آگے بڑھا ٹانگوں سے تھام کر لڑکی کو اونچا کیا۔چاکو نکال کر اوپر سے دوپٹہ کاٹ دیا۔زمین پر ڈال کر نبض ٹٹولی تو احساس ہوا نہ جانے کب کی رک چکی تھی۔ایک درد کی لہر پورے تن بندن میں پھیلی تھی۔اس کے پاس وقت نہیں تھا۔جلدی سے بیڈ میٹرس کی چادر کھینچ کر اس میں لاش لپیٹ کر کندھے پر ڈالی اور مختار احمد کی کنپٹی پر پسٹل تان کر باہر کو نکل آیا۔جونہی سیٹنگ روم میں پاؤں رکھا۔آگے سے تین لوگ ملے اس سے پہلے کہ وہ کوئی کاروائی کرتے۔کالیا نے دو کی ٹانگوں پر فائر کیا اور اونچی آواز میں دھاڑا۔

''خبردار اگر گولی چلانے کا سوچا بھی تو۔۔۔اس آدمی کی کھوپڑی اڑا دونگا۔''

مختار نے خود ہی کسی کو بھی گولی چلانے سے منع کر دیا۔

مختار کی ہی کار میں پچھلی سیٹ پر خاموش لڑکی کو ڈالا آگے مختار کو دھکا دیکر پھینکا۔جس کی چیخیں اسکی ساری نوکروں کی فوج نے سنیں۔دوسری دونوں گاڑیوں کے ٹائر فائر کر کے ناکارہ بنانے کے بعد ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی۔اگلے دو منٹ کے اندر گاڑی ہوا سے باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھی۔

ایک ہاتھ سے سٹیرنگ کو قابو رکھ کر دوسرے ہاتھ سے کال ملائی۔دوسری جانب سے جواب آتے ہی بولا۔

''میری گاڑی وہاں سے غائب کروائیں۔اور اگلے پانچ منٹ میں طے شدہ مقام پر پہنچ جاؤنگا۔سکندر علی کو وہاں لے آئیں۔''

پانچ منٹ بعد گاڑی ایک ویرانے میں رکی۔وہ باہر نکلا۔تب ہی دو تین آدمی اندھیرے میں سے نکل کر سامنے آئے۔ایک نے پچھلی سیٹ پر موجود لاش کو نکالا اور واپس اندھیرے میں غائب ہوگیا۔

کالیا نے مختار احمد کی جانب کا دروازہ کھولا۔جہاں وہ شلوار اور بنیان میں بے حال سا بیٹھا کراہ رہا تھا۔اس سے اپنی گردن اوپر نہیں اٹھائی جا رہی تھی۔مگر موت کو بالکل سامنے دیکھ کر وہ منمنانے لگا۔

''م مجھے مار مت۔۔۔۔۔!!''

کالیا بیساکھی والے جوان سے مخاطب ہوا۔

''میں بڑا شرمندہ ہوں۔مجھے دیر ہوگئی۔تمہاری بیوی کو بچا نہیں سکا ہوں سکندر پر تمہارے مجرم کو تمہارے سامنے لے آیا ہوں۔اسکے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔تمہارے پاس دو منٹ کا وقت ہے۔اسکے بعد یہاں پر رکنا خطرناک ہے۔''

ساتھ ہی اس نے اپنا پسٹل سکندر کے ہاتھ پر رکھا۔

''سر باعصمت عورت کے سر سے دوپٹہ اتارا جانا ہی اسکی موت سے کم اذیت کا عمل نہیں ہوتا۔دو ماہ میں نہ جانے کتنی بار مری ہوگی۔اب تو وہ سکون کی نیند سوگئی ہے۔میرے ہاتھ اس ہتھیار کا وزن اٹھانے سے انکاری ہیں سر میں چاہتا ہوں۔آپ اسکو زندہ نہ چھوڑیں۔''

سکندر نے پسٹل واپس کالیا کی جانب بڑھا دیا۔اس نے فقط ایک پل کو سکندر کی آنکھوں میں تیرتے غم کو دیکھا تھا۔فضا میں ایک گولی کی آواز گونجی اسکے بعد خاموشی کو پولیس کے سائرن نے توڑا۔۔۔۔۔۔

☆......☆......☆

گزرنے والی رات ژالے کے لیے آگہی کی رات ثابت ہوئی تھی۔اس نے وہ سب کچھ اس آدمی کی زبان سے سنا تھا۔جس کے بارےمیں تصور میں بھی نہ سوچا تھا۔وہ اس قدر دور ہو کر اتنا قریب کیسے تھا۔اسکے خیال میں تھا کالیا کوئی چھوٹا موٹا کریمنل ہوگا۔مگر اب ادراک ہوا۔وہ چھوٹا موٹا واردتیا نہیں بلکہ کوئی بہت بڑی بلا تھا۔ابھی

تک حیرت سے اسکا دماغ نم تھا۔

بے اختیار یاداشت کے پردے پر ایک کے بعد ایک فلم چلتی جا رہی تھی۔کالیا کی کہی ہر بات کی تصدیق کرنے والے وہ واقعات تھے۔جوڑالے کی چھوٹی عمر سے لیکر جوانی تک اس کے گرد رونما ہوتے آئے تھے۔ہر سال سالگرہ والے دن ڈاک کے ذریعے ہمیشہ بڑا قیمتی سا گفٹ موصول ہوتا۔وہ ڈاک کبھی بھی گھر کے پتے پر نہیں آئی تھی۔ ہمیشہ سکول و کالج میں براہ راست آتی۔ پہلے پہل اس نے سمجھا شائد اسکی کزن وغیرہ سرپرائز دینے کو ایسا کرتی ہیں۔مگر جب گھر میں ذکر کرنے پر ہر دفعہ تائی ایک طوفان کھڑا کر دیتیں۔اس نے گھر پر بتانا چھوڑ دیا۔باہر ہی ریپر کھول کر گفٹ اپنے بیگ میں چھپا کر گھر جانے پر بوا کو چھپانے کے لیے دے دیتی۔ان چیزوں کو نکال کر دیکھنے کا موقع اس وقت ہی ملتا جب تائی یا تو گھر پر نہ ہوتیں۔یا سب سو رہے ہوتے۔ورنہ سو طرح کے سوال ہوتے۔یہ سب کہاں سے آیا۔تائی کا سارا شک اپنے شوہر پر جاتا۔یقیناً وہ بیوی سے چھپ کر بھتیجی کو جیولری' چین' گیمز وغیرہ لیکر دیتا ہوگا۔وقت اسی طرح گزرتا گیا۔پر آج سے پہلے یہ راز ہی تھا کہ وہ کون ہوگا جو یہ سب کچھ بھیجتا ہوگا۔کالیا کی باتوں نے اتنا یقین دے دیا۔وہ ہی ہوگا۔مگر کیوں؟ وہ اسکا کیا لگتا ہے؟ کیا اس نکاح سے پہلے بھی دونوں کے درمیان کوئی تعلق تھا۔جس سے وہ لاعلم تھی۔ہوتا ہے نا کئی فلموں میں بچپن کا منگیتر یا نکاح۔۔۔مگر ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔وہ اسکے بارے میں اتنا کچھ جانتا ہو پر سامنے نہ آئے۔ کیوں؟"

سوچ سوچ کر اسکے دماغ کا رائتہ بن رہا تھا۔وہ سارے پل بھی ازبر تھے۔جب دل کو سو فیصد یقین ہوتا کوئی نظر اسکو سیکھ رہی ہے۔وہ اپنے چاروں اور نظر دوڑا کر بار بار دیکھا کرتی پر کوئی ایسا فرد نظر نہ آتا جو ٹکٹکی باندھے اسکو دیکھتا پایا جاتا ہو۔پر یہ احساس جاتا بھی نہ تھا۔وقت کے ساتھ اس نے یہ بات تسلیم کی تھی۔ضرور اسکے ساتھ کوئی سائیکولاجیکل مسئلہ ہے۔یہ سب اسکے اپنے دماغ کی ایجاد ہے۔ورنہ کون ایسا فارغ انسان ہوگا جو اسکو گفٹ بھیجے۔دور سے دیکھے پر سامنے نہ آئے۔آخری بار جب اسکو پارسل موصول ہوا تھا۔وہ سرکاری ہسپتال کی عمارت سے نکل کر اپنی گاڑی کی جانب جا رہی تھی۔جہاں ڈرائیور اسکے انتظار میں تھا۔پارسل اسی انداز میں اس تک آیا تھا۔جیسے کل شیر بخت کے ذریعے دیا گیا تھا۔اس کو خود پر ندامت ہوئی۔یہ بات میرے اپنے دماغ میں

کیوں نہ آئیں۔ یہ سب میں بھی تو سوچ سکتی تھی۔

مگر اصل بات یہ تھی۔ اب آگے کیا ہونا تھا۔ کیا اسکو کالیا کی کہی بات پر عمل کر کے چپ چاپ یہاں پر نئی زندگی شروع کرنی چاہیے یا اسکو سنے بغیر واپس اپنے گھر چلے جانا چاہیے۔

اس کو کسی پر خلوص دوست کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو بے اختیار دھیان زینب کی جانب چلا گیا۔ اسکی وقت وہ برق رفتاری سے بیڈ سے نکل کھڑی ہوئی۔ آف کورس اسکو ساری نئی پیدا ہونے والی صورتحال زینی کو بتا کر اسکی مشاورت کے ساتھ اگلا مرحلہ سوچنا چاہیے۔ آخر وہ ہی اک پر خلوص ساتھی ہے۔ جس نے بغیر کسی غرض و لالچ کے اسکی اتنی مدد کی تھی۔ کوئی کسر نہیں رہنے دی تھی۔ اتنا تو کوئی اسکا سگا بہن بھائی ہوتا تو وہ بھی شائد ہی کرتا

نماز پڑھ کر باہر نکلی تو ہر طرف دھند کا راج تھا۔ اس نے جھر جھری لیکر رخ واپس کمرے میں موڑ لیا۔ ورشہ کے دیئے ہیٹر نے کمرے کو جنت بنایا ہوا تھا۔ مگر اس کا ارادہ دادی سے مل کر آنے کا تھا تا کہ زینب سے رابطے کا کوئی راستہ نکال سکتی۔۔ اس لیے ہیٹر بند کیا۔ بوٹوں کے ساتھ جیکٹ مفلر وغیرہ پہن پر کمرے سے نکل آئی۔

ہاسٹل کی دنیا میں اتنی ٹھنڈ ہونے کے باوجود ہلچل مچی ہوئی تھی۔ باتھ روم کے سامنے متاثرین کی لمبی لائن تھی۔ آج چونکہ وہ کل کے مقابلے میں پہلے اٹھ گئی تھی۔ اسی لیے یہ سب ہوتا دیکھ رہی تھی۔ کل تو جب وہ اٹھی تھی سارا ہاسٹل خالی پڑا ہوا تھا۔

ہاسٹل کی عمارت دو منزلہ تھی۔ نیچے کل دس کمرے تھے۔ اسکے علاوہ ڈنر ہال' کچن' واڈن کا کمرہ اور آفس موجود تھے۔

جبکہ دوسری منزل پر کل بیس کمرے ایک لائن میں دس دس کمرے آمنے سامنے موجود تھے۔ کمروں کا لمبائی اور چوڑائی اتنی زیادہ تھی۔ ایک کمرے میں تین سے چار لڑکیاں آرام سے رہ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے لڑکیوں کے آپس میں پنگے بھی ہوتے تھے۔ مگت صنم جان سے سب لڑکیاں پرنسپل سے بھی زیادہ ڈرتی تھیں۔ کیونکہ لڑنے والی لڑکی کو پورا ہفتہ کچن میں کام کرنے والے عملے کا کام میں ہاتھ بٹانا پڑتا تھا۔ مجال ہے پھر جو صنم جان کے ہوتے ہوئے کوئی سزا سے بھاگ سکے۔ اسکی وجہ سے لڑکیوں نے اسے دوزخ کی داروغا کا نام دیا ہوا تھا۔ آپس میں ایک دوسرے کو دھمکی دے رہی ہوتیں۔ آرام سے فلاں کام کرلو۔ داروغہ جی کو بتادونگی۔

ثانیہ کو جو کمرہ ملا تھا۔ وہ کمروں میں سے ایک تھا۔ جو اگر کبھی خاتون ٹیچر آتیں تو انکے زیر استعمال ہوتا۔ اپنا اٹیچ باتھ الماری وغیرہ سب موجود تھا۔

وہ لڑکیوں پر مسکراتی نظر ڈال کر انکے سلام کا جواب دیتی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہی تھی۔ جب ورشے، روشانے اور انکے گروپ کی آوازوں پر مڑی۔

''کیا ہے بھئی کیوں شور کر رہی ہو؟''

''ڈاکٹر آپی نیچے آپ کا مریض آ موجود ہوا ہے۔''

''میرا مریض؟ کیا مطلب ہوا۔۔؟''

ورشے نے اسکو اپنی طرف آنے کا اشارہ دیا۔

''آ کر اپنی گناہگار آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اتنی صبح تو کوئی اپنے معشوق کے لیے بھی بستر نہ چھوڑے پر وہ کل بھی آپ کے اٹھنے سے بھی پہلے آ کر بیٹھ گیا تھا۔''

''ورشے کی بچی نہ جانے کیا کیا بول رہی ہو۔''

آگے آ کر منڈیر سے گردن نکال کر گیٹ کی جانب دیکھا۔ چوکیدار کے ساتھ بیٹھ کر آگ سینکنے والی ہستی پر نظر پڑی تو احساس ہوا وہ تو بالکل اسکے ذہن سے نکل چکا تھا۔

''ارے شیر بخت اتنی صبح کیوں آ گیا؟''

وہ خود سے بولی تو لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''آپی اس سے بچ کر رہنا۔ ایویں پاگل سا ہے۔ آپ سے پہلے سر نے اسکو میڈم زرتاشے کا باڈی گارڈ بنایا تھا۔ دوسرے ہی ہفتے میڈم کو یہ اتنا لمبا لو لیٹر موصول ہوا۔''

''میں نہیں مانتی ایسا ہوا ہوگا۔ ہو سکتا ہے۔ کسی اور کی شرارت ہو۔ یہ تو بیچارہ اتنا بے ضرر سا ہے۔ اور میڈم زرتاشے کون ہیں۔''

''ہیں نہیں آپی وہ تھیں۔ ادھر ٹیچنگ کے لیے آئی تھیں۔ پھر شادی کے بعد انہوں نے یہ جاب چھوڑ دی تھی۔

''چلو یہ تو اچھی بات ہے۔ زرتاشے تو غیر شادی شدہ تھی۔ اگر اسکو لو لیٹر لکھ بھی دیا تو کیا ہے۔ مجھے نہیں لکھے گا۔ وہ جانتا ہے۔ میں شادی شدہ ہوں۔''

''پر آپی آپ شادی شدہ لگتی نہیں ہیں۔'' سب سے چھوٹے قد والی گلنار نے اپنا چشمہ اوپر کو کرتے رائے دی۔ پھر ساتھ ہی پوچھا۔

''آپ کے پاس اپنی شادی کی تصویریں تو ہونگی۔ ہمیں دکھائیں ناں کیا آپ کے ہسبنڈ بھی آپ کے جیسے کیوٹ ہیں۔''

انجانے میں لڑکیوں نے بڑی غلط جگہ ہاتھ ڈالا تھا۔ دل میں کئی انوکھے درد جاگے۔ جن کی تکلیف سے وہ آج سے پہلے واقف نہیں تھی۔ اپنے دل و دماغ کو حال میں رکھنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہوئے۔ مسکرا کر رہ گئی۔

''نہیں بھئی اسکی کوئی تصویر میرے پاس نہیں ہے۔''

''آپی جی آپکو تصویر کی ضرورت بھی کہاں پیش آتی ہوگی۔ آپ کے تو وہ دل میں رہتے ہونگے۔ وہ کیا شاعر کہتا ہے۔

دل میں بسا رکھی ہے تصویرِ یار
جب بھی نگاہ جھکی دیدار ہوگیا

ورشے کی بات پر ژالے نے اسکو آنکھیں دکھائیں۔

''تم لوگ تو بڑی تیز ہو۔ چلو اپنی تیاری کرو۔ میں ایک کام سے جارہی ہوں۔ شام کو ملاقات ہوتی ہے۔ اللہ حافظ۔''

محفل منٹوں میں برخاست ہوگئی۔ لڑکیوں کا فوکس پھر سے باتھ روم کی جانب ہوگیا۔ ایک ہنگامہ ہی برپا ہوگیا۔ ژالے انکو لڑتا دیکھ کر ہنستی ہوئی سیڑھیاں اتر آئی۔

گراؤنڈ سے گھر تک دھند نے ساری حدِ نگاہ بند کی ہوئی تھی۔ وہ اللہ کا نام لیکر نکل آئی۔ آج کچن سے جانے کی بجائے گھر کے صدر دروازے سے اندر آئی۔ سارا گھر بند تھا۔ اسلیے پہلا قدم اندر رکھتے ہی سردی میں خاطر خواہ کمی محسوس ہوئی۔

بوٹ میٹ کے اوپر اچھی طرح صاف کرنے کے بعد دادی کے کمرے کی طرف آئی۔
ملازمہ سے دادی کہ انکے کمرے میں موجودگی کو یقینی بنانے کے بعد اس نے دروازہ ہلکا سا وا کر کے دستک دی۔
دادی رضائی کو اچھے سے اپنے گرد لپیٹے بیڈ پر پڑی تھیں۔ دیکھے بغیر ہی اجازت دے دی۔
''آجاؤ بھئی''
وہ آگے بڑھ آئی۔
''اسلام علیکم دادو۔۔۔!!۔۔''
پر جوش انداز میں بلند آواز ہو کر سلامتی دیتے ہوئے وہ باہر شور پیدا کر کے اس میں خود اپنے اندر سے اٹھنے والی آوازوں کا گلہ گھونٹنا چاہتی تھی۔
دادی کے چہرے پر اسکی آواز سنتے ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔
''بڑی جلدی دادی کی یاد نہیں آ گئی۔ بے وفا لڑکی ہوسٹل (ہاسٹل) کیا شفٹ ہوئی ہو۔ واپس شکل ہی نہیں دکھائی۔''
بازو پھیلایا۔ ژالے اس میں سمائی تو انہوں نے اسکو اپنے ساتھ بھینچ کر چھوڑ دیا۔
''جناب میں کل صبح آئی تھی۔ مگر آپ خود ہی گھر پر موجود نہیں تھیں۔''
''ہاں سردار نے بتایا تھا۔ میں اس وقت اپنے بچوں کو دیکھنے گئی تھی۔ تم بیٹھو ناں کھڑی کیوں ہو۔ ابھی ناشتہ تو نہیں کیا ہوگا۔''
پھر خود ہی انٹر کام اٹھا کر ژالے کی جانب بڑھایا۔
''یہ لو ملازمہ کو بتا دو ناشتے میں کیا لینا پسند کرو گی۔ بنا دیتی ہے۔ میں خود ہی بنا دیتی مگر آج ہڈیاں بڑی درد کر رہی ہیں۔ سردار بھی رات کا کوئٹہ گیا ہوا ہے۔ نہیں تو وہ بام لگا کر مالش کر دیتا ہے تو چلتی پھرتی رہتی ہوں۔''
اس نے انکے ہاتھ سے انٹر کام لیکر واپس رکھا۔
''ابھی تو کوئی بھوک محسوس نہیں ہو رہی۔ بعد میں دیکھینگے۔ پہلے آپ مجھے یہ بتایئے ہڈیوں میں درد کا مسئلہ

کب سے ہے۔"

"بس بیٹی سب سے بڑی بیماری تو بڑھاپا ہے۔ باقی سب تو بہانے ہیں۔ آوسٹیو آرتھرائٹس کا مسئلہ بڑے عرصے سے پیچھے لگا ہوا ہے۔"

"ماشاالله جب سے میں آئی ہوں۔ آج صبح کے وقت آپکو بستر میں پڑا دیکھ رہی ہوں۔ ورنہ آپ کو کاموں میں مگن دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے۔ آپ ایک ایسی بیماری کے ساتھ ہیں۔ جو چلنا پھرنا محال کر دیتی ہے۔"

"ہاں بس میرا بیٹا ٹک کر بیٹھنے نہیں دیتا ہے۔ کہتا ہے اماں جتنا چلو پھرو گی بیماری کے ساتھ لڑنا آسان ہوگا۔

"یہ تو بالکل ٹھیک بات ہے۔" وہ انکی دواؤں کا جائزہ لیتے ہوئے بولی پھر وہاں رکھی ایک بام اٹھا کر بیڈ پر انکی ٹانگوں کی جانب بیٹھ گئی۔

"کیا سردار زینب کو واپس لینے گئے ہیں؟۔"

"کہاں بیٹی ابھی تو زینی کے چار پرچے باقی ہیں۔ پر گیا اسی کے کام سے ہے۔ کل شام کے وقت صاحبزادی نے فون کر کے بھائی کو حکم دیا۔ وہ انگلش کے نوٹس ساتھ لے جانا بھول گئی ہے۔ اور دوسرا اسکو سردار کے شناختی کارڈ کی ایک کاپی چاہیے تھی۔ تھکا ہوا کالج سے آیا تھا۔ اسی وقت تیار ہو کر نکل گیا کہ رات کو دھند پڑنی ہے۔ صبح بھی کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ اسلیے پہلے ہی سے جانا اچھا ہی ثابت ہوا۔ اب آرام سے دوپہر تک دھند اترنے کے بعد واپس آجائے گا۔"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"

"ایک بات تو بتائیں۔ ابھی آپ نے کہا کل جب میں آئی تو آپ اپنے بچوں کو دیکھنے گئی ہوئی تھیں۔ مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ کیا آپ کے سردار اور زینب کے علاوہ اور بھی کوئی بچے ہیں؟۔"

دادی جو بڑے غور سے اسکا سوال سن رہی تھیں۔ ہنس پڑیں۔۔

"ہاں بھئی یہ تو اب بڑے ہو گئے ہیں۔ آزاد بھی ہیں۔ اپنے کام دھندے اور پڑھائی کی وجہ سے کئی کئی دن گھر سے دور بھی رہتے ہیں۔ تو انکی غیر موجودگی میں اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے میں نے ننھے بچے پالے ہوئے ہیں۔ ابھی جب دھوپ نکلتی ہے۔ تو تمہیں ان سے ملواتی ہوں۔"

''اب تو مجھے تجسس ہو گیا ہے۔ اتنے دنوں سے تو ادھر کوئی بچے نظر نہیں آئے۔ کیا گاؤں میں رہتے ہیں ؟۔۔'' دادی نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''ایسا کرو ناں۔ ناشتہ منگواؤ' جو بھی کھانے کا موڈ ہے۔ درخانے کو بتا دو بنا دے گی۔ میرے لیے اسکو بولو بس دودھ کے گلاس کے ساتھ گاجر کا مربع لے آئے۔ جب تک ہم ناشتہ کریں گے۔ دھوپ بھی نکل آئے گی۔ پھر بچوں سے ملنے چلیں گے۔''

خود تو اسکو ابھی اتنی بھوک نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ مگر دادی کے لیے اٹھ گئی۔

''میں ابھی درخانے کو بتا کر آتی ہوں۔''

وہ کمرے سے باہر آئی۔ لمبی سی راہداری سے ہوتے گھر کے پچھلے حصے میں موجود باورچی خانے تک آئی۔ اتنی صبح ہونے کے باوجود گھر کی ساری صفائی کی جا چکی تھی۔

وہ باورچی خانے میں داخل ہوئی تو درخانے جو کہ ایک چالیس پچاس سالہ کافی بھاری جسامت کی عورت تھی۔ چائے چھان کر تھرمس میں ڈال رہی تھی۔

''صبح بخیر آپا درخانے۔۔''

اسکی آواز پر درخانے نے پلٹ کر ایک نظر اس پر ڈالی اور خوشی سے جواب دیا۔ ژالے نے ایک کرسی پر ٹکتے ہوئے بولی۔

''اس باورچی خانے کی قسمت بڑی اچھی ہے۔ جب بھی آؤ الگ چہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ آج ناشتے میں کیا ملے گا۔''

''بی بی جو آپ کہو میں حاظر کر دونگی۔ ابھی باہر ڈرائیور اور چوکیدار کو چائے بنا کر بھیج رہی ہوں۔ ایک دن میں بیس مرتبہ چائے مانگتے ہیں۔ کبھی آپ انکا معائنہ کر کے دیکھ لینا انکے جسم میں خون کی جگہ چائے دوڑتا ہے۔''

ژالے کو اسکی بات پر ہنسی آئی۔

''سردی سے بچنے کے لیے چائے پیتے ہیں۔ بچاروں کی نوکری بھی تو ایسی ہے ناں۔ سارا دن رات باہر سردی میں رہتے ہیں۔''

’’کہاں بی بی سردار خان نے انکی زندگی اتنی آسان تو بنادی ہوئی ہے۔ایک کمرے میں چار پانچ ٹیلی ویژن لگے ہیں۔انکے سامنے بیٹھ کر سکرین کو گھورتے رہتے ہیں۔ڈرائیور تو ہے ہی بڑا بدید کل میں نے جانا تھا۔رات ہو گیا۔میں نے بولا گاڑی میں بیٹھا کر تھوڑا آگے کر آؤ۔بولا گاڑی میں پٹرول نہیں ہے۔چل کر گھر جاؤ تا کہ وزن بھی کم ہو۔سردار خان ادھر ہوتا ناں تو یہ چپ چاپ میری بات مانتا۔بس سردار سے ہی یہ سب ڈرتا ہے۔‘‘

’’یہ تو بڑی بری بات ہے۔اسکو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔تم سردار کو شکایت لگانا۔‘‘

درخانے نے پر جوش سر ہلایا۔چائے باہر بھجوانے کے بعد پوچھا۔

’’بی بی اب بتائیں پراٹھا بنا دوں یا سادہ روٹی۔یا کچھ اور لوگی؟۔۔‘‘

’’کیا گھر میں انڈے ٫ ادرک ٫ ٹماٹر اور ہری مرچ ہیں؟۔۔‘‘

’’ہاں ناں بی بی سب موجود ہے۔‘‘

’’پھر ایسا کرو چار پانچ ہری مرچیں اور باقی سب ڈال کر ایک آملیٹ بنا دو ساتھ میں پراٹھا۔اور دادو کے لیے دودھ کے ساتھ۔۔۔‘‘

’’بی بی وہ ہر روز ناشتے میں دودھ کے ساتھ مربع ہی لیتی ہیں۔بس مجھے دس منٹ دیں۔ناشتہ کمرے میں پہنچ جائے گا۔‘‘

’’شکریہ درخانے۔۔۔‘‘

’’بی بی یو آر ویلکم۔۔۔‘‘

ژالے جو باہر نکل رہی تھی۔حیرت سے مڑی۔

’’ارے واہ درخانے تمہیں تو انگریزی آتی ہے۔‘‘

درخانے شرماتے ہوئے بولی۔۔

’’بی بی زینی بی بی مجھے انگریزی کے چند لفظ سکھائے ہیں۔جیسے جب جوئی شکریہ بولے تو کہنا ہے۔یو آر ویلکم۔۔۔جب کوئی کہے کھانا بہت اچھا بنا ہے۔تب کہنا ہے۔تھنک یو۔۔اور جب کوئی بولے درخانے تم بجنت خوبصورت ہو۔تب اسکو کہنا ہے۔یو شٹ اپ۔۔جب کوئی یہ کہے درخانے آئی لو یو۔۔اسکو کہنا ہے گو ٹو

ہیل۔۔"

ثالے ہنستی چلی گئی۔

"یہ زینی بھی ناں۔۔۔"

☆......☆......☆

"زینی تمہارا آج کا پیپر کیسا ہوا ہے؟۔"

زینی نے بڑی بری طرح سے سوال پوچھنے والی کو گھورا۔

"تم اگر بھول رہی ہو تو کیا میں یاد کروا دوں جب کوئی میرے سے یہ سوال کرتا ہے۔تو میرا جی چاہتا ہے۔ اگلے کو وہاں ہی مار دوں۔ جب میں پیپر دے لوں۔تو مجھے گوری شب کی سختاں یاد کروا کر دکھی نہ کیا کرو۔کیا رزلٹ آنے تک کا انتظار نہیں کر سکتی ہو؟۔"

اس کی دوست نے اپنے سیدھے ہاتھ کی کلائی ماتھے پر ماری۔

"اف میرے خدا میں کیسے بھول گئی۔"

"بس آئندہ مت بھولنا۔"

تین دوستوں کا گروپ ابھی کے ابھی ہی پیپر دیکر نکلا تھا۔جن میں ایک زینب دوسری خدیجہ اور تیسری حاجرہ تھی۔تینوں نے ہی کالے عبایا پہنے ہوئے تھے۔ساتھ میں سردی سے بچنے کے لیے میچنگ دستانے چڑھا رکھے تھے۔جبکہ تینوں کے سکارف مختلف رنگوں کے تھے۔زینب کی نیلے سکارف کے اندر سرخ و سفید رنگت دھک رہی تھی۔

تینوں میں سب سے زیادہ بولنے کی بیماری صرف حاجرہ اور زینب کو ہی تھی۔خدیجہ زبان سے زیادہ کان اور آنکھوں کا استعمال کرتی تھی۔اس وقت بھی اسکی آنکھوں نے جس چہرے کو اتنے رش میں بھی دیکھ لیا۔دوسری دونوں اس سے ابھی تک تو لاعلم ہی تھیں۔متوقع صورتحال کا تصور کر کے ہی اسکے لب مسکرا اٹھے۔اس نے شرارت سے زینب کے کاندھے پر ہلکا سا ہاتھ مار کر اس کی توجہ حاصل کرنا چاہی۔

جب زینب نے مڑ کر سوالیہ نظروں سے خدیجہ کی جانب دیکھا۔تو اس نے یونیورسٹی کے احاطے میں موجود

سفیدوں کی قطار کی جانب اشارہ کیا۔

زینب نے اسکی بتائی سمت میں دیکھا۔ سامنے کھڑے انسان کو دیکھ کر پہلے تو وہ جی بھر کر حیران ہوئی تھی۔ اندر ہی اندر اٹھنے والی خوشی سے پریشان بھی ہوئی۔ پھر حسبِ معمول جو اسکو دیکھ کر اسکا ہمیشہ سے ردِعمل ہوتا تھا۔ اسی لاپرواہی کے موڈ میں واپس آ کر اس کی جانب بڑھ گئی۔

سفیدوں کے نیچے لگے کنکریٹ کے بنچوں میں سے ایک بنچ پر دن کے اس وقت صرف ایک ہی آدمی موجود تھا۔ انتہائی دبلا پتلا جسم' سات فٹ کو پہنچتا قد' جس کی وجہ سے جب وہ بیٹھتا تو سوکھے گھٹنے بڑے واضح نظر آتے۔ جو اس وقت بھی نمایاں دکھائی دے رہے تھے۔ بال انتہا کے سلکی جو کے آنکھوں کے اوپر ہی گرے رہتے۔ سیدھے برش کر کے آگے کو پھینکے ہوتے۔ سالوں سے یہی ہیر سٹائل تھا۔ چہرے پر کہیں کہیں نکلا ایک آدھ دانہ وہاں سے جلد کو سرخ لال دکھاتا۔ ویسے اسکا رنگ چائینیوں جیسا سفید ہی تھا۔ آنکھوں پر گول فریم والی نیوی رنگ کی نظر والی عینک' بنیادی طور پر وہ ازبک قبیلے کا فرد تھا۔ چہرے کے آدھے نقوش ازبک لوگوں جیسے تھے۔ کیونکہ اسکا باپ ازبک اور ماں چائینز تھی۔ ننھیال ملک کی رف سے اسکو ناک رنگت اور مسکراہٹ ملی ہوئی تھی۔ آنکھیں پوری اپنے قبیلے پر تھیں۔ قد نہ جانے کس پر چلا گیا تھا۔ وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اتنی ٹھنڈ کے باوجود کنکریٹ کے بنچ پر بیٹھ کر جسکا انتظار کر رہا تھا۔ جب وہ اپنی طرف آتی دکھائی دی۔ اسکا بس نہیں چل رہا تھا کہاں چھپتا۔ نظریں ہر طرف کو گھوم رہی تھیں۔ پر جدھر سے روکے رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ آخر میں اسی جانب جاتیں۔

وہ عین سر پر آ گئی تھی۔

''جہاں تک میری معلومات ہیں۔ تم پچھلے سال اپنے فائنل میں سارے سٹوڈنٹس جمع استادوں پر اپنے شاندار رزلٹ کی دھاک بیٹھا کر یہاں سے جا چکے ہو۔ پھر آج کدھر آنا ہوا۔؟''

وہ پہلے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ پھر ناک پر نیچے کو آتا چشمہ اوپر اسکی جگہ پر واپس دھکیلا۔ تھوک نگلا۔ ہاتھ میں پکڑے باکس پر گرفت مضبوط کی اور بڑی ہمت سے کہا۔۔

''وہ میں یہ۔۔۔''

''کیا یہ وہ میں۔۔۔''

وہ اسکی جانب نہ دیکھنے کے چکر میں آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف دیکھ رہا تھا۔ عام روٹین میں اس پر ایسی بوکھلاہٹ کبھی طاری نہیں ہوتی تھی۔ خدا کی پناہ وہ ایک انٹرنیشنل کمپنی میں اعلی عہدے پر کام کر رہا تھا۔ اپنی ساری یونی میں ٹاپ کلاس کا طالب علم، کم گو وہ شروع سے تھا۔ مگر اس لڑکی کے سامنے آتے ہی زبان تالو کا ساتھ چھوڑنے سے انکاری ہو جاتی تھی۔

اس نے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے۔ ہاتھ میں پکڑا پلاسٹک کا باکس زینی کی جانب بڑھا دیا۔

اس نے باکس پکڑ کر جائزہ لیا تو باکس کے اوپر ایک چٹ لگی تھی۔

''میں نے ایک ڈش بنانی سیکھی ہے۔ پہلی دفعہ بنائی تو تمہارے لیے لیکر آیا ہوں۔ پلیز پھینکنا مت۔''

زینب نے اسکو گھورا پھر بینچ پر بیٹھ کر باکس کھولنے لگی۔

ابلے چاولوں پر کوفتے کا سالن تھا۔ ساتھ میں ایک طرف رائتہ۔۔ زینب کی بھوک چمک گئی۔

''کیا یہ سب تم نے بنایا ہے؟''

دوسری جانب بس سر ہلانے پر اکتفا کیا گیا۔

اندر رکھا فورک اٹھا کر کھانا کھانے لگی۔ ایک، دو پھر تین، چار، پانچ نوالے بغیر بریک کے اندر گئے۔ ابھی سانس لینے کو رکی ہی تھی۔ جب کولا کی بوتل سامنے کی گئی۔ اس نے تھام کر منہ سے لگا لی۔

''یہ جو میں اتنے مزے سے کھا رہی ہوں۔ زیادہ خوش مت ہونا۔ کھانا کوئی خاص نہیں ہے۔ بس مجھے بھوک بہت لگی ہوئی تھی۔''

ایک کے ہونٹ ایک طرف سے ذرا سا پھیل کر سیدھے ہو گئے۔ بولا اب بھی کچھ نہیں۔ بینچ کی ایک اینڈ پر وہ بیٹھی کھانے پر ٹوٹی ہوئی تھی۔ اسی بینچ کے دوسرے کنارے پر وہ سمٹ کر بیٹھا سامنے آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

''میرے آفس کے ٹیکی ڈیپارٹمنٹ میں اس سال انٹرشپ پر چار لوگ لیے جا رہے ہیں۔ میں نے زینب نام کی درخواست دی تھی۔ باس کی ای میل آج کل میں آ جانی چاہیے۔''

''کیا کیا کیا کہہ رہے ہو۔ ذرا پھر سے بولو۔۔۔''

زینب کو تو اچھو لگتا لگتا رہ گیا۔

"میرے نام کی درخواست دی تھی۔ میرے سے پوچھے بغیر ہی۔ میں کیوں کرونگی تمہارے والے آفس میں کام کیا اور ادارے ختم ہو گئے ہیں۔؟ یہ کیا حرکت ہے۔؟"

"جاب کرنا ضروری نہیں ہے۔ انکار کرنے کی پوری پوری گنجائش ہے۔ زبردستی نہیں ہے۔"

اس کی جانب دیکھنے سے پوری طرح اجتناب برتتے ہوئے۔ وہ اپنی بات مکمل کر رہا تھا۔

"جو سوال میں کر رہی ہوں۔ پہلے اسکا جواب دو۔"

مگر جواب بالکل اور سمت کا آیا۔

"میں نے ایک گھر خریدا ہے۔"

"تو میں کیا کروں۔"

"میں سوچ رہا ہوں۔ ایک کمرے میں جم ہونا چاہیے۔"

"ہاں کیوں نہیں اتنے بڑے باڈی بلڈر ہو۔ بناؤ جم اور کسی دن ایسے ہی کسی ڈمبر کے نیچے آ کر شہید ہو جانا۔"

"میرے طوطے کو کل سے بخار آیا ہوا ہے۔"

"ڈاکٹر کو دیکھاؤ مجھے کیوں بتا رہے ہو۔"

"وہ کہتا ہے۔ زینی سے ملنا ہے۔"

"اسکی اتنی جرات گردن مڑوڑ دونگی۔"

وہ اسکی ان کہی ہر بات سمجھتی تھی۔ اور وہ اسکی ہر بات سن کر بھی ایسے بن جاتا جیسے سنا ہی نہیں۔

"میرے برادری والے اب مجھے قبول کرنے کو تیار ہیں۔ کیونکہ میرے باپ کی مسلمان بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ بڑھاپے میں اب وہ غیر مسلم عورت سے جنم لینے والے بیٹے کو بیٹا ماننے کو تیار ہیں۔ مجھے پچھلے ایک ماہ میں تین خط ملے ہیں۔ میں اس بات سے لاعلم ہوں۔ انکو میرا پتا کس نے دیا۔ مگر وہ چاہتے ہیں اب میں ان لوگوں کے ساتھ رہوں۔"

زینب چاول ختم کر چکی تھی۔ باکس بند کر کے بینچ پر رکھا۔ جیب سے ٹشو نکال کر اپنا منہ صاف کرتے ہوئے بولی۔ "دنیا میں بڑے بڑے عجیب حادثے رونما ہو رہے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک لڑکی ملی ہے۔ جسکو اپنے شوہر کا

نام ہی نہیں معلوم ہے۔اب تم آ گئے ہو۔جسکو ساری عمر باپ نے چائنا والی عورت کے حوالے کی وجہ سے دور ہاسٹلوں میں ڈالے رکھا۔اب اچانک پیار آ گیا۔تو بھئی جاؤ لو آ شیر وادا پنی دوسری ماں کا' میرا تو باپ ہے ہی نہیں تمہیں پہلی دفعہ مل رہا ہے۔جا کر گلے لگا لو۔۔اب تمہاری عمر ہی کتنی بچی ہے۔بڑھاپے کی سیڑھیاں پار کیے بھی تمہیں صدیاں بیت گئی ہیں۔چار دن خدمتیں کروانا تمہارا حق بنتا ہے۔اور سچی بات ہے۔چاہے جتنے مرضی تم مسٹر جینئیس ہو جاؤ۔کسی لڑکی کے بھی ماں باپ تمہیں اس طرح اپنی لڑکی کا ہاتھ نہیں دیں گے۔باپ کی پشت پناہی چاہیے ہی ہوتی ہے۔خاص کر ہمارے معاشرے میں۔''

''مگر میں شادی چین میں ہی کرونگا۔''

''ضرور کرنا۔تمہاری شادی تمہاری مرضی کسی کا باپ بھی نہیں روکے گا۔''

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔زینی کی نظر سیدھی نیلی جینز کے گھسے پانچوں پر پڑی۔نیلی ہی شرٹ کے اوپر میرون اونی جمپر تھا۔

''میں لنچ بریک پر ہوں۔انٹرشپ سے انسان کو اچھا تجربہ مل جاتا ہے۔کر لینی چاہیے۔''

بینچ پر رکھا باکس اٹھا کر اپنے بیگ میں رکھا۔اور بیگ میں سے ایک کتاب نکال کر بینچ پر رکھی۔

زینب نے کتاب کا سرورق پڑھا۔

''ہاؤ ٹو پریپیر فار اینی انٹرویو۔''

کسی گورے رائٹر کی تھی۔

''تمہیں میں اتنی نالائق لگتی ہوں۔''

''یہ تو بس ایزاے فارمیلٹی ہے۔مجھے اس کتاب سے مدد ملی تھی۔اس لیے لے آیا۔ابھی چلتا ہوں۔فی امان اللہ۔۔۔۔''

ماتھے پر سے بال جھٹک کر ایک نظر زینب پہ ڈالی اور وہاں سے فرار ہو گیا۔

زینب اٹھ کر کینٹین کی جانب آ گئی۔حاجرہ اسکے قریب آنے پر شروع ہو گئی۔

''ہر دفعہ وہ غریب تمہارے لیے کچھ نہ کچھ لیکر ہی آتا ہے۔بندہ جواب میں اور کچھ نہیں تو ایک گلاس پانی ہی

پوچھ لیتا ہے۔"

"اسکے ہاتھ ٹوٹے تو نہیں ہوئے ہیں۔بیگ میں جہاں اتنا الم غلم لیکر پھرتا ہے۔وہاں پانی بھی ہوتا ہوگا۔"

وہ دونوں کتاب کے نام پر متعجب ہوئیں۔

"بھئی شاعری کی کتاب دیتا تو سمجھ بھی آتا۔یہ کیا اٹھا کر لے آیا ہے۔"

حاجرہ کی بات پر خدیجہ نے کہا۔

"اگر شاعری کی کتاب لاتا تو یہاں سے زندہ واپس نہ جا پاتا۔"

زینی نے کتاب بیگ میں ٹھونستے ہوئے۔دونوں کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"موصوف نے میرے لیے اپنے آفس میں انٹرنشپ کی درخواست دی ہوئی ہے۔"

"اوہ۔۔۔۔۔۔!!بیچارہ۔۔۔۔۔۔یہ تو پکا مرے گا۔"

حاجرہ نے افسوس میں گردن کو پنڈولیم کی طرح ہلایا۔خدیجہ نے بھی پورا پورا اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"بس جی اللہ مردِ آہن کے حال پر اپنی رحمت کریں۔بڑی بری جگہ گرا ہے۔بڑے بڑے بہادر لوگ تاریخ کی گہرائیوں میں بیٹھے ہیں۔پر یہ شخص جس زہر کا پیالا پی کر شہیدوں میں نام لکھوانے والا ہے۔یہ کام کوئی چینی مال ہی کر سکتا تھا۔"

زینب نے خدیجہ کے کندھے پر ایک دھپ رسید کی۔

"بس ہو جاؤ شروع بھا بھا کٹنیو۔۔۔۔۔اب اٹھنے کا کوئی پروگرام بھی ہے۔یا کل پرچے پر اسی مردِ آہن کے قصیدے لکھ کر آنا ہے۔"

تینوں اٹھ کر ہاسٹل کی جانب بڑھ گئیں۔۔

☆......☆......☆

ابھی ہاسٹل کا گیٹ پار ہی کیا تھا۔جب چوکیدار نے پیغام دیا۔

"تمہارا بھائی ملنے کو آیا ہوا ہے۔"

ایک دفعہ پھر وہ دوستوں کو وہیں چھوڑ کر ملاقات والے کمرے کی جانب بڑھی۔غازان کمرے کے

دروازے کے باہر ہی کھڑا تھا۔زینب کو دیکھ کر اسکی جانب آ گیا۔قریب پہنچنے پر زینب نے حیرت سے پوچھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔میں تو سمجھی اب تک واپس جا چکے ہو گے۔''

''دھند ہی بڑی لیٹ اتری ہے۔پھر سوچا واپس تو چلے ہی جانا ہے۔کیوں نہ آج لنچ اکٹھے کیا جائے۔۔''

''ہاں مگر میں تو لنچ کر چکی ہوں۔البتہ کافی یا آئس کریم کے بارے میں میری جانب سے ہاں ہے۔''

غازان نے ایک نظر اپنی گھڑی کی جانب ڈالی۔

''بڑی بات ہے آج لنچ پورے بارہ ہی کر لیا۔''

''ہاں ایبک میرے لیے کوفتے لایا تھا۔وہی کھا کر آ رہی ہوں۔''

غازان کے قدم باہر کی سمت اٹھتے تھے۔

''ایبک؟تمہارا سینئر۔۔؟''

''ہاں ناں''

''مگر وہ تو یونی سے فارغ ہو چکا ہے۔پھر کیوں آیا۔''

''وہی تو بتایا ہے۔میرے لیے کوفتے لیکر آیا تھا۔''

''بڑی بات ہے۔''

''بس اپنا ٹھکا ہی اتنا ہے۔لوگ بڑی عزت کرتے ہیں۔''

''ہاں جی ملکہ عالیہ۔۔۔''

دونوں گاڑی تک پہنچ چکے تھے۔

''پر زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس نے میرے لیے اپنے آفس میں انٹرشپ نکالی ہے۔''

ساری بات کے جواب میں بولا۔

''اس بات پر صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں۔بیچارہ غریب کا مال اگر تمہیں وہاں جاب ملی تم تو اسکا جینا حرام کر دو گی۔آخر کیوں بھری جوانی میں وہ جوان خودکشی کرتے پر تلا ہے۔''

''بھائی ویسے تمہیں شرم تو نہیں آ رہی۔اپنی بہن کے سامنے کسی غیر آدمی کا طرف داری کر رہے ہو۔''

گاڑی پارکنگ سے نکال کر روڈ پر ڈالی۔

''بھئی میں تو سچی بات کرنے کا عادی ہوں۔''

''اچھا یہ بات ہے۔تو بتاؤ اس دفعہ جب اسلام آباد گئے تھے۔تو اپنی منگیتر کے ساتھ سیدھے منہ بات کیوں نہیں کی۔۔؟؟۔۔''

گاڑی میں تھوڑی دیر خاموشی چھائی۔اشاروں پر گاڑی رکی تو سردار نے نظر موڑ کر بہن کو دیکھا۔

''میں اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتا۔''

''کیوں؟۔۔''

''میری مرضی۔۔''

''تمہاری مرضی کی ایسی کی تیسی۔۔۔بتانا تو پڑے گا۔مجھے نہ بتاؤ دادی کے سامنے تو اگلو گے ہی۔''

''مجھے یقین ہے۔اماں مجھے کبھی بھی کٹہرے کیں کھڑا نہیں کریں گی۔کیونکہ وہ مجھے بھی جانتی ہیں۔اور اپنی نواسی کو بھی۔''

''تم یہ کہنا چاہتے ہو۔تمہاری بدتمیزی کے پیچھے سدرہ آپی کا اپنا ہی قصور ہے۔؟۔۔''

''میں نہیں تم کہہ رہی ہو۔ویسے تمہیں کس نے ساری معلومات دی ہیں۔''

''ہیلو۔۔۔۔!!وہ میری بھی پھوپھی زاد ہیں۔فون آیا تھا۔''

''دیکھا اتنی تو اسکو عقل ہے۔جھگڑا میرے ساتھ ہے۔فون میری بہن کو کرتی ہے۔ایسی لڑکی سے شادی کرتے ہوئے بھی ڈر ہی لگتا ہے۔ابھی آئی ہے نہیں اور ہم دونوں کی لڑائیاں کرواتی ہے جب یہاں آ گئی تب کیا کرے گی۔''

''نہیں خیر لڑائیاں تو نہیں کرواتی ہیں۔سچ ہی بتاتی ہیں۔جس کا سامنا کر کے تم آپے سے باہر ہو جاتے ہو۔''

''زینی جو بھی ہے۔تم اس معاملے سے دور ہی رہنا۔کیونکہ تمہیں حقیقت کا علم نہیں ہے۔اور مجھے ایسے لوگ سخت برے لگتے ہیں۔جو پرائے مسئلے میں ناک ڈالیں۔اگر وہ تم سے رابطہ کرتی ہے۔اپنی دوستی اور کزن ہونے

کے ناطے بات کرو گپ لگاؤ۔ میری ذات پر یا میرے مطلق بات نہیں کرنی۔ سن رہی ہو؟۔۔"

"ہاں سن رہی ہوں۔ بس دادی کو یہ کہنا ہے۔ اب اپنے بیٹے کے ہاتھ پیلے کر ہی دیں۔"

"ہاتھ پیلے لڑکیوں کے کیئے جاتے ہیں۔ لڑکوں کے نہیں۔ اور ایویں کوئی شوشہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی شادی کا وقت نہیں ہے۔"

"ابھی وقت نہیں تو پھر کب آنا ہے۔"

"پہلے تمہاری شادی کرونگا اسکے بعد دیکھی جائے گی۔"

"بڑے ہوشیار ہو۔ یعنی مجھے راستے سے ہٹا کر میدان مارنا چاہتے ہو۔ نہ بچو ایسا میری زندگی میں نہ ہو سکے گا۔ پہلے تمہاری شادی ہوگی۔ کوئی چار سال تمہاری بیوی کے ساتھ دن رات لڑائی جھگڑے کر کر کے تمہاری ناک میں دم کرونگی۔ تمہاری بیٹی کو پوری ٹرینگ دیکر جاؤنگی کیسے ماں باپ کو زچ کرنا ہے۔ اسکے بعد کسی ایسے شخص سے شادی کرنی ہے۔ جو گھر داماد بن کر رہ سکے۔"

موڑ کاٹتے ہوئے اس نے خوفناک نظروں سے بہن کو دیکھا۔

"تم میری بہن ہو یا کوئی بلا۔۔۔"

"جو بھی سمجھو۔۔۔"

"ویسے اچھا کیا تم نے جو مجھے اپنے پلان بتا دیئے۔ میری بیگم تمہارے ظلم و ستم سے بچ گئی۔ اب تو اسکو تب ہی لاؤنگا جب تمہارا انتظام کر لونگا۔ نہیں تو خود ہی اپنے بہنوئی کی طرح کہیں گھر داماد ہی بن جاؤنگا۔"

"آؤ گاؤں والو اپنے سردار کی حالت دیکھو۔ لڑکی کہیں کا۔۔۔۔"

گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے رک چکی تھی۔ سردار ہنستے ہوئے اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ دونوں اندر جا کر پرسکوں ماحول میں ایک میز پر آمنے سامنے بیٹھے تو زینب کو خیال آیا۔۔۔

"بھائی ایک بات پوچھنی تھی۔"

بیرے کو اشارہ کرتے ہوئے گویا ہوا۔

"ہوں۔۔۔"

''اپنا جو شہر والا گھر ہے۔''

''اسکو کیا؟۔۔''

''کچھ نہیں بس یہ کہنا چاہ رہی تھی۔کہ جو اپنا گھر ہے۔جدھر نعمان بھائی لوگ رہتے ہیں۔''

''ہاں بھئی اس گھر کو کیا ہوا ہے؟۔۔''

''ہوا کچھ نہیں بس یہ جاننا تھا۔کیا نعمان بھائی یا کسی دوسرے لڑکے نے کسی آدمی کا ذکر کیا ہو۔میرا مطلب ہے۔کوئی وہاں ژالے کا پوچھنے آیا ہو۔۔''

اب کے سردار کی پوری توجہ بہن کی جانب ہوئی۔مگر ویٹر کے آنے پر وقفہ آ گیا۔

دونوں نے اپنے لیے برگر منگوائے جو اس جگہ کی مشہور سوغات تھے۔قیمے والے ڈبل برگر۔۔۔

پھر توجہ بہن پر واپس آئی۔آنکھیں سکیڑ کر حیرت سے بولا۔۔

''ژالے کا ہمارے گھر سے کیا تعلق۔۔۔؟کوئی آدمی وہاں اسکے بارے میں پوچھنے کیوں آئے گا۔؟۔۔''

زینب پہلے گڑبڑائی فوری طور پر سنبھل کر بولی۔۔۔

''دراصل جس محلے میں ژالے کا گھر تھا۔وہاں اسکی ہمسائی کو ہم لوگوں نے اس گھر کا پتا دیا تھا۔تاکہ جب اسکا شوہر واپس آئے تو وہ ژالے تک پہنچ سکے۔کل دادی سے بات ہوئی تھی۔انہوں نے بتایا کہ وہ تمہیں اور نعمان بھائی کو ژالے کے بارے میں سچ بتا چکی ہیں۔تو میں نے سوچا یہ بھی پوچھ لوں۔''

سردار نے بڑی گہری نظروں سے بہن کو پڑھا۔پھر بڑی سنجیدگی سے بولا۔

''مس گل تمہیں بس سٹیشن پر ملی تھی۔تو اسکے محلے والی کو اڈریس کب بتایا؟۔۔''

زینب کو لگا بس اب تو پکڑی گئی۔

''ہم واپس اسکے گھر پہ گئے تھے۔وہاں معلومات دیکر آنے کے بعد گاؤں گئے۔''

وہ میز پر آگے کو ہو کر یوں بیٹھا کہ دونوں کہنیاں میز پر ٹکی تھیں۔

''پہلے تم نے کہا وہ تمہاری دوست ہے۔اپنا ٹرانسفر کروا کر یہاں آئی ہے۔مان لیا۔۔پھر کہانی میں ایک اور موڑ آیا۔اماں نے کہا وہ بے یارو مددگار لڑکی تھی۔زینب نے مدد کر دی یہ وہ۔۔۔اب تم نے ایک نیا ٹوسٹ دیا

ہے۔ مجھے جو فکر ہے۔کل کو کوئی نئی کہانی نہ جنم لے جائے۔خاصی مشکوک بیان بازی ہے۔''

''ارے نہیں بھائی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''ہونی تو نہیں چاہیے۔ پر زینی یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ وہ لڑکی کسی لڑکے کے چکر میں آ کر گھر سے بھاگی ہوئی ہو۔لڑکا چکمہ دیکر فرار ہو گیا اور یہ اب سہارے ڈھونڈتی پھر رہی ہو۔ میں نہیں چاہتا کل کو کوئی پولیس لیکر میرے دروازے پر آ کر شور کرے کہ اسکی بہن میرے گھر میں چھپی ہوئی ہے۔''

''بھائی اسکا کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ وہ اکیلی ہی ہے۔''

''ماں باپ کدھر ہیں؟۔''

"ماں باپ زندہ نہیں ہیں۔''

''تم کیسے کہہ سکتی ہو۔''

''بس مجھے پتا ہے ناں۔''

''اچھا کیا تم نے انکے کفن دفن کا انتظام کروایا تھا۔یا قبر میں اتارنے کی ذمہ داری انجام دی تھی۔''

''بھائی انسان کی زبان بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ اور اتنی بیوقوف تو میں ہوں نہیں کہ اگر کوئی میرے سامنے مسلسل ہاتھ باندھ کر جھوٹ پہ جھوٹ بولے جائے اور مجھے علم نہ ہو سکے۔ڑالے نے جو کچھ بھی مجھے بتایا ہے۔ وہ سب حرف حرف سچ تھا۔اس نے میرے ساتھ کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ اسی لیے میں اسکی مدد کرنے کو تیار ہوئی تھی۔

''برگر آ گیا ہے۔اس موضوع پر ہم پھر کسی فارغ وقت بھی بات کریں گے۔ پر اگر مس گل کی وجہ سے مجھے کہیں جھوٹا ہونا پڑا تو خیر نہیں ہوگی۔''

''ہاں بالکل کر لینا جو کرنا ہو۔ابھی تو انجوائے کرنے دو ہیں۔''

☆......☆......☆

ناشتہ کرنے کے بعد وہ فوراً سے کلینک کے لیے نہیں نکلی۔ آج وہ تھوڑا وقت دادی کے ساتھ گزارنے کے موڈ میں تھی۔ اسلیے انہی کے پاس بیٹھ کر گاؤں کے بارے میں معلومات لیتی رہی۔ جب دو گھنٹے بعد ملازمہ نے باہر دھوپ نکل آنے کی خوشخبری سنائی۔

دادی نے تو شکر کا سانس لیتے ہوئے۔اسی وقت بستر چھوڑ دیا۔

ژالے نے انکے سلیپر آگے کیے۔جن میں پاؤں ڈال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

دونوں آگے پیچھے باہر آ گئیں۔صحن کے درمیان میں چھت پر جو جگہ کھلی رکھ کر جنگلا لگایا گیا ہوا تھا۔اس جنگلے پر عام طور پر کور رکھا رہتا۔مگر دھوپ نکلنے پر سردیوں میں ہٹا دیا جاتا تھا۔جیسے اس وقت ملازمہ نے کھول دیا تھا۔جس کی وجہ سے صحن میں روشنی کی نرم شعاعیں لائینوں کی صورت نازل ہو رہی تھی۔اس روشنی کی لکیروں میں بڑی غور سے دیکھنے پر ان میں تہرتے چھوٹے چھوٹے ذرات نظر آتے۔

''یہ سورج بھی میرے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔اگر خدانخواستہ ایک دن کے لیے بھی اسکی روٹین میں تبدیلی واقع ہو تو تمام جانداروں کی زندگی متاثر ہو۔''

ژالے نے اپنا سر اثبات میں ہلایا۔

''بالکل ٹھیک کہا۔''

''ژالے تم تو میری کسی بات سے بھی اختلاف نہیں کرتی ہو۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''آپ نے کوئی بات غلط کی ہی نہیں ہے۔دادو تو میں اختلاف کیوں کروں گی۔''

''بیٹی اختلاف کرنے والوں کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ آپ غلط بات ہی کہہ رہے ہوں۔جنہوں نے آپکی بات رد کرنی ہوتی ہے۔وہ آپکے کہے سچ کو بھی رد کر جاتے ہیں۔اور اپنے جھوٹ کو دباتے رہتے ہیں۔جیسے ابو جہل نے کیا تھا۔تم ایک اچھی بیٹی ہو۔''

''شکریہ دادو۔۔۔''

اس نے پیچھے سے انکو جپھی لگائی۔جس پر دادی نے شفقت سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔۔

''اچھا چلو اب میں تمہیں اپنے بچوں سے ملواؤں۔۔''

''او ویسے اسی تجسس کی وجہ سے آج میں کام سے لیٹ ہو گئی ہوں۔''

دادی بے اختیار مسکراتے ہوئے بولیں۔۔

''لو اور میں سمجھ رہی تھی۔ میرے لیے چھٹی کر کے آئی ہے۔''

ژالے نے قہقہہ لگاتے ہوئے بیرونی دروازہ وا کر کے دادی کو گزرنے کا راستہ دیا۔ پھر انکے پیچھے خود بھی باہر آ گئی۔ دادی کا گھر کے دائیں جانب تھا۔ جبکہ ہاسٹل گھر سے بائیں سمت واقع تھا۔

اردگرد سارے کھیت تھے۔ یہاں پر زیادہ تر لوگوں کے فروٹ کے باغ تھے۔ پر گندم بھی اگائی جاتی تھی۔ کبھی تو اگر برف باری اس علاقے میں زیادہ ہوتی اس وجہ سے فصلیں متاثر ہوتیں۔ پر اگر موسم جلد اچھا ہو جاتا تو گندم بچ جاتی۔

اونچے پہاڑی ٹیلے ابھی بھی دھند کی لپیٹ میں دکھائی دیے۔ نچلے علاقے اس وقت قدرتی حسن کا شاہکار بنے ہوئے تھے۔ کہیں کہیں برف کی سفیدی۔ فصلوں کی ہریالی۔۔۔ پھلوں کے رنگ ہر چیز لاجواب دیکھتی۔

ژالے نے گہرا سانس لیکر تازی ہوا سے پھیپھڑے بھرے اور دادی کے پیچھے چل دی۔

لکڑی کے چھوٹے سے پرانی طرز کے بنے دروازے کو وہ آتے جاتے کئی دفعہ دیکھ چکی تھی۔ اس کے خیال میں یہ احاطہ گھر سے منسلک نہیں ہے۔ پر ابھی اس کے اندازے غلط ثابت ہو گئے۔

دادی نے دروازے پر باہر کو لگی کنڈلی کھولی اور دھکیل کر دروازہ کھول دیا۔

پہلی نظر میں جو چیز ژالے کو نظر آئی وہ ہریالی تھی۔ مسمرائز کر دینے والا منظر سامنے تھا۔

بڑی ترتیب سے کیاریاں بنا کر اس میں غالباً سبزیاں لگائی گئی ہوئی تھیں۔ جو ایک دیوار کی جانب پوری لمبائی میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک طرف پورے ایک کمرے کے برابر مرغیوں کا ڈربہ بنا ہوا تھا۔ جس میں سے اس وقت مرغیاں شکایتی بیان جاری کر رہی تھیں۔ دادی نے سب سے پہلے انکا دروازہ کھول دیا۔ پھر ساتھ میں موجود قدرے چھوٹے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اس میں سے غٹرغوں کا کلمہ پڑھتے کبوتر بسم اللہ کر کے باہر آئے۔ تیسرے کمرے سے خرگوش برآمد ہوئے۔ بڑے بڑے کانوں اور موٹی موٹی آنکھوں والے خرگوش منٹوں میں جمپ لگاتے یہاں وہاں بکھر گئے۔

ژالے انکے پیچھے بھاگی۔۔۔ پکڑتے ہوئے ڈر رہی تھی۔ مگر اسکو وہ پیارے بہت لگے۔

''یہ آپکے بچے ہیں؟۔۔''

ژالے نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر خوشگوار حیرت سے استفسار کیا۔دادی اب باہر دانہ ڈال رہی تھیں۔دو بڑی سی مٹی کی کنالیوں میں تازہ پانی ڈالنے کی نیت سے بڑھیں تو ژالے نے انکے ہاتھ سے بالٹی پکڑلی اور نل کی جانب بڑھ گئی۔

''آپ رکیں پانی میں ڈال دیتی ہوں۔''

نل سے پانی کی بالٹی بھر کر لائی تو دادی کو کنالیاں صاف کرتے پایا۔انہوں نے پرانا پانی پھینک کر صابن لگا کر اچھی طرح کنالی دھوئی۔وزنی ہونے کی وجہ سے وہیں پہ دھو کیا کرتی تھیں۔

چالیس پچاس کے قریب مرغیاں ' اتنے ہی کبوتر ' بارہ خرگوش ' جہاں کچھ دیر پہلے خاموشی کا راج تھا۔وہاں اس وقت اچھا خاصہ شور مچا ہوا تھا۔

دانہ پانی ڈالنے کے بعد وہ دونوں دو کرسیاں دھوپ میں رکھ کر بیٹھ گئیں۔

''ہاں تو پھر میرے بچے پسند آئے ؟۔۔''

ژالے دلچسپ نظروں سے لبوں پر مسکراہٹ لیے جانوروں کے کرتب دیکھ رہی تھی۔کبوتر اور مرغیاں ایک ہی جگہ پانی پی رہے تھے۔خرگوش کے برتن الگ تھے۔وہ لوگ تازہ گاجروں سے ناشتہ کر رہے تھے۔

''سچ مجھے امید نہ تھی۔آپ کے بچے اتنے کیوٹ ہونگے۔''

اس کی بات پر دادی نے قہقہہ مارا۔

''ابھی تمہارے لیے اور بھی سرپرائز ہے۔''

''جلدی بتائیں۔۔''

''سچ وہ پیچھے جو درختوں کا جھنڈ نظر آ رہا ہے۔اسکا جائزہ لیکر آؤ۔۔''

ژالے اپنی جگہ سے اٹھ کر کمروں سے دور احاطے کے پچھلے حصے کی جانب آئی۔

انگور کی چار پانچ بیلیں دیوار سے چمٹی ہوئی تھیں۔وہاں پر سیب ' امرود ' مالٹے ' اخروٹ ' بادام ' لوکاٹھ اور خرمانی کے درخت تھے۔

''واؤ۔۔۔!! آپ کا باغ تو سب سے پیارا ہے۔اتنے پیارے پودے پھول۔۔۔اور یہ گھاس تو

کارپٹ معلوم ہو رہی ہے۔ مائی گاڈ کیا یہ بادام ہیں؟ دادو۔۔۔۔!! یہ اخروٹ لگ رہے ہیں۔ اتنا زیادہ پھل ۔۔۔ماشاللہ۔۔۔!!''

وہ وہیں پر اونچے بولتی ہوئی اخروٹ اتارنے میں مصروف ہو گئی۔ جو ابھی کچے تھے۔ وہ ابھی تک سبز رنگ کے خول میں موجود تھے۔ جو دیکھنے میں ٹینڈے کی شکل کا لگتا تھا۔ اور جو تیار تھے انکا خول تھوڑا براؤن ہو کر چیخ کر پھول کی طرح تین پتیوں میں کھلا ہوا تھا۔ اندر سے اخروٹ صاف دِکھائی دیا۔ اسی طرح جو بادام تیار تھے۔ انکے خوشے بھی چیخ چکے تھے۔

دادی ادھر دھوپ میں بیٹھ کر اسکی سمت میں مسکرا کر دیکھ رہی تھیں۔ ذہن میں اپنا بچپن آ رہا تھا۔ ژالے واپس آئی تو یہ اتنے سارے اخروٹ اور بادام جیکٹ کی جیبوں میں ڈال رکھے تھے۔

آ کر کرسی پر ڈھے گئی۔

''تمہارے ردعمل کو دیکھ کر پکا ہو گیا ہے۔ تمہارا تعلق اس علاقے سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں یہ چیزیں بڑی عام پائی جاتی ہیں۔ ہاں پنجاب کے شہروں سے آنے والے ایسے خوش ہوتے ہیں۔''

''آپ کو کیسے پتا۔۔۔''

''مجھے ایسے پتا ہے۔ کیونکہ میرا بچپن بھی پنجاب میں ہی گزرا ہے۔ اور جب ہم یہاں اپنی نانی کے گھر آیا کرتے تھے۔ تو واپس جانے کو جی نہیں کرتا تھا۔''

''پنجاب میں آپکا تعلق کہاں سے ہے؟۔۔''

''میری امی کی شادی ملتان میں ہوئی تھی۔ میرے نانا کے دوست کے بھتیجے کے ساتھ۔ آگے میری شادی ابا نے اپنے رشتے داروں میں کی یوں میں بیاہ کر ملتان سے لاہور چلی گئی۔''

''ارے پھر تو آپ کا اور میرا شہر ایک ہی ہوا۔ پر لاہور سے یہاں کب اور کیوں آ گئیں؟۔۔''

''لاہور میرے مرحوم شوہر کا شہر تھا۔ میرا شہر ملتان تھا۔ بس بیٹے یہاں تو زندگی لے آئی۔ اور ہم آ گئے۔''

''اب مجھے سمجھ آئی۔ اس گھر کے فریق اردو بالکل کلیئر بول لیتے ہیں۔ جبکہ نعمان بھائی تک کا لہجہ بلوچی ہے۔ کیا آپ بلوچی نہیں ہیں؟۔۔''

''بیٹی ہم ذات کے پٹھان ہیں۔زینب کے دادا مرحوم بھی پٹھان ہی تھے۔بس انکا تعلق پنجاب سے تھا۔''

''آہا۔۔۔!!تو جناب آج اماں کے باغ کی سیر ہو رہی ہے۔۔۔''

نعمان کہ آواز پر دونوں کی توجہ کھلے دروازے کی جانب گئی۔سفید روائیتی شلوار سوٹ کے اوپر کالے رنگ کی اپنی مخصوص واسکٹ پہنے کاندھے پر گرم شال ڈال رکھی تھی۔وہ بلاشبہ ایک خوبرو مرد تھا۔

قریب آنے پر وہ سلام لیتا ہوا دادی کے سامنے جھکا۔

انہوں نے شفقت سے اسکی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔۔۔''جیتے رہو۔''

''آج صبح صبح یہ چاند کدھر سے نکل آیا؟۔۔''

''مجھے میرے دل نے بتایا آپکا مجھ سے ملنے کو جی چاہ رہا ہے۔بس پھر کیا تھا اسی وقت آ گیا ہوں۔''

''بہت اچھا کیا۔آتے ہوئے اپنے دوست کو بھی لیے آتے۔''

وہ کرسی سنبھال چکا تھا۔

''اسکو ابھی بنک میں کوئی کام تھا۔دوپہر کے بعد پہنچ جائے گا۔''

''اچھا یعنی ملاقات ہوئی تھی۔''

''جی بالکل رات ہم دونوں ساتھ ہی تھے۔مجھے ابا کی کال کی وجہ سے جلدی آنا پڑا۔''

''ناشتہ وغیرہ کیا یا میں بناؤں؟۔۔''

''ناشتہ کر چکا ہوں۔آپ آرام سے بیٹھ کر دھوپ سینکیں۔اور گوہر تمہارا کلینک پر کل کا دن کیسا گیا۔اب تو راستہ نہیں بھولی۔''

''کل کا دن بھی بے انتہا مصروف تھا۔دوسرے قصبوں سے بہت خواتین آئیں تھیں۔جس سے مجھے یاد آیا۔دادو اب میں چلتی ہوں۔دھند بھی اتر گئی ہے۔آپ کے بچوں سے بھی مل لیا ہے۔اب اجازت دیں۔''

''جاؤ بچے فی امان اللہ۔۔۔۔نعمان جاؤ بہن کو گاڑی پر چھوڑ آؤ۔''

وہ انہی قدموں پر اٹھ کھڑا ہوا۔

''نہیں نہیں پلیز آپ بیٹھیں یہ نزدیک ہی تو ہے۔میں چلی جاؤنگی۔ویسے بھی روز اتنی سے واک صحت پر

اچھا اثر ڈالتی ہے۔"

"گوہر رحمت وحمت غیروں والے لفظ استعمال نہ کرو۔ اور میں کونسا ہر روز تمھیں چھوڑنے جانے کو موجود ہوتا ہوں۔ شاباش آجاؤ میں گاڑی نکالتا ہوں۔"

وہ ممنون نظروں سے نعمان اور پھر دادی کو دیکھتی ہوئی انکے آگے جھکی۔

انہوں نے سر پہ ہاتھ رکھ کر دعا دی۔

ژالے اور نعمان کے جانے کے بعد وہ اکیلی رہ گئیں۔ تو چہرے پر تھکن کے آثار نمودار ہوئے۔ چہرے کی جھریاں اور بھی لٹکی ہوئی معلوم ہونے لگیں۔

آنکھوں کی چمک ماند پڑی دکھائی دیتی۔ وہ بڑے سالوں سے اپنے بچوں اور ملنے ملانے والوں. کے سامنے یہ ڈرامہ کرتی آرہی تھیں۔ اب تو اتنی مہارت حاصل ہوگئی ہوئی تھی۔ کہ ان کو ایک پل نہ لگتا باہر کی دنیا سے اپنا ذہنی رابطہ توڑنے میں۔ اگر ایسے وقت میں کوئی پاس آتا تو دو تین سیکنڈ میں سنبھل جاتیں۔ سب سے زیادہ احتیاط بیٹے کے سامنے برتی جاتی تھی۔ کیونکہ اس کے ساتھ جھوٹ بولنا آسان نہ تھا۔ اسکو اگر شک بھی ہوجاتا کہ وہ روتی رہی ہیں۔ تو اگلے کئی گھنٹوں تک ان کے پاس سے نہ ہلتا۔

انسان چاہے جتنا بھی دوسرے انسان کا پہرہ دے۔ دوسرے کے دل ودماغ پر پوری رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہم یہ تک نہیں بتا سکتے ہمارے ساتھ بیٹھا انسان مختلف اوقات میں کیا سوچ رہا ہوتا ہے۔ اندر کی داستان ایسے ہی ہے۔ جیسے صاف ڈائری کے اوپر سیکریٹ پین کے ساتھ میسج لکھنا جو کہ صرف ایک خاص قسم کی روشنی پڑنے سے ہی واضح ہوتا ہے۔

سال کے بیشتر دن تو وہ کسی نہ کسی طرح دنیا کے دھندوں میں گم ہوکر اپنا آپ بھولے رکھتی تھیں۔ مگر جونہی فروری کا مہینہ قریب آنا شروع ہوتا۔ انکے زخم ہرے ہونے شروع ہوجاتے۔

اپنی شال کے ساتھ رگڑ کر آنکھیں صاف کردیں۔ وہ اپنی سوچوں میں الجھی رہیں۔ اب باہر گاڑی کی آواز سے چونکیں۔ نعمان ژالے کو چھوڑ بھی آیا تھا۔

وہ سیدھا ادھر ہی آیا تھا۔ انکے برابر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''دادو ہمت مت ہارا کریں۔ آپکا بیٹا آپکی وجہ سے کھڑا ہے۔ جس دن آپ ٹوٹ گئیں۔ وہ بڑی بری طرح سے بکھرے گا۔''

بوڑھی آنکھوں میں ایک دفعہ پھر نمی تیر گئی۔

''بیٹے تم غلط فہمی کا شکار ہو۔ میں اس کی ہمت نہیں ہوں۔ وہ میری ہمت ہے۔ پر کیا کروں بیٹے ماں ہوں۔ اولاد کا غم ماں سے زیادہ کس کو ہوگا؟۔ بیٹے میں کوئی زندہ تھوڑی ہوں۔ میں تو اسی دن وہیں مر گئی تھی۔ جس دن میرے جوان بیٹوں کی لاشیں اٹھیں تھیں۔ میرے بے قصور بچے اتنی بے رحمی سے مار دیئے گئے۔ ہائے مجھ بد نصیب نے وہ دن بھی دیکھنا تھا۔ جن چہروں کو میں نے دن رات چوما۔ انہی چہروں کو خون میں نہلا کر میرے سامنے رکھا گیا۔ اللہ کسی دشمن کو بھی ایسا نہ دن نہ دیکھائے۔ کسی ماں کی گود نہ اجڑے۔''

اب وہ زارو قطار رو رہی تھیں۔ نعمان اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''میری پیاری ماں آپ تو بڑی بہادر عورت ہیں۔ حوصلہ رکھیں۔ ہمت سے کام لیں۔ ان لوگوں کو آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ آج آپ ڈھیر سی دعا کریں۔ دیکھیے گا آج رات ملاقات ہو جائے گی۔ پلیز اب نہیں رونا۔ پرنسپل صاحب نے آ کر دیکھ لیا۔ تو جوتا اتار کر انہیں میری دھلائی شروع کر دینی ہے۔ وہ سمجھے گا میں نے آپ کو رلایا ہے۔ اب آپ ادھر اکیلی نہیں بیٹھیں گی۔ چلیں اٹھیں ماں بیٹا چل کر درخانے سے چائے کی فرمائش کرتے ہیں۔ اللہ کرے فریج میں کوئی کیک رکھا ہوا ہو۔ پچھلی دفعہ میں بازار سے کھوپرے والے بسکٹ لا کر رکھ گیا تھا۔ پر اب تک تو وہ گدھا سب چٹ کر گیا ہوگا۔''

دادی بل آخر مسکرانے پر مجبور ہو ہی گئیں۔ وہ انکو ویسے ہی ساتھ لگائے اندر لے گیا۔

☆......☆......☆

''کسی کی حق حلال کی روزی پر لات مارنا کہاں کا شرافت ہے؟''

ژالے نے ایک مریضہ کو داخل کیا تھا۔ اس کو دیکھ کر کمرے سے نکلی ہی تھی۔ جب ایک دم شیر بخت سامنے آیا۔

''توبہ ہے شیر بخت تم نے تو ڈرا ہی دیا۔''

"پہلے میرے سوال کا جواب دوناں تم کیسا طبیب ہو۔ میں صبح چھ بجے کا تمارا ہاسٹل کے سامنے بیٹھا تھا۔ اور تم اس نعمان خان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ادر آ گیا۔ ہم تو رات تک ادھر بیٹھ کر انتظار کرتا رہتا۔ وہ تو بھلا ہو وئے درخانے نے بتایا ڈاکدار بی بی تو کب کا چلا بھی گیا ہے۔ بتاؤناں بھلا یہ کوئی شرافت ہے؟۔"

ژالے کا منہ حیرت سے وا ہوا۔ پھر دونوں ہاتھ کمر پر ٹکا کر بولی۔

"میں کوئی چھوٹی سی بچی نہیں ہوں۔ جو تمہاری انگلی پکڑ کر چلوں۔ تمہیں اب میرے ساتھ آنے جانے کی ضرورت بھی نہیں مجھے راستے کا علم خود آیا جایا کروں گی۔"

"ام یہ بات نہیں جانتا ہے۔ تم کو ایک غریب کا نوکری چھین کر کیا ملے گا۔ آج تماری وجہ سے میرا گل بدن بھوکا رہا ہے۔ اس کا حساب کون دے گا۔ میرے سے اللہ پوچھے گا ہاں بھئی شیر خاناں گل بدن کا خیال کیوں نہیں کیا۔ ام تو سیدھا جواب دیگا کہ اے اللہ مہربان اس ڈاکدارنی سے پوچھو اسکی وجہ سے امارا سارا دن برباد ہوا۔ ام ایمانداری سے نوکری پر گیا تھا۔ پر اس نے ام دھوکہ دیا ہے۔"

"بڑی بری بات ہے۔ یعنی تم اللہ کے ہاں میری شکایت کرو گے۔ گدھے کہیں کے۔۔۔ اللہ پاک نے الٹا تمہیں دھر لینا ہے۔ کہ تم آنکھیں کان بند کر کے دروازے کے باہر ہی کیوں بیٹھے رہے۔ اگر میں نہیں آئی تھی۔ تو اٹھ کر واپس اپنے گھر چلے جاتے ناں اپنی گل بدن کے پاس۔۔۔ اف نام دیکھو ذرا۔۔۔ گل بدن۔۔۔ اب تو مجھے شک ہو رہا ہے۔ صبح ساری لڑکیاں سچ ہی کہہ رہی تھیں۔"

پھر یاد آنے پر بولی۔

"تم خواتین کے کلینک والے حصے میں نہیں آ سکتے۔ یہاں مردوں کو آنے کی اجازت نہیں ہے۔ فوراً نکلو ورنہ ادھر ہال میں بڑی تگڑی سی پٹھانی بیٹھیں ہیں۔ انہوں نے تم کو ادھر دیکھا تو جوتے کھاؤ گے۔"

شیر خان ذرا بھی متاثر ہوتا دکھائی نہ دیا۔

"اس گاؤں کا سارا عورت میرا ماں بہن ہے۔ مجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ چاہے تو آ کر دیکھ لو۔"

یہ کہہ کر وہ ہال کی جانب بڑھ گیا۔ جدھر ژالے کا ڈیسک تھا۔ ژالے اڑے ہوئے رنگ کے ساتھ اسکے پیچھے آئی۔ کیونکہ وہاں موجود خاتون پہلے ہی ژالے کو پردہ کرنے کا مشورہ دے چکی تھیں۔ وہ خود بھی گاؤں کی بیشتر

خواتین کی طرح بلوچی کڑھائی سے بنی رنگا رنگ چادر اوڑھے ہوئے تھیں۔

ژالے کے قدم دروازے میں ہی رک گئے۔ کیونکہ شیر خان جا کر سیدھا اسی خاتون سے باتیں کرنے لگا تھا۔ ژالے کی سمجھ میں صرف سلام دعا ہی آئی تھی۔ اس گاؤں میں کئی لوگ مری بلوچ تھے۔ اور کئی پٹھان تھے۔ کوئٹہ کے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں زیادہ تر وہ لوگ آباد تھے۔ جن کے آباؤ اجداد کا تعلق بلوچستان سے ہی رہا تھا۔ مگر شہری زندگی کی سہولیات انہیں دور دراز علاقوں سے شہری آبادی کے قریب لائی تھیں۔ یہاں سے کوئٹہ کا سفر صرف گھنٹہ ڈیڑھ کا تھا۔

بلوچستان کا وہ علاقہ جس طرف زیادہ بلوچ آبادی پائی جاتی ہے۔ وہاں نہری پانی تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسلیے وہاں دھول وگرد کے پہاڑ زیادہ نظر آتے ہیں۔ مگر وہ علاقہ جہاں زیادہ آبادی پختون ہے۔ وہاں پانی ہونے کی وجہ سے ہریالی نظر آتی ہے۔

ژالے آ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جو خاتون داخل ہوئی تھی۔ اسکے ساتھ آنے والوں کو صورتحال سے آگاہ کرنے لگی۔

"میں نے ابھی کی خوراک دے دی ہے۔ امید ہے شام تک مریضہ کا بخار اتر جائے گا۔ تب گھر جا سکتی ہے۔"

"پر ڈاکٹر صاحبہ ہم تو بہت دور سے آیا ہے۔ شام سے پہلے ہم کو واپس پہنچنا ضروری ہے۔"

"یہ تو بڑا مسئلہ ہے۔ کیا آپ لوگ مریضہ کو ادھر چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ کل آ کر لے جانا۔ فکر نہ کرو رات کو میں اسکے ساتھ ہی یہاں رکونگی۔ شیر بخت ادھر کا چوکیدار ہے۔ کوئی غیر آدمی اندر نہیں آتا۔"

"تمہاری بات ٹھیک ہے۔ پر ڈاکٹر ہم اسکو اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ تم دوا دیدو تا کہ ہم وقت سے نکلیں۔"

ژالے نے مزید بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ یہاں کے لوگوں کے اپنے طور طریقے اور رواج تھے۔ ژالے باہر سے آئی تھی۔ اسلیے پوری طرح سے ماحول کو سمجھنے میں کچھ دیر لگنی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ مریضہ کی ڈریپ ختم ہو جائے تو آپکو جانے کی اجازت ہے۔ پر میں جو دوا دوں۔ اس میں

غفلت نہ برتی جائے۔ وقت سے دوا دینا اور کل یا پرسوں آ کر دوبارہ سے دیکھا دینا۔"

مریضہ کے ساتھ والی دونوں عورتوں نے تسلی دی اور اندر اپنی مریض کے پاس چلی گئیں۔ ژالے اگلے مریض کی جانب متوجہ ہو گئی۔ شیر خان اس دوران وہاں سے چلا گیا۔ ژالے کو علم نہ تھا۔ گھر گیا ہے۔ یا صرف وہاں سے ہٹا ہے۔

ایک دس سالہ بچی اپنی دادی کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ اس بچی کا دائیاں کان سوج کر لٹک رہا تھا۔ پوچھنے پر علم ہوا۔ بچی نے کڑھائی والی سوئی سے اپنی دوست کے ساتھ مل کر کان میں چھید کیے تھے۔ ایک کان تو ٹھیک تھا۔ مگر ایک میں پانی پڑ کر اچھا خاصا انفیکشن بن چکا تھا۔ کان میں ڈالا ہوا ائر رنگ مکمل طور پر جلد میں دھنسا ہوا تھا۔ ژالے کو جھرجھری سی آئی۔ یہ اس نوعیت کا اسکے پاس آنے والا پہلا کیس تھا۔

"اسکی اتنی حالت خراب کر کے کیوں لائے ہیں۔ ابھی میرے پاس تو انستھیزیا کا انتظام بھی نہیں ہے۔ اور جب تک اسکا ائر رنگ نہیں نکالا جائے گا۔ اسکو سکون نہیں آنا۔ کاٹے سوا ائر رنگ نکلنا بھی نہیں ہے۔ جو میرے بس کا روگ نہیں لگ رہا۔ اسلیے مجھے ڈاکٹر صاحب کی مدد لینی پڑے گی۔ آپ انکو کمرہ نمبر دو میں لے جائیں۔ میں ڈاکٹر صاحب سے رابطہ کرتی ہوں۔"

اس دس سالہ بچی کا ایک چھوٹا سا آپریشن ہی کرنے والی بات ہی ہو گئی۔ دوسری جانب پیغام بھجوایا جس کا جواب ژالے کی مرضی کا نہ آیا۔ کمپاوڈر نے درمیان والے دروازے سے سر نکالا۔

"ڈاکٹر صاحب اس وقت ہاؤس کال پر گئے ہوئے ہیں۔ واپس کب تک آتے ہیں۔ کوئی علم نہیں ہے۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ میں یہ مدد کر سکتا ہوں کہ آپ کو آلات مہیا کر دوں۔ ورنہ پھر مریض کو کل واپس بلا لیں۔"

اس نے اس کے جواب سے مایوس ہو کر اگلا پلان سوچا۔ بچی کی دادی سے پوچھا کیا وہ کل واپس آ سکتی ہیں۔ انہوں نے انکار کرتے ہوئے بتایا دور سے آئیں ہیں۔ ہر روز اتنا سفر کرنا انکے بس کا روگ نہیں۔"

ژالے نے شاہد خان کمپاوڈر سے آلات منگوا لیے۔ ساتھ مددگار کے طور پر بھی اسی کو کھڑا کر لیا۔ سپیرٹ کے ساتھ کان کو اچھے سے صاف کرتے ہوئے۔ اسکو یہ احساس شدت سے ہوا کہ "یہ عشق آسان

نہیں'' اپنی سوچ پر خود کو ہی ہنسی آئی۔ اسکے ذہن میں وہ دن گھوم گئے۔ جنکی یاد بھی اسکے تصور کے پردے پر دھندلی تصویروں جیسے رہ گئی تھی۔

وہ اپنی ماں کے بازو پر اپنا سوئٹ بینڈ باندھ کر بلڈ پریشر چیک کیا کرتی تھی۔ کبھی چمچ منہ میں دیکر ٹیمپریچر نوٹ کرتی۔ اسکی ایسی ہی حرکتیں دیکھ کر ماں نے ڈاکٹر کی پلاسٹک سے بنی کِٹ لا کر دی۔ پھر تو ژالے کبھی باپ کے پیچھے پڑی ہوتی۔ کبھی دادی کی ہڈیاں دیکھی جا رہی ہیں۔ دادی کے ٹوٹے دانتوں کو واپس انکی اصل حالت میں لانے کے لیے چینی کی پڑیاں بنا کر انکو پانی کے ساتھ کھانے کا بولتی۔ دادی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوتیں۔ ساتھ ہی اسکو ڈھیر سا پیار ملتا۔

ماں بڑے یقین سے کہتیں۔۔۔ میرا بچہ تو ابھی سے ڈاکٹر ہے۔ بڑی ہو کر تو بس ڈگری لے گی۔ تجربہ آج کما رہی ہے۔''

چہرے پر پہنے ماسک نے ایک آوارہ آنسو کو چھپا لیا۔ منظر کے آگے چھانے والی دھند کو اس نے چادر کے پلو سے رگڑ دیا۔

ایک کلک کی آواز کے ساتھ ائر رنگ کٹ گیا۔ آلے کے ساتھ دونوں حصے کان سے نکال لیے۔ زخم سے خون نکل آیا تھا۔ اچھی طرح سے صاف کرنے کے بعد مرہم وغیرہ لگا دی۔

''یہ اتنی بری جگہ پر زہم ہے۔ عام پٹی زیادہ دیر نہیں ٹکے گی۔ سر کے بالوں کی وجہ سے بہت جلد پھسل کر ڈھیلی ہو جائے گی۔ اسلیے کان کے اوپر ہی ٹیپ لگا رہی ہوں۔ احتیاط کیجئے گا۔ پانی وغیرہ سے پورا پرہیز رکھنا ہے۔ ساتھ میں دوا دے دیتی ہوں۔ روز ایک دفعہ کھول کر اچھے سے زخم کو صاف کرنے کے بعد مرہم لگانی ہے۔ اور اسی طرح ٹیپ کر دینا۔ انشا اللہ دو چار دن میں خشک ہو جائے گا۔ ساتھ میں اینٹی بائیوٹک دیتی ہوں جس میں کوئی ناغہ نہ آئے۔''

بچی کی دادی کو آدھی سمجھ آئی باقی کی آدھی شاہد خان نے اپنی زبان میں سمجھا دیا۔

وہ بوڑھی عورت ژالے کا منہ چوم کر دعائیں دیتے ہوئے اپنی پوتی کو لیکر چلی گئی۔

شاہد خان نے مسکراتے ہوئے اپنی رائے دی۔

"آپ سردار کی رشتے دار ہیں۔اسلیے سارے گاؤں والوں نے آپکا دل سے استقبال کیا مگر اب یہ آپکا اخلاق اور رویہ ہے جو لوگوں میں آپکو بڑی جلدی بڑا مقبول کر رہا ہے۔میرا گاؤں یہاں سے دو گاؤں پیچھے ہے۔ وہاں ہر ایک کو آپکا پتہ ہے۔"

"شکریہ شاہد خان۔۔۔کیا میں سمجھوں تم نے اپنے گاؤں والوں میں میری مشہوری کی ہے۔"

شاہد خان بیس بائیس برس کا شرمیلا سا نوجوان تھا۔ابھی بھی شرمیلی سی مسکراہٹ سمیت بولا۔

"نہیں میم اسکی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔پہلے ہی دن میرے گاؤں کی دو خواتین ڈاکٹر صاحب کے پاس اپنے بچے کو لیکر آئیں۔مگر خوش قسمتی سے اس دن آپ یہاں موجود تھیں۔بس انہوں نے واپس جا کر خبر عام کی اور گاؤں دیہات میں خبر بڑی جلدی پھیلتی ہے۔"

"یہ تو ہے۔پہلے دن میں واپسی پر راستہ بھول گئی تھی۔دوسرے دن ہر آنے والی خاتون نے یہی سوال کیا۔"

شاہد خان نے قہقہہ مارا۔عین اسی لمحے شیر بخت نے باہر والے دروازے سے سر نکال کر ایک لمحے کو اندر جھانکا اور برا سا منہ بنا کر پیچھے ہو گیا۔

شاہد خان اجازت لیکر چلا گیا۔پر ژالے کو شیر خان کے عمل پر اگلا سارا وقت حیرت ہی ہوتی رہی۔

آج وہ ساڑھے سات بجے فارغ ہوئی تھی۔باہر اچھا خاصہ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔دوپہر کا کھانا آج دادی کی جانب سے ڈرائیور کے ہاتھ آیا تھا۔دماغ میں سوچ رہی تھی۔کس طریقے سے شکریہ کہنا چاہیے۔جب بیگ کندھے پر ڈال کر ان میں سے دستانے نکالتی ہوئی باہر آئی ہی تھی۔کہ تھڑی پر بیٹھے شیر خان کو دیکھ کر بری طرح چونکی۔حیران ہوئی۔پھر ڈھیر سا غصہ آیا۔

"کیا تم صبح سے ایسی ٹھنڈ میں اس جگہ پر بیٹھے ہوئے ہو۔؟"

شیر خان اسکی آواز سن کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کپڑے جھاڑنے لگا۔

"ادھر بیٹھ کر میں نے اپنا برف کا بت بنانا ہے کیا۔؟ میں تو چائے والے کے کھوکھے پر تھا۔اس نے مجھے نوکری دیا ہے۔"

"عجیب انسان ہو۔آخر کتنی نوکریاں کرنے کا شوق ہے۔"

"یار طبیب شوق کا بات نہ کرو۔ کیونکہ میرا دل کو تکلیف ہوتا ہے۔"

"کیوں بھئی۔۔؟۔"

وہ دونوں اب واپسی کے رستے پر گامزن تھے۔ اندھیرا تو تھا۔ مگر یہ شکر تھا کہ سڑک سیدھی اور پکی تھی۔ دشواری کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔

"میرے کو پائلیٹ بننا تھا۔ پر۔۔۔۔"

"ارے واہ اتنا کمال کا شوق تھا۔ تو پورا کیوں نہیں کیا؟۔۔ضرور پڑھائی سے جان جاتی ہوگی۔"

جواب میں شیر خان نے خاموشی کا لمبا وقفہ لیا۔ جب ژالے کو امید ہو گئی کے نہیں بولے گا۔ تب ہی وہ مدہم آواز میں بولا۔

"میں نے پانچویں میں کوئٹہ بورڈ سے ٹاپ کیا تھا۔ اگر یقین نہ آئے تو سردار کے دفتر میں جا کر دیکھنا اخبار کا ٹکڑا فریم ہو کر دیوار میں لگا ہے۔ اس میں میری تصویر ہے۔"

ژالے کے قدم رک گئے۔ آج تو یہ گندے سے حلیے والا لڑکا حیران پر حیران کر رہا تھا۔

"تو آگے کیوں نہیں پڑھا؟۔۔"

"تم جان کر کیا کرے گا؟۔۔"

"کچھ بھی نہیں بس ویسے ہی تجسس ہوا ہے۔ اگر تم اتنے اچھے طالب علم تھے۔ تو تعلیم جاری رکھنی چاہیے تھی۔"

"یار طبیب تعلیم حاصل کرنے کے لیے صرف اسکول ہی تو واحد جگہ نہیں ہیں ناں۔ میں نے سکول سے کچھ ایسا نہیں سیکھا تھا۔ جو مجھے زندگی کی دھوپ سے بچا سکتا۔ مگر زندگی کی دھوپ میں کھڑے ہو کر میں نے وہ سبق سیکھے ہیں۔ جو انسان کسی علمی درسگاہ سے نہیں سیکھ سکتا۔"

ژالے کو لگا اسکے ساتھ چلنے والا لڑکا وہ نہیں جو بظاہر نظر آتا ہے۔ بلکہ وہ کوئی درویش معلوم ہوا۔

"تم نے ایسی باتیں کہاں سے سیکھیں؟۔"

"یہ باتیں میں نے اپنی ماں کی گود سے سیکھیں ہیں۔ مجھے یہ سب سیکھا کر اب وہ خود بڑا روتی ہے۔"

ژالے نے ایک دم اسکو کندھے سے تھام کر اپنی طرف گھمایا۔
''تم کون ہو؟۔ کیا کالیا کے کچھ لگتے ہو؟۔''
شیر بخت نے اسکو تعجب سے دیکھا۔
''میں نے سردار کو بتایا تھا۔ تم پر ضرور کسی جن کا سایہ ہے۔ ابھی پھر کیا کوئی حاضری کا وقت ہے؟؟ مجھ سے پوچھتا ہے۔ میں کون ہوں؟؟ اوئے خانہ خراب میں شیر بخت خان ہوں۔ تم جن ہے تو ہوئے گا۔ میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں۔ اور کالیا کون ہے؟؟۔''
ژالے جیسے ہوش میں آئی۔
''میرے میں جن نہیں آتا میں خود ہی جن ہوں۔ چلو جلدی باتوں میں دیر کر رہے ہو۔''
دونوں ایک دفعہ پھر چل پڑے۔
دو سیکنڈ بعد شیر خان بولا۔
''میں نے تم کو شاہد خان کے ساتھ بات کرتے دیکھا تھا۔ مجھ کو اچھا نہیں لگا۔ تم آئندہ اسکو فری ہونے کا موقع نہیں دیگا۔''
''ارے یہ کیا بات ہوئی۔ کیا سوچ کر تم نے ایسی بات کہی۔''
''دیکھو طبیب تم اچھا لڑکی ہے۔ لڑکوں کی طبیعت سے واقف نہیں ہے۔ یہ لوگ پہلے معصوم بن کر بات کرتا ہے۔ پھر اپنے دوستوں میں بیٹھ کر فخر جتاتا ہے۔ کہ فلاں لڑکی کے ساتھ میرا علیک سلیک ہے۔ لڑکوں کو یہی لگتا ہے۔ کہ جب کوئی لڑکی انکے ساتھ بات کرتی ہے۔ ہنستی ہے۔ اس کا ایک ہی مطلب ہے۔ وہ لڑکی انکو پسند کرتا ہے۔ وہ خود کو شاہ رخ خان سمجھتا ہے۔ تم سردار کا رشتہ دار ہے۔ اسلیے ایویں کسی آدمی سے بات نہیں کرنا۔''
ژالے نے دل میں سوچا۔ دادی نے جھوٹ میں مجھے اپنی رشتے دار ظاہر کیا ہے۔ اور اب یہ بھولے لوگ اسی بات پر یقین کیے بیٹھے ہیں۔ اس نے بات آگے بڑھائی نہیں پر آج وہ صحیح معنٰی میں شیر بخت خان سے متاثر ہوگئی تھی۔
تھوڑی دیر بعد وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''ویسے شیر خان اگر تم نہا دھو کر صاف ستھرے بن کر آیا کرو تو میں تمہارے لیے ایک نوکری نکال سکتی ہوں۔ اگر تم چاہو تو میں سردار سے بات کر سکتی ہوں۔''

''تنخواہ کیا دے گا؟۔۔''

''وہ چائے والا کیا دیتا ہے؟۔''

''اس نے ابھی تک کوئی نہیں دیا۔آج پہلا دن تھا۔پر کل سے مجھے دس روپیہ دیہاڑی دیگا۔۔''

''کیا۔۔۔!!؟؟۔۔''

ژالے کو لگا وہ یقیناً مذاق کر رہا ہے۔

''دیکھو تم اس وقت ایسے پیچھے نہ مارو۔۔ادھر راستے میں قبرستان بھی ہے۔کوئی بھوت نہ ادھر کو آ جائے۔''

''میں دن کی روشنی میں یہاں سے بڑی دفعہ گزر چکی ہوں۔کہیں قبرستان نظر نہیں آیا۔اور تم دس روپے دیہاڑی کے لیے اتنی محنت کرو گے۔میں تمہیں سو روپیہ دن کا دینے کو تیار ہوں۔پر شرط وہی ہے۔نہا دھو کر' خوشبو لگا کر آنا ہوگا۔''

''میں خوشبو کسی کی چوری کر کے لگا آونگا۔اگر تم مجھے پکا سو روپیہ دیگا تو میں کپڑے بھی کسی کے اٹھا لونگا۔''

وہ اپنی بات کرتے کرتے چونکا۔ژالے لکڑی کا دروازہ باہر سے کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی۔۔وہ پیچھے سے بولا۔۔

''تم ادھر کہاں جا رہا ہے۔''

مگر وہ رکے بغیر دروازے کے پیچھے غائب ہو گئی۔مجبوراً شیر خان کو بھی ادھر کو آنا پڑا۔۔۔

☆......☆......☆

دوپہر دو بجے وہ کوئٹہ سے آتے ہی تیار ہو کر ایک جرگے میں شرکت کے لیے چلا گیا تھا۔جہاں سے دن ڈھلے آمد ہوئی۔تب سے اپنے آفس میں بیٹھا کل سے پیچھے رہ جانے والا کام دیکھ رہا تھا۔نئی آنے والی پوسٹ کھول کر پڑھنے کے بعد جنکا جواب جانا ضروری تھا۔انکا جواب لکھ کر لفافوں میں سیک کر کے اوپر مہریں لگا کر انکی مخصوص ٹوکری میں رکھا جہاں سے کل اخبار دینے آنے والے ڈاکیے نے یہ خط ڈاک خانے لیکر جانے تھے۔

اخبار والا ہفتے میں سات دن بلاناغہ آتا۔ اگر راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہوتی۔

اسکے بعد ائی میلز کی باری آئی۔ وہاں سے فارغ ہو کر تمام استادوں کی تنخواہ خاکی لفافوں میں ڈال کر لفافے کی پشت پر نام لکھے۔ اس سب کے دوران اس نے سر پر پہنی روایتی بلوچی پگڑی بھی نہیں اتاری تھی۔ جو وہ تب پہنتا جب جرگہ ممبر کی حیثیت سے اسکو کہیں شرکت کرنا ہوتی۔ کالے شلوار سوٹ پر ڈارک گرے جیکٹ اور سر پر دونوں طرف لمبے پلوؤں والی بلوچی دستار۔۔ گھنی مونچھوں کو بل دیکر سیٹ کیا ہوا تھا۔ پر اسکے حلیے کے برعکس اسکا چہرہ رئیسوں نوابوں اور سرداروں سا کرخت نہ تھا۔ چہرے پر ہمہ وقت رہنے والی نرمی اس وقت بھی برقرار تھی۔

پورے انہماک سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ جب فون کی گھنٹی بجی۔ ویسے ہی مصروف انداز میں کال اٹھائی۔

"ہیلو؟؟۔"

دوسری جانب دادی تھیں۔

"ماں صدقے جائے۔ یہ دنیا کے دھندے تو کبھی ختم نہیں ہوتے۔ کل شام کے گھر سے نکلے ہوئے ہو۔ کچھ بوڑھی ماں کا ہی خیال کر لیتا تھا۔ مانا کام ضروری ہے۔ پر میری جان اپنا خیال کرنا بھی ہمارا فرض ہے۔ انسانی جسم کو آرام کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

اس نے فری ہاتھ سے دونوں آنکھیں مسلیں۔۔

"آج کھانے میں کیا مل رہا ہے؟۔۔"

"چٹورے آج نعمان کی فرمائش پر حلیم بنی ہے۔ ساتھ میں ابلے چاول رائتہ۔۔"

"اور میٹھے؟"

"میٹھے میں درخانے نے ہی کچھ کسٹرڈ سا بنایا ہے۔ فروٹ اور جیلی وغیرہ ڈال کر پتا نہیں کیا نام لے رہی تھی۔ شریں سا کچھ۔ ایک تو اب مجھے نئے کھانوں کے نام بھی آسانی سے یاد نہیں ہوتے۔"

"وہ جو بادام اور مربعے میں آپکے لیے لاتا ہوں۔ وہ اپنے بچوں کو کھلانے کی بجائے خود کھایا کریں تو ایسا کیوں ہو۔"

''اچھا اب تم میرے بچوں کے خلاف نہ شروع ہو جانا۔ بس کام ختم ہوا یا نہیں چھوڑ کر جلدی سے گھر آؤ میں کھانا لگواؤں۔''

''جو حکم ملکہ عالیہ غلام ابھی دس منٹ میں ہی حاضر ہوتا ہے۔''

دوسرے جانب دادی نے مسکراتے ہوئے فون رکھ دیا۔

دو چار جو پرچے سائن ہونے والے تھے۔ ان پر سائن کیئے۔ اور سیٹ سے اٹھ گیا۔ ٹارچ دراز سے نکال کر جیب میں ڈالی۔ دروازہ لاک کر کے گھر کی جانب چل پڑا۔ کالج کے احاطے سے نکل کر لمبا راونڈ لگا کر گھر کو جانے کا ارادہ تھا۔ جسکو پورا ابھی کیا۔ مگر جب گھر کے عین قریب تھا۔ تو چونک کر رکنا پڑا۔ دو لوگ سرگوشیوں میں باتیں کر رہے تھے۔ اور یہ آوازیں دادی کے باغیچے سے آ رہی تھیں۔ دھیرے سے چلتا دروازے کے قریب آیا تو اسے بھی چوپٹ کھلا پایا۔ تجسس کے ہاتھوں آگے چلتا گیا۔ وہاں لائٹ صرف جانوروں کے کمروں میں ہی تھی۔ باقی سب اندھیرے کا راج تھا۔ سردی بھی آج معمول کے مطابق ہی تھی۔ اسکے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا کہ آج ہاسٹل کی ٹیم نے یہاں دھاوا بولا ہے۔ بغیر کوئی آواز پیدا کیئے وہ عین سر پر پہنچ گیا۔ جہاں کچھ ایسی گفتگو چل رہی تھی۔

''شیر خان کے بچے میں نے تم سے کہا تھا۔ نیچے سے سیڑھی تھام کر کھڑے رہو۔ تم مجھے یہاں لٹکتا چھوڑ کر خود بندر کی طرح اوپر چڑھ گئے ہو۔''

''بی بی طبیب تم تو آدھی رات تک بس دو سیب توڑ پاتا۔ مجھے گل بدن کے پاس بھی جانا ہے۔''

''یہ جو تمہاری گل بدن ہے ناں میرے ہی ہاتھوں۔۔۔۔۔''

چہرے کے اوپر ٹارچ کی تیز روشنی پڑنے سے ژالے کی بات وہیں رہ گئی۔ جس شاخ کے سہارے کھڑی تھی ڈر کے مارے اس پر گرفت ڈھیلی ہوئی۔ پھر ایسا ہی لگا جیسے ہوا میں تیر رہی ہو۔ دو سیکنڈ بعد پکے ہوئے آم کی طرح سردار کی بانہوں میں گری۔

چند سیکنڈ لگے یہ سمجھنے میں کہ وہ درخت سے گر گئی ہے۔ پھر حواس کچھ قابو کر کے اندازہ لگایا شکر ہے گرنے سے کوئی چوٹ نہیں آئی۔ پر چوٹ کیوں نہیں آئی؟ اسکا جواب نیچے گری ٹارچ کی روشنی نے دے دیا جو سیدھی

سردار کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ژالے نے ایک زور کی چیخ ماری اور تڑپ کر اسکی گرفت سے نکلی۔

''میں انتہائی شرمندہ ہوں۔میرا گرنے کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔سارا قصور اس الو کے پٹھے شیر خان کا ہے اسکو میں نے اپنی مدد کے لیے یہاں نیچے کھڑا کیا تھا۔یہ مجھے دھوکا دیکر اوپر چڑھ گیا۔اور یہ بھی بتا دوں میں سیب چوری بالکل نہیں کر رہی ہوں۔میں نے دادو کو انکے پیسے دینے ہیں۔اصل میں انہوں نے مجھے دوپہر کا کھانا بھیجا تھا۔تو شکریہ ادا کرنے کے لیے میں نے سوچا انکو ایپل پائے بنا کر کھلاتی ہوں۔چونکہ آج صبح میں نے یہاں ہرے سیب دیکھے تھے۔بس وہی لینے آئی ہوں۔آپ چاہیں تو شیر خاں سے پوچھ لیں۔بتاؤ ناں شیر خان۔۔''

شیر بخت یا تو بہرا تھا یا اسکے نزدیک نئی پیدا ہونے والی صورتحال کوئی اتنی پریشان کن نہ تھی۔

''طبیب تم نیچے پڑا بالٹی مجھے پکڑاؤ میں اس میں سیب پھینکوں جلدی کرو۔۔''

ژالے نے ڈرتے ہوئے اک نظر سردار کی جانب دیکھا۔خفت سے مسکرائی۔اور اپنی چادر کا پلو پھیلا کر درخت کے نیچے کھڑی ہوگئی۔

''پھینکو۔۔۔''

ژالے کے کہنے کی دیر تھی۔شیر بخت نے سیب برسانے شروع کر دیئے۔جن میں سے زیادہ ژالے کے سر پر لگے۔اور کوئی ایک آدھ چادر میں گرا۔۔۔پہلی دفعہ سردار کو بولنا پڑا۔

''آپ دونوں کی کارکردگی پر میرے دل سے بے اختیار سبحان اللہ کی صدا بلند ہو رہی ہے۔واقعی دنیا میں عجوبوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔

اس نے شیر بخت کی بتائی بالٹی اٹھا کر ژالے کے قریب رکھی۔پھر نیچے گری ٹارچ اٹھا کر ہر طرف بکھرے سیب سمیٹنے میں ژالے کی مدد کی جواب تک شرمندہ سی تھی۔

''شیر بخت نیچے اترو۔یار رات کے وقت کوئی بیوقوف ہی درختوں پر چڑھتا ہے۔''

سردار کی بات پر فٹ جواب آیا۔

''میں نہیں چڑھنا تھا۔پر یہ طبیب کی وجہ سے پودے کو تکلیف دیا۔پر اب میری اک بات پر یقین تو آ گیا ہوگا ناں۔''

"کونسی بات پر۔۔؟؟"

"یہی کہ اپنا طبیب پر کسی جن ون کا سایہ ہے۔"

ژالے جو پہلے ہی خفیف سی ہو رہی تھی۔ جھک کر بالٹی سے دو سیب اٹھائے اور شیر بخت کا نشانہ لیکر رکھ کر اسے باری باری دونوں سیب مارے۔ایک سر پر لگا دوسرا کمر پر۔۔۔

وہ دہائی دیتا ہوا نیچے آیا۔

"ہائے میرا اماں میں مارا گئی۔"

خاموش ماحول میں ژالے کا قہقہہ جلترنگ بن کر بکھرا۔شیر بخت کے بولے جملے پر اسکی ہنسی رکنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ سردار بڑی مشکل سے سنجیدہ بنا کھڑا تھا۔شیر بخت اب سردار کو جتاتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔"

دیکھا اب آیا میری بات کا یقین؟؟۔"

شیر بخت سیبوں والی بالٹی اٹھا کر ناراضگی سے آگے چل پڑا۔اسکے پیچھے سردار اور سب سے پیچھے آنکھوں میں آیا پانی چادر سے صاف کرتی ژالے۔ابھی تک ہنسی کا دورہ ختم نہیں ہو پا رہا تھا۔

وہ لوگ مین دروازے سے جانے کی بجائے پچھلے شارٹ کٹ سے اندر گئے۔دادی کچن میں تھیں۔انکو دیکھتے ہی ژالے نے بلند نارا لگایا۔

"ہائے میرا اماں میں مارا گئی۔۔"

دادو نے تعجب سے اسکے سرخ ٹماٹر ہوتے گالوں کو دیکھا۔جو سیدھی سنک کی جانب بڑھ گئی۔منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لے بعد مڑی تو نظر سردار پر گئی۔ جو ماں سے مل رہا تھا۔دادی اسکے کندھوں تک آ رہی تھیں۔پر ژالے تو خشگوار حیرت سے اسکے سر پر سجی دستار کو دیکھ رہی تھی۔

"ارے آج تو آپ اصلی والے سردار لگ رہے ہیں۔"

بے اختیار منہ سے ستائش کے جملے نکل گئے۔دادی اسکی بات سے متفق ہوتے ہوئے مسکرا دیں۔سردار نے ایک بھرپور نظر اس پر ڈالی۔

"تھینک یو مس گل۔۔"

جبکہ سیبوں والی بالٹی ابھی تک لیکر کھڑا شیر بخت برہمی سے بولا۔

''سردار اگر سردار نہیں تو کیا باجا بجانے والا لگے گا؟۔۔''

''تم اب تک اتنا وزن کیوں اٹھا کر کھڑے ہو۔ نیچے رکھو اسکو اور چلو ادھر نل سے ہاتھ دھو کر کھانے کے لیے بیٹھو۔ میں بھی ہاتھ منہ دھو کر آتا ہوں۔''

سردار اسکو ٹوک کر کچن سے نکل گیا۔ دادی کی توجہ ژالے کی جانب گئی۔

''دوپہر کو کھانا بھیجا تھا۔ کیا تم نے کھایا؟۔۔''

''اف اس وقت مجھے اتنی بھوک لگی ہوئی تھی۔ اور پاستا بنا بھی بڑے مزے کا تھا۔ اسکا شکریہ ادا کرنے کے لیے میں آپ کے باغیچے سے سیب لیکر آئی ہوں۔ بڑی مزے کی ایپل پائے بنا کر کھلاؤنگی۔''

دادی میز کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں تھیں۔ وہ ان سے بات کرنے کے دوران درخانے نے جو کھانا ڈشوں میں نکال کر کاؤنٹر پر رکھا تھا۔ وہ اٹھا اٹھا کر میز پر لگانے لگی۔ دادی نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا تمہیں کھانا وانا بنانا بھی آتا ہے۔''

''کوئی خاص بڑی شیف نہیں ہوں۔ پر میری تائی کو شوق تھا کہ گھر کی ہر لڑکی کو ہر کام کا ہنر ہونا چاہیے۔ انکا کہنا ہے۔ لڑکی چاہے کتنی بھی پڑھی لکھی ہو۔ ہمارا مرد اپنی بیوی کو سامنے بیٹھا کر اسکے ڈگریوں کی آرتی نہیں اتارتا۔ بلکہ اچھا کھانا چاہتا ہے۔ وقت پر کپڑے دھلے پہننا چاہتا ہے۔ وہ یہ احساس ہمہ وقت مانگتا ہے کہ بیوی کے ہر ہر عمل اور بات سے یہ ظاہر ہو وہ اپنے شوہر کی ہر غلط درست کو آمین کہے گی۔ اور جب اسکا جی چاہے گا وہ اسکو کوڑھ مغز، کاہل، سست، اور جاہل بول کر اپنے احساسِ برتری کو دوام دیتا رہے گا۔ اوپر سے بھلا ہو ہمارے دینی علما کا انہوں نے بھی آج تک ایک ہی بات پر زور دیا ہے۔ انکا سارا دین آکر چار شادیوں کی اجازت پر اور مرد کے حاکم بنائے جانے پر ختم ہوتا ہے۔ بس یہی ایک بات مردوں نے پلے باندھی ہوئی ہے۔ اللہ نے مرد کو حاکم کا درجہ دیا ہے۔ تو مرد نے عورت کو ڈور ڈنگر کا درجہ دے دیا۔ پڑھی لکھی اور باشعور عورت صرف وہ ہی پسند کی جاتی ہے۔ جسکا اس مرد کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو۔ اگر وہی عورت اسکی بیوی، بہن، یا ماں کی صورت میں گھر پر موجود ہو تو وہ صرف گھر کی عورت ہے۔ اسکے آگے کچھ نہیں۔''

''پردادی میری جامعہ کی باجی نے ایک دفعہ کہا تھا۔ اسلام کوئی بے تکا قدامت پسند اور انسانوں پر ظلم کرنے والا دین نہیں ہے۔ یہ ایک ایسا خوبصورت ضابطہ حیات ہے کہ اس میں ڈھونڈنے سے بھی کوئی عیب و کجی نظر نہیں آتی۔ انہوں نے کہا اسلام جس کو زیادہ اختیار دیتا ہے۔ اسکا اتنا رتبہ ہی تو بلند کرتا ہی ہے۔ مگر اسکے فرائض بھی ویسے ہی سخت ہوتے ہیں۔ اگر ایک حاکم عیار مکار ہوگا۔ لوگوں کے حقوق پورے نہیں کرے گا۔ عوام پر کوئی فرض نہیں کہ وہ اسکی پیروی کریں۔ کیونکہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے کو اسلام ناپسند کرتا ہے۔ اسی طرح اگر شوہر اپنی عورت کو جان و مال کا تحفظ نہ دے سکے۔ اسکی وہ جائز خواہشات جو اسکے اختیار میں ہوں۔ اور وہ پھر بھی پوری نہ کرے۔ اپنی عورت کا حق باہر لٹا کر آئے۔ بے جا نہ ماری کرے۔ عزت نہ دے ایسا مرد کبھی بھی عورت کا حاکم نہیں ہوسکتا۔''

دادی' درخانے اور شیر بخت حیرت سے اسکو سن رہے تھے۔ جو کرسی پر ایک پاؤں اوپر کرسی پر رکھ کر بیٹھی جانے کس جذبے کے تحت بولے چلی گئی۔ چہرے پر انجانے درد کی کیفیت تھی۔

سردار کے قدم دہلیز کے باہر ہی تھم گئے۔ وہ تو ابھی تک اس قرب کے زیر اثر تھا۔ اب یہ لڑکی نئے انداز میں اسکو متوجہ کرگئی تھی۔ جو ابھی بھی کہہ رہی تھی۔

''مجھے اپنی مشرقی عورت پر بڑا پیار آتا ہے۔ ایک کاغذ کے ٹکڑے کی بدولت اپنی ساری زندگی گروی رکھتی ہے۔ ایک ذرا بازار تک جانا پڑے تو یہ لمبی لوگوں کی لائن سے اجازت طلب کرتی ہے۔ ساس سے سسر سے نند کو تو ناگوار نہیں گزر رہا۔ شوہر کے کپڑے تک دھونا بیوی کا فرض نہیں ہے۔ مگر ہماری عورت ایک شوہر ہی کیا اسکے سارے خاندان کے کپڑے دھوتی ہے۔ کھانے بناتی ہے۔ دن رات برتن دھو دھو کر بے حال ہو رہی ہوتی ہے۔ دن سے رات تک شوہر کے گھر بچوں کی نگرانی کرتی ہے۔ اسکی وفادار رہتی ہے۔ مرد پھر بھی رعوب ڈال رہا ہوتا ہے۔ کھانے میں نمک تیز ہے۔ روٹیاں اتنی اکڑی ہوئی ہیں۔ یہ سب وہ صرف ایک غلط فہمی میں کئے چلا جا رہا ہے۔ کہ اسکو اللہ نے عورت پر حاکم مقرر کیا ہے۔''

دادی تو خاموشی سے سنتی جا رہی تھیں۔ مگر وہ خاموش نہ رہ سکا۔ گلا کھنکار کر اندر آیا۔ اپنی سیٹ سنبھال کر ثالے سے مخاطب ہوا۔

''مس گل پہلے نمبر پر تو میں یہ کہوں گا۔اتنی سی عمر میں اتنے گہرے تجزیے پر آپ واقعی انعام کی حق دار ہیں۔ جو بات آپ نے کہی سچ ہے۔مگر پورا سچ نہیں ہے۔تصویر کا ہمیشہ ایک رخ ہی جاذب نظر ہوتا ہے۔دوسرا رخ بڑا بے کشش اور بد رنگ ہوتا ہے۔اسی لیے ہم اسکو چھپا کر اندھیرے میں رکھ کر صرف روشن پہلو سامنے رکھتے ہیں۔''

''مگر آپ کا تجزیہ گھر کی چار دیواری کے اندر ہونے والی زندگی کے بارے میں ہے۔میرا دن رات کا واسطہ باہر کی دنیا سے ہے۔آج میں جس کیس کا فیصلہ سنا کر آیا ہوں۔جانتی ہیں وہ کس نوعیت کا کیس تھا۔''

''وہ ایک شادی شدہ چار بچوں کی ماں ہے۔اسکا مرد اسلام آباد میں نوکری کرتا ہے۔رہتا بھی ادھر ہی ہے۔ ہر مہینے گھر آ کر بیوی کے ہاتھ پر اپنی کمائی رکھتا ہے۔جب وہ گھر پر نہیں ہوتا اسکے پیچھے اسکی بیوی ہر سیاہ سفید کی مالک ہے۔اور اس عورت نے کیا کیا ہے۔اپنے ہی مرد کے چچا زاد کے ساتھ پہلے فون پر سلام دعا قائم کی۔پھر گھر پر اسکا آنا جانا شروع ہوا۔کسی نے زیادہ بات اس لیے نہیں اچھالی کہ اپنا ہے۔پر اس عورت نے اپنے شوہر کی حق حلال کی کمائی اس آدمی پر لٹانی شروع کی اپنا زیور بیچ کر اسکے حوالے کر دیا۔اب وہی مرد اسی عورت کے گھر میں اسی کی جوان بیٹی کے ساتھ زیادتی کر کے فرار ہو گیا ہے۔مس گل کیا آپکو اپنے معاشرے کی ایسی عورت سے بھی پیار ہے۔جسکے مرد نے اپنی حیثیت کے مطابق ہر نعمت دی 'عزت دی' تحفظ دیا' اپنے بچوں کی ماں ہونے کا اعلیٰ رتبہ دیا۔اور وہ عورت ایسے انسان کے گھر کو آگ لگا کر خاک کر گئی۔جس نے اپنے ہاتھوں اپنے بچوں کا بچپن ختم کر دیا۔جسکو اللہ نے اتنا بلند مقام دیا ہو۔جنت اسکے قدموں میں رکھ دی ہو۔اور وہ اسی کے ساتھ کھیل جائے۔یقین مانیں یہ تو ایک مثال ہے۔میں آپکو ایسے ہزار آنکھوں دیکھے واقعے بتا سکتا ہوں۔اور اب اگر وہ باپ اپنی بیٹی کا بدلہ لینے کے لیے اپنی بیوی اور اس آدمی کو گولی مارے گا تو بڑے لوگ جوش میں آ کر ہر چینل غیرت کے نام پر ہونے والے قتل کو موضوع بنا کر گرما گرم بحث کریں گے۔چار دن سیاست چمکائی جائے گی۔ اینجیوز والے اپنی راگنی آلاپیں گے۔اس کے بعد اگلے واقعے کا انتظار ہو گا۔''

''میں آپکی اس بات سے بھی اتفاق کرتا ہوں۔مرد کا دین چار شادیوں اور حاکمیت کے اختیار پر ختم ہوتا ہے۔تو عورت نے بھی تو دین کو نماز روزے تک ہی محدود کر دیا۔یہ جاننے کی کوشش ہی نہیں کی کہ اللہ اسکو سمجھانا

کیا چاہ رہا ہے۔ نبی پاک ﷺ نے اپنی ساری زندگی کس چیز کی جانب توجہ دلوائی۔ جس ہستی نے عورت کو خاک سے اٹھا کر عرش کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ آج عورت اسی اپنے کو بھول گئی ہے۔ آج اسکو یاد ہے تو بس یہ کہ میرا حسن کتنے دلوں پر بجلی بن کر اتر سکتا ہے۔ کونسے رنگ میں میرے خدوخال نکھرتے ہیں۔ جس محفل میں جاؤں وہاں بس میرا ہی چرچہ رہ جائے۔ یہ آج کی عورت کے ذہن ودل کا حال ہے۔ چاہے وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ' گھر کی چار دیواری میں رہنے والی' یا باہر کام کرنے والی۔۔

اسلام نے کہا ہے۔ عورت چاہے نوے سال کی ہی کیوں نہ ہو۔ اسکو اجازت ہے اپنے مرد کے لیے لیے شوخ سے شوخ رنگ پہنے' زیور پہنے' میک اپ کرے' خوشبو لگائے۔ جیسا چاہے سنگھار کرے۔ اسکو پوری اجازت ہے۔ اور ایک نوجوان غیر شادی شدہ لڑکی کے لیے یہی سارے کام زہر ہیں۔ اسکو ہرگز اجازت نہیں ہے کہ وہ کسی بھی قسم کا ہار سنگھار تو دور کی بات شوخ بھڑکیلے کپڑے بھی پہنے جو راہ جاتے لوگوں کی توجہ کھینچنے کا باعث بنیں۔ مگر آج ہمارا معاشرہ اس حکم کی بالکل الٹ تفسیر ہے۔ بوڑھے لوگ چاہے میاں بیوی ہی ایک جگہ بیٹھ کر مسکراتے نظر آجائیں۔ ان پر ٹھٹھا لگ جاتا ہے۔ اور ویلنٹائنز ڈے پر ہاتھوں میں ہاتھ دیئے لو سانگز پر جھومنے والے دو نامحرم لوگوں کو دیکھ کر کیوٹ بولا جاتا ہے۔ انکو آئیڈیالائز کیا جاتا ہے۔ مس گل افسوس کی بات یہ ہے۔ آج ہم دین میں بھی پک اینڈ چوز کے فارمولے پر چل رہے ہیں۔ جو بات پسند آگئی اسکی حمایت اختیار کرلی۔ جو دل کو نہ بھائی وہیں چھوڑ دی۔ آپ نے بات ہی ایسی چھیڑ دی کہ حالیہ واقعے کے زیر اثر میں بھی کافی زیادہ بول گیا ہوں۔ اور اس چکر میں کھانا ٹھنڈا ہو چلا ہے۔ آپ سب پلیز مجھے معاف کریں اور کھانا شروع کریں۔"

ہلکا سا مسکراتے ہوئے اس نے اپنے لیے چاول نکالے۔

ژالے کا دماغ نم سا ہو گیا تھا۔ سر کو جھٹک کر بیدار کرنے کی کوشش کی ساتھ ہی ایک نظر دادی پر ڈالی جو اپنے برابر بیٹھے شیر بخت کے کندھے پر تسلی دینے کے انداز میں ہاتھ پھیر رہی تھیں۔ ژالے کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کیونکہ شیر بخت کا چہرہ اور کان لال بوٹی ہو رہے تھے۔ وہ سر جھکائے اپنی گندی میلی رلی کے ساتھ آنسو صاف کر رہا تھا۔ ژالے نے پریشان ہو کر سوالیہ نظروں سے سردار کو دیکھا۔ جس نے ژالے کے کچھ کہنے کا ارادہ معلوم

ہوتے ہی اپنے منہ پر انگلی رکھ کر اشارے سے ژالے کو خاموشی سے کھانا کھانے کا مشورہ دیا۔

وہ کچھ پل ناسمجھی سے دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے کھانے کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

ایک دفعہ پھر حیرت ہوئی جب شیر بخت کھانا کھاتے ہی خاموشی سے اٹھ کر چلا گیا۔ کسی نے اسکو نہیں روکا۔ دادی بھی افسردہ سی نماز پڑھنے کا اٹھ گئیں۔ کچن میں وہ دونوں اور درخانے ہی رہ گئے۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ جذباتی پن میں 'میں نے کوئی بہت بڑی غلطی کر دی ہے۔ دادو بھی اداس ہو گئی ہیں۔ اور شیر بخت کو کیا ہوا ہے؟؟۔۔"

سردار نے گہرا سانس لیتے ہوئے۔ ہاتھ میں پکڑا پانی کا گلاس میز پر رکھا۔ اور اپنی جگہ چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"چلیں مس گل میں آپکو ہاسٹل تک چھوڑ آؤں۔ پھر دروازہ بند ہو جائے گا۔"

وہ اسکا انتظار کیے بغیر پچھلے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ ژالے بے دلی سے اٹھی۔ سنک سے ہاتھ دھوئے اور فرش پر ایک سائیڈ پر رکھا اپنا بیگ اٹھا کر درخانے کو شبخیر کہتی ہوئی باہر نکل آئی۔

باہر سردار دروازے سے تھوڑا دور کھڑا ہو کر گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ قریب آ کر بولی۔

"میں نے اگر ان کا دل دکھایا ہے۔ تو صبح معذرت کر لونگی۔"

وہ اسکی جانب دیکھے بغیر آگے کو قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

"فکر نہ کریں مس گل ان دونوں کو آپکی نہیں میری باتوں نے دکھ دیا ہے۔ میں نے شیر بخت کے زخموں پر نمک چھڑکا ہے۔ اسلیے معذرت بھی میری طرف سے ہوگی۔"

"اسکا کیا مطلب ہوا؟۔۔"

"یہ آپکا تکیہ کلام ہے کیا مطلب۔۔۔ خیر اصل بات یہ ہے۔ شیر بخت کی فیملی کا تعلق کوئٹہ سے ہے۔ اسکا باپ اچھا بزنس میں ہے۔ یہ صرف ایک ہی بیٹا ہے۔ اسکی والدہ نے کرائے دار کے ساتھ گھر سے بھاگنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جسکا علم اسکے باپ کو ہو گیا۔ اس نے اسکی ماں کو اسی وقت طلاق دیکر گھر سے نکال دیا۔ شیر بخت کر بھی بیوی کے حوالے کر دیا۔ یہاں پر اسکا بوڑھا نانا رہتا تھا۔ اسکی ماں کو اسی نے سہارا دیا پر خود زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہا۔ گاؤں آ کر اسکی ماں نے پھر کسی کے ساتھ تعلق بنا کر اسکے ساتھ شادی کر لی۔ اسکو کہا کہ تم واپس اپنے باپ

کے پاس چلے جاؤ۔ یہ تیرہ سال کا تھا۔ ادھر بھوک فاقوں سے بھاگ کر باپ کے پاس گیا۔ اس نے سیدھا کہہ دیا۔ میں تمہیں اپنی اولاد ہی نہیں مانتا ہوں۔ تم ایک بدکردار عورت کے بیٹے ہو۔ کون جانے تمہارا باپ کون ہے۔

'' تب سے یہ یہاں ہے۔ ماں بھی دو سال بعد نئے شوہر کی مار دھار سے تنگ آکر واپس آگئی۔ اب یہ ذہنی طور پر اتنا متاثر ہو چکا ہے۔ میں نے بڑی کوشش کی یہ تعلیم مکمل کر لے۔ کوئی نوکری کا سبب بن جائے گا۔ مگر یہ نہیں مانتا۔ کہتا ہے جو سبق ماں نے اور زندگی نے سکھا دیئے ہیں۔ وہی بہت ہیں۔ بیمار ماں کی وجہ سے کہیں دور مزدوری کو بھی نہیں جاتا ہے۔ اسلیے میں نے اسکو آپ کے ساتھ رہنے کی پابندی دی۔ خدا ترسی کی مدد قبول نہیں کرتا ہے۔ تو سوچا اسی طرح چار پیسے کما لے گا۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کے برابر تھوڑے فاصلے پر چلتے ہوئے ہاسٹل کے دروازے تک پہنچ گئے۔ ژالے کے الفاظ کہیں کھو گئے تھے۔ آنکھوں کے آگے بار بار دھند چھا رہی تھی۔

'' آپ مذاق تو نہیں کر رہے ناں؟ ''۔

'' اس قدر خطرناک مذاق انسان کے ساتھ صرف زندگی ہی کر سکتی ہے مس گل میں نہیں۔''

'' ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ''۔

'' کاش میرے پاس اس سوال کا جواب ہوتا۔''

'' شیر بخت کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔''

'' میں کہتا ہوں۔ کسی بھی بچے کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ مگر خواہشیں یوں پوری کب ہوتی ہیں۔''

'' دو لوگ تو ایک دوسرے کی محبت میں ایسے قدم اٹھاتے ہیں۔ ہر انسان کو جینے کا حق حاصل ہونا چاہیے۔ مگر دو لوگوں کے کیئے کی سزا خاندان کا ہر فرد کیوں بھگتتا ہے۔ کیا محبت ایسی ظالم چیز ہے؟ ''۔

سردار نے ایک پل اس پر نظر ڈالی جو اسکے سامنے کھڑی ہو کر یوں بول رہی تھی۔ جیسے سوال اس سے نہیں اپنے آپ سے کر رہی ہو۔

'' مس گل اگر اس تمام عمل کے پیچھے واقعی محبت کا اثر ہوتا۔ بلکہ اگر محبت موجود بھی ہوتی تو یقین مانیے ایک دل بھی نہ ٹوٹتا۔ محبت لینے کا نام کب ہے۔ یہ دینے کا نام ہے۔ جہاں اتنے بڑے پیمانے پر تباہی مچ جائے۔

ماں جیسے رشتے کا تقدس پامال ہو جائے۔ ماں کہ وجہ سے تمام معاشرے سے اعتماد اٹھ جائے۔ وہاں بھلا کیسی محبت؟ کیا محبت؟ محبت کو بھی دو کوڑی کا کر کے رکھا ہوا ہے۔ دنیاوی رشتوں میں ماں اور اولاد کی محبت سے بڑھ کر اگر کوئی اور حقیقت ہے۔ تو براہ مہربانی مجھے ضرور بتایئے گا۔ آپ تو خوش قسمت ہیں۔ جو آپکی کوئی اولاد نہیں ہے۔ ورنہ میں آپکو یہی مشورہ دیتا جیسے بھی ہو اپنے شوہر سے کمپرومائز کر لیں۔ مگر اب یہ کہوں گا۔ آپکا اگر اپنے میاں سے کسی بھی طرح رابطہ ہو۔ آپ اس سے طلاق کا مطالبہ کر دیں۔ آپ جوان ہیں۔ خوبصورت ہیں۔ آپکو تو یوں فٹ سے رشتہ مل جائے گا۔ ہو سکتا ہے اس گاؤں میں اللہ آپکو لایا ہی اسی مقصد کے لیے ہو۔ یہاں آپکا جوڑ لکھا ہو۔"

ژالے جو اندھیرے میں دیکھتے ہوئے بڑے غور سے سن رہی تھی۔ ایک دم چونکی یہ گفتگو کدھر کو چل پڑی تھی۔ اپنے اندر اٹھتے ناگواری کے بادل بڑی مشکل سے دبائے۔ اسکو یقین نہ آیا ابھی چند سیکنڈ پہلے یہ آدمی کیا کہہ رہا تھا۔ اب کیا کہہ رہا ہے۔ غصہ دباتے ہوئے بولی۔

"سردار صاحب نہ جانے آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔ میرے اور میرے شوہر کے درمیان کوئی لڑائی یا اختلاف نہیں ہے۔"

وہ تھوڑی مایوسی سے بولا۔

"مگر سنا تو یہی ہے۔ وہ ناراضگی میں آپکو اکیلا چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔"

"وہ ناراض ہو کر نہیں گیا۔ پیسہ کمانے کی نیت لیکر ملک سے باہر گیا ہے۔ ہمارے درمیان ذرا سی بحث ہو گئی تھی۔ اسکو نوکری نہیں مل رہی تھی۔ بس اسی بات پر بحث ہو گئی۔ آپ نے نہ جانے کیا کہانی بنا لی۔ ویسے جو ادھر باغیچے میں حادثہ ہوا تھا۔ اسکے لیے میں ایک دفعہ پھر معذرت کرتی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ آپکے ایک دم ٹارچ مارنے کی وجہ سے ہی میرا فوکس ہٹا اور میں گری۔ اور مدد کا شکریہ کیونکہ اگر میں نیچے گرتی تو یقیناً اگلے کئی دن ہل نہ سکتی۔ اللہ حافظ۔۔۔۔۔ سپاٹ لہجے میں کہہ کر آگے بڑھ گئی۔ دماغ میں ابال اٹھ رہے تھے۔

تیز تیز قدموں سے چلتی راستے میں آنے والی ہر چیز کو اگنور کرتے ہوئے اپنے کمرے تک آئی۔ دروازہ لاک کر کے بیڈ پر بیگ اور چادر اتار کر بیڈ پر پٹخے۔

یہ سردار نے کس قسم کی بات کر دی۔

ہر دن ہر گزری رات کے سناٹے سے نکلتی ہوں۔ اور ہر رات پھر سے کوئی نئی بات ہو جاتی ہے۔۔ آخر ایسی گھٹیا بات اس نے کیوں کی؟

کیا میں غلط لوگوں کے درمیان ہوں؟

آنکھوں کے سامنے زینب کا بھنوں سا رویہ آیا۔ دادی کی شفقت آئی۔ نعمان کا پر خلوص اور عزت دیتا انداز۔۔۔ نہیں وہ لوگ ایسے نہیں تھے۔ پھر سردار نے یہ چول کیوں ماری۔ یا یہ مجھے بے اماں کا مال سمجھ کر چانس مار رہا ہے؟ کمرے میں لیفٹ رائٹ مارچ کے دوران ناخنوں کی شامت آئی ہوئی تھی۔ جو بچارے پہلے ہی چنے منے سے تھے۔

ہینڈ بیگ کی اندرونی جیب میں سنبھال کر رکھا موبائل نکالا اور مزید کچھ بھی سوچے بغیر فون میں فیڈ اکلوتا نمبر ملا دیا۔ دوسری بیل پر فون اٹھا کر بڑی سرد آواز میں یاددہانی کروائی گئی۔

”کیا آفت آئی ہے؟ کیونکہ ابھی کل میں نے یہ بات بڑی تفصیل سے واضح کر دی تھی کہ یہ نمبر مت ملانا۔“

جواب میں وہ پھٹ پڑی۔۔

”تو اور کسکا نمبر ملاؤں؟ اپنے مرے ہوئے باپ کا؟ اپنی مری ماں کا؟ یا انکا جو مجھے مارنے کو ڈھونڈ رہے ہیں؟۔ میری حفاظت کی ذمہ داری تم نے لی تھی۔ زمانے کے فوجدار بعد میں بننا پہلے اپنے نام پر بیٹھی عورت کو تحفظ دو۔“

بہنے کو تیار آنسوؤں کو روکنے کی کوشش میں گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے۔ کمرے میں مارچ دوبارہ شروع کر دیا۔ دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ جب ژالے کو لگا کہ شائد فون بند کر چکا ہے۔ تب استفسار ہوا۔

”کیا ہوا ہے؟۔۔“

ژالے کا جی چاہا اونچی اونچی رونے لگے۔ پر ضبط کرتے ہوئے بولی۔

”میں نے یہاں یہی بتایا ہوا ہے۔ میں شادی شدہ ہوں۔ میں تم سے صرف اتنا چاہتی ہوں۔ لوگوں کو اپنے

ہونے کا ثبوت دو۔ تاکہ کوئی میرے پر غلط نظر نہ ڈالے۔ مجھے ساتھ نہیں رکھنا نہ رکھو۔ میرے سے نفرت کرتے ہو۔ تو کرتے رہو۔ میرے سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتے نہ رکھو۔ میں تمہیں کبھی آواز نہیں دونگی۔ میں نے کل ہی فیصلہ کرلیا تھا۔ آئندہ یہ نمبر نہیں ملاؤنگی۔ مگر ہر روز کوئی نہ کوئی بات ہو جاتی ہے۔''

وہ اسکو درمیان میں ٹوکتے ہوئے بولا۔

''مجھے اصل وجہ بتاؤ ہوا کیا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟۔''

''کیا کرلوگے جان کر؟ آ کر میرے پر نظر ڈالنے والے کی آنکھیں نکالوگے؟ یا آنکھوں کے درمیان گولی ماروگے؟''

''پہلی بیوقوفی تم نے خود کو شادی شدہ بتا کر کی ہے۔ جب تمہاری شادی ہوئی ہی نہیں تو یہ ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی۔''

''ڈھونگ یہ تمہارے لیے تھا کالیا۔ کیونکہ میں تو تمہارے ساتھ جیسی تھی۔ اسکی کہ بنیاد پر چل پڑی تھی۔ ڈھونگی تو تم نکلے میں تو تمہاری اصل شناخت وصورت سے ہی ناواقف ہوں۔ نکاح پڑھانے والے نے تمہارا نام کالیا نہیں لیا تھا۔ تم سن رہے ہو ڈھونگی انسان تم نے میرے ساتھ ڈھونگ کیا ہے۔ کیوں کیا یہ نکاح تمہاری وجہ سے بوا مری ہیں۔ تمہاری وجہ سے میں اس حال میں ہوں۔ جانتے ہوناں میرے خاندان کو۔ اگر میں اس وقت اپنے گھر پر موجود ہوتی تو کیا کسی سردار جیسے یا دوسرے تیسرے انسان کی جرات ہوسکتی تھی۔ جو مجھے کچھ کہہ جاتا۔ اب تمہیں خیال آیا ہے کہ تم اور میں کبھی ساتھ نہیں رہ سکتے تو تب اپنا یہ کمینہ پن کیوں ظاہر نہ کیا۔ جب ایک بوڑھی مجبور مائی کی امیدیں بڑھا رہے تھے۔ میں راحیل سے شادی کرکے آج پوری عزت سے اپنے گھر پہ ہوتی۔''

''تمہاری شادی اسکے ساتھ نہیں ہونی تھی۔''

''کیوں نہیں ہونی تھی؟ اگر میں اس دن وہ نکاح قبول نہ کرتی تو اگلے دن میرا نکاح راحیل سے ہی ہونا تھا۔''

''نہیں ہونا تھا۔ جب میں کہہ رہا ہوں۔ تو مان جاؤ میں نے نکاح سے پہلے اسے ہر حال میں ماردینا تھا۔''

"تم قاتل ہو۔"

"کہہ سکتی ہو۔ مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔ میرے پاس یہ عاشقوں کی طرح سے فون پیکیج لگا کر ساری ساری رات باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔ تم وہی باتیں دوبارہ سے دہرا رہی ہو۔ جنکا جواب میں کل دے چکا ہوں۔ خود کو لکیر کی فقیر نہ ثابت کرو۔ اپنا دماغ کام میں لاؤ۔ اور دوسری میری بات یاد رکھنا۔ اگر عورت خود موقع نہ دے تو کوئی ماں کا لال اس پر ایسی ویسی نظر نہیں ڈال سکتا۔"

"کر دی نا وہی گھسی پٹی بات۔ اگر مجھے خود ہی اپنے لیے کھڑا ہونا ہے۔ تو تم کس مرض کی دوا ہو۔"

"میں نے کب کہا تھا میں تمہاری حفاظت کروں گا؟ کب میں نے تم سے قدم قدم پر ساتھ دینے کے وعدے کئے تھے۔ بی بی میں تو تمہیں جانتا تھا۔ ایک ذرا سا حوالہ تھا۔ اسکے ناتے مدد کر دی۔ تم میرے بارے میں جانتی کیا ہو؟ یقین مانو اگر اپنا اصل تعارف کروا دوں تو میرے سائے سے بھی پناہ مانگو گی۔ میں دنیا میں آخری مرد بھی رہ گیا۔ تب بھی میرے ساتھ ایک پل گزارنا پسند نہیں کرو گی۔ میرا شکریہ ادا کرو شاید میں تمہیں اپنی جنگ میں شامل ہی نہیں کر رہا ہوں۔ وہ بھی ایک بڑے نیک انسان کی تم پر مہربانی کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ درمیان میں نہ ہوتے۔ تو شائد حالات اس سے بھی تلخ ہوتے۔"

"تم کالیا ہو یا جو کوئی بھی میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا۔ مجھے تم سے سخت نفرت ہے۔ کوشش کرنا اب بھی میرے سامنے نہ ہی آؤ۔ ورنہ منہ نوچ لونگی۔"

فون بند کر کے بیڈ پر پھینک دیا۔

"بس پڑ گئی مجھے بھی ٹھنڈ بڑا اٹھا کر میں نے اسکا نمبر ملایا تھا۔ میرے فیصلے پر ہی لعنت ہے۔ جس سے ایک دفعہ بھلائی نہ ملے بار بار اسی سے امید بھاندنا بھی بے غیرتی ہے۔ اور میں نے آج اس وقت اس آدمی کا نمبر ملا کر بے غیرتی کا ثبوت ہی دیا ہے۔ اب مر بھی جاؤں تو اسکو فون نہیں کرونگی۔"

آگے بڑھ کر فون اٹھایا۔ باتھ روم میں جا کر سنک میں پانی بھر کر پانی میں فون رکھ دیا۔ خود وہیں کھڑی ہو کر فون کی روشن سکرین کو دیکھنے لگی۔ پورے پانچ منٹ گزر گئے۔ فون کی سکرین اسی طرح روشن رہی۔ حیرت بھی ہوئی۔ پر فون کو ویسے ہی پانی میں چھوڑ کر وضو کیا نماز پڑھی۔ جی بھر کر اللہ سے مدد مانگی۔ دل میں ٹھنڈک سی اترتی

محسوس ہوئی۔

سونے کے لیے لیٹنے سے پہلے فون پر ایک نظر ڈالی جو اسی طرح بالکل صحیح سلامت کام کر رہا تھا۔

"عجیب ڈھیٹ فون ہے۔" مزید پانی ڈال کر لائٹ بند کر کے بیڈ پر آ گئی۔ کپڑے بدلنے کا موڈ نہ تھا۔ کیونکہ پھر سے سردی لگوانے کا اسے کوئی شوق نہیں ہو رہا تھا۔

دونوں آنکھیں بند کیں تو ماں کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آ گیا۔

اکھیاں ترسن چھم چھم برسن

دید ماں میری کرا جا اک واری گل لا جا۔۔۔۔۔۔۔

درود پاک پڑھ کر انکی روح کو ثواب بھیجا اسی طرح درود پڑھتے پڑھتے آنکھوں میں نمی لیے نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

☆......☆......☆

ملازمہ نے آ کر اسکو بھائی کے فون کا پیغام دیا تو زرمین کے چہرے پر رونق دوڑ گئی۔ مہمانوں کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ معذرت کرتی ہوئی فوراً سے باہر نکل آئی۔ اپنے کمرے میں جا کر سکون سے بیڈ پر دونوں ٹانگیں اوپر کر کے تکیہ گود میں رکھنے کے بعد ہولڈ پر رکھا ریسیور اٹھایا۔

"اسلام علیکم۔۔۔آخر بہن کی یاد آ ہی گئی۔"

دوسری جانب سے ولی اللہ کا زندگی سے بھرپور قہقہہ سنائی دیا۔

"وعلیکم اسلام۔۔کیسی ہو مشرقی عورت؟۔۔"

اب کے وہ بھی ہنس دی۔

"باغی کمانڈو صاحب میں ایک دم فٹ آپ جناب سنائیں کیسی جا رہی ہے۔ اور جناب کو کس کی زلفوں نے اتنا مصروف رکھا ہوا تھا۔"

"آہ ہمارے ایسے نصیب کہاں۔۔۔اپنی تو زندگی گولیوں کے ساتھ گزر رہی ہے۔ جہاں چھوریوں کا دور دور کا گزر بھی نہیں۔ ہاں اگر کہیں ایک آدھ خراش آ جائے تو سی ایم ایچ جا کر خاکی آنچل دیکھ آتے ہیں۔ اپنی چڑیا

کی سنا ؤ ماے کو کتنا یاد کرتی ہے۔ ہر روز مجھے کوئی سات آٹھ چھینکیں ضرور آتی ہیں۔''

''چڑیا بالکل مزے میں ہے۔ اسکے پاپا نے باربی ہاؤس دلوایا ہے۔ اسلیے اب تو اسکا سکول جانے کو بھی دل نہیں کرتا۔ ہر صبح روتے ہوئے جاتی ہے۔''

''تو نہ بھیجا کرو ناں ظالم تم نے بھی اسکو پانچ سال کی عمر میں ہی چودہ جماعتیں کروانے کا ارادہ بنایا ہوا ہے۔

''اسکی ہم عمر لڑکیاں اس سے اگلی کلاس میں ہیں۔ یہ ابھی تک کے جی میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اوپر سے اسکے والد بھی اسکو روتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ پھر اتنی چالاک ہے۔ انکے سامنے اور ڈرامہ کرتی ہے۔''

''پر تم اسکی ہر چال کو ناکام کر کے جیل خانے بھیج دیتی ہو گی۔ اس دفعہ چھٹی پر اسکو مری لے آؤ میں ڈرائیور اور گاڑی بھیج دیتا ہوں۔ میں آفیشل کام کے سلسلے میں اگلے چار دن ادھر ہی ہوں۔ تھوڑا وقت ساتھ گزارتے ہیں۔ کیونکہ بارڈر کے حالات آج کل کشیدہ ہونے کی وجہ سے چھٹی ملنا مشکل ہے۔''

''ہاؤ اکسائیٹڈ مری کا تو آج کل موسم خوشگوار ہی ہو گا۔ ادھر لاہور میں تو غضب کی سردی پڑ رہی ہے۔ میں ابراہیم سے اجازت لے لوں۔ اگر مان گئے تو ان کو کہوں گی۔ اسلام آباد کی ٹکٹ کروا دینگے۔ آگے آپ ڈرائیور بھیج دینا۔ آپ بتائیں آپ کے لیے کیا لاؤں۔؟''

''کچھ نہیں یار آج کل اپنے پاس سپلائی کھلی ہے۔ اپنے ہٹلر سے پوچھو اور پھر بتانا مجھے۔۔''

''ہاں ابھی انکے مہمان آئے ہوئے ہیں۔ فارغ ہوتے ہیں تو پوچھ کر آپکو بتاتی ہوں۔''

فون رکھ کر خوشی خوشی جا کر ساس کو بتا کر جانے کی اجازت مانگی۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہونا تھا۔

جا کر مہمانوں کے پاس بیٹھ گئی۔ مگر اسکے چہرے پر خوشی کا رنگ ابراہیم کو اندر ہی اندر آگ لگا رہا تھا۔

جیسے ہی مہمان گئے وہ سب گھر والوں کے سامنے ہی شروع ہو گیا۔

''تم نے چار جماعتیں زیادہ پڑھی ہوتیں تو تمہیں کم از کم اتنی تمیز تو آتی کہ گھر آئے مہمانوں کو کس طرح ڈیل کیا جاتا ہے۔''

بند دروازے کے پیچھے سننے کی وہ عادی تھی۔ پر آج عدالت کھلے عام لگی۔ وہ تو بند دروازے کے پیچھے بھی اپنی صفائی دینے میں بڑی کوڑھ تھی۔ یہاں ساس سسر جیٹھ جیٹھانی اور نوکروں کے سامنے کیا بولتی۔

ساس نے ہی آخر صفائی دی۔
''ابراہیم اتنا غصہ کیوں کر رہے ہو۔ ولی اللہ کا فون آ گیا تھا۔ وہ کونسا ہر روز فون کرتا ہے۔ آج تین ماہ بعد اسکا فون آیا ہے۔ مہمانوں کے پاس تو تم موجود ہی تھے۔
''اماں میرے سامنے اس آدمی کی حمایت نہ کیا کریں۔ میں اس سے سخت نفرت کرتا ہوں۔ اور یہ عورت یہ بات جانتی ہے۔ پھر بھی ہر دفعہ مجھے نیچا دکھانے کو بھائی کے نام پر بھاگ کر جاتی ہے جیسے اس پر کوئی آفت آئی تو بھائی سپر ہیرو بن کر ریسکیو کرنے آئے گا۔ وہ لاڈ صاحب ہے۔ وہاں کہیں بیٹھ کر فون کرتا ہے۔ اور یہ عورت اپنا ہر کام بھول کر بھاگ اٹھتی ہے۔ بھئی اتنی ہی بہن بھائی کی محبت تھی تو رکھتا اسکو اپنے پاس کیوں میری زندگی میں زہر گھولنا تھا۔ میں تنگ آ گیا ہوں۔ آئندہ اس گھر میں اس آدمی کا ذکر آیا تو وہ دن اس گھر میں اس عورت کا آخری دن ہوگا۔ آپ سے کہہ رہا ہوں سمجھا لیں اسکو ورنہ پچھتائے گی۔ طلاق دیکر باہر نکالوں گا اور ساری زندگی اپنی بیٹی کی شکل تک دیکھنے نہیں دونگا۔''
اپنی بات پوری کر کے ایک نفرت بھری نظر زمین کے جھکے سر پر ڈال کر وہاں سے چلا گیا۔
باقی سب لوگ ایک ایک کر کے وہاں سے ہٹ گئے۔ ساس نے آ کر اسکے بت بنے وجود پر تسلی دیتا ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔ خالی نظروں سے انکی جانب دیکھا جو نادم نظر آ رہی تھیں۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ دیکھا کر وہاں سے نکل آئی۔
ملازمہ کو کمرے میں بلایا۔ اور اسکو ہدایت کی میرے بھائی کا فون آئے تو بول دینا میں گھر پر نہیں ہوں صاحب کے ساتھ ملک سے باہر چلی گئی ہوں۔ کہنا جلدی جلدی میں جانا ہوا ہے۔ آخری وقت پر پروگرام بنا تھا۔
ملازمہ نے فون اٹھایا تو وہ اپنے کانپتے ہوئے وجود کو لیکر باتھ روم میں بند ہو گئی۔ منہ پر دوپٹہ رکھ کر اپنے اندر کی سسکیوں کو دباتے ہوئے تڑپ تڑپ کر روئی۔ مگر خاموش کروانے کوئی نہ آیا۔ جو ایک جان دینے والا رشتہ تھا۔ اسکو اگر اس لمحے علم بھی ہو جاتا کہ اسکی بہن یوں باتھ روم میں بند ہو کر کیسے بے بسی کی تصویر بن کر مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہے۔ تو وہ اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا۔
ملازمہ نے کوشش پوری کی تھی۔ مگر دوسری جانب ولی اللہ تھا۔ جو سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں میں سے

تھا۔ اور وہ لوگ اتنے کند ذہن کب ہوتے ہیں کہ سچے یا جھوٹے سکرپٹ کو پکڑ نہ سکیں۔ بھاری دل کے ساتھ اس نے اپنی بہن کے لیے دعا کی تھی۔ پر کئی دفعہ جب انسان کی قسمت میں کوئی دکھ لکھ دیا گیا ہو ناں تو مخلص دعائیں بھی رستے میں سے ہی پلٹ آتی ہیں۔

☆......☆......☆

آج وہ دونوں معمول سے پہلے ہی کلینک جانے والے راستے پر خاموشی سے چلتے چلے جا رہے تھے۔ آج پھر دھند نے بھرپور حملہ کر کے بادلوں جیسی روئی کو زمین پر بکھیرا ہوا تھا۔

سرخ ہوتی ناک کو گرم شال کے اندر چھپا کر سانس کی گرمی سے سردی کا مقابلہ کر رہی تھی۔ شیر بخت کے ہونٹ سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ نجانے ژالے کو کیا سوجھی بولتی چلی گئی۔

''شیر بخت کیا تم خبریں سنتے ہو؟''

''ہاں کبھی کبھی کیونکہ میرا گھر پہ ٹیلی ویژن نہیں ہے۔ دکان والے کے پاس کبھی بیٹھ کر دیکھ لیتا ہوں۔''

''اچھا اخبار تو پڑھتے ہو گے۔''

''ہاں کیوں نہیں میں تو اس ملک کا وزیراعظم ہے۔ میرا ملازم اخبار میرے گھر پر دیکر جاتا ہے۔''

''کیا تم اس خبر سے واقف ہو۔ جو پچھلے دنوں نئے سال سے پہلے ایک وزیر کے بیٹے کا اسکی شادی کے دن قتل ہو گیا تھا۔''

''ہاں دکان پہ آدمی باتیں کر رہا تھا۔ تب سنا تھا۔ اس میں کیا خاص ہے ہزاروں آدمی مرتا ہے۔''

''اس میں خاص بات یہ ہے۔ وہ میرا تایا زاد تھا۔ اور وہ وزیر میرا تایا ہے۔ اس دن جب اسکا قتل ہوا۔ اس دن اسکی شادی مجھ سے ہو رہی تھی۔ مگر ہوئی نہیں کیونکہ اسکے ایک دن پہلے میرا نکاح کسی دوسرے آدمی کے ساتھ ہوا تھا۔ اور وہ آدمی ہی راحیل کے قتل کے پیچھے ہے۔ جس کے ساتھ میرا نکاح ہوا ہے۔ وہ کون ہے۔ کہاں ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتی۔ وہ مجھے جس گھر میں چھوڑ گیا تھا۔ وہاں میں اتنے دن اسکا انتظار کرتی رہی وہ نہیں آیا۔ میں بیمار ہو گئی۔ وہ تو زینب کو اللہ نے فرشتہ بنا کر وہاں بھیجا اس نے میری بات پر یقین کر کے میری مدد کی تو میں یہاں ہوں۔''

شیر بخت کے قدم ساکت ہو چکے تھے۔ حیرت و بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے اسکو دیکھے جا رہا تھا۔ ژالے نے اسکا کندھا پکڑ کر اچھا خاصہ جھٹکا دیا۔۔

"بیچ راستے میں بت بن کر کھڑے ہونے کا وقت نہیں ہے۔ دیکھو زینب ادھر ہے نہیں۔ اور مجھے اس وقت ایک مخلص دوست کی ضرورت ہے۔ جو مجھے درست مشورہ دے۔ جس طرح کل تم نے مجھے شاہد خان سے بات کرنے سے روکا تھا۔ بس اسی بات نے مجھے ہمت دی ہے کہ تم سے یہ سب کہہ سکوں۔ سمجھ رہے ہو ناں۔ پلیز کسی کو یہ نہ بتانا۔ ورنہ میرے گھر والے مجھے ڈھونڈتے ہوئے یہاں آئینگے اور مار دینگے۔"

"کون گھر والے؟ تمہارا اماں باپ۔۔؟

"نہیں میرے ماں باپ زندہ نہیں ہیں۔ میرے تایا جن کا بیٹا مرا ہے۔ وہ مجھے ڈھونڈ رہے ہیں۔"

"کیوں؟۔۔"

"کیونکہ وہ سمجھتے ہیں انکے بیٹے کو میں نے مروایا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں میں کسی سے محبت کرتی تھی۔ اور اسی کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی ہوں۔ میں قرآنِ کریم اٹھانے کو تیار ہوں۔ ایسا حقیقت میں نہیں ہوا ہے۔ یہ ان لوگوں کی فرضی کہانی ہے۔ سچ یہ ہے۔ ہمارے گھر کی ایک پرانی ملازمہ نے مجھے کہا کہ اس نے میرے لیے ایک اچھا رشتہ دیکھ لیا ہے۔ اور فون پر اسکے ساتھ نکاح پڑھوا دیا۔"

"اس وزیر کا۔ بیٹا تو بہت خور تھا۔ خبروں میں آئے دن اسکے خلاف خبریں ہوتی ہیں۔"

"ہاں تب ہی تو یہ سب ہوا۔ اب صورتحال یہ ہے۔ جس کے ساتھ میرا نکاح ہوا تھا۔ میں نہیں جانتی وہ کدھر ہے۔ کون ہے۔ پر وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ وہ اس دن جو پارسل تمہیں مجھے دینے کے لیے دیا گیا تھا۔ وہ اسی نے بھجوایا تھا۔

اس کے اندر کچھ پیسے اور ایک فون تھا۔ جس پر میں نے اسکے ساتھ تفصیلی بات کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ اس نے مجھ سے شادی یا گھر بسانے کی نیت سے نکاح نہیں کیا تھا۔ بلکہ میں مشکل میں تھی۔ اس نے میری مدد کو ساتھ دیا۔ اب مصیبت ٹل گئی ہے۔ تو مجھے چاہیے کہ میں اپنے راستے جاؤں۔ اب تم مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟۔۔"

"مجھے تو لگ رہا ہے۔ تم کسی فلم کی کہانی سنا رہا ہو۔"

''کاش کہانی ہی ہوتی۔ پر پتا کیا اب میرا دل چاہتا ہے۔ گھر واپس چلی جاؤں تایا کے پیروں میں گر کر معافی مانگ لونگی۔ پر وہ کہتا ہے۔ میں وہاں واپس جانے کا سوچوں بھی ناں۔۔ کل رات کو جب تم وہاں سے چلے گئے تھے۔ جانتے ہو سردار نے کیا کہا۔''

ڈالے نے شیر بخت کے تاثرات میں یکدم تبدیلی دیکھی۔ وہ پہلے سے زیادہ متوجہ ہوگیا۔

''کیا کہا اس نے؟ تو اسکا مطلب یہ بھی ہوا تم سردار کا رشتے دار نہیں ہے؟۔۔''

''نہیں یہاں پر کسی سے بھی میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ پر زینب اور دادی کا احسان ہے۔ انہوں نے میری مدد کی ہے۔ ورنہ میرا کیا بنتا تھا۔''

سردار کے الفاظ بھی اس نے شیر بخت کے سامنے دہرا دیئے۔

شیر بخت کے چہرے پر بوڑھے باپ سے جذبات ابھرے۔ جو میں نے کل شاہد خان کے لیے بولا تھا۔ آج سے ہر ایک کے ساتھ اپنا رویہ ایسا ہی کر لو۔ سردار چاہے جتنا بھی اچھا ہو۔ ہے تو مرد ہی ناں۔ اور تم ایک عورت ہو۔ یہ گاؤں اچھا ہے۔ میرے جیسے انسان کو اگر پناہ دے سکتا ہے۔ تو تمہیں بھی قبول کر چکا ہے۔ آئندہ کسی کو بھی اپنا سچ سنانے مت بیٹھنا۔''

''زینب سارا سچ جانتی ہے۔ اسکے بعد ابھی تمہیں بتایا ہے۔''

''اچھا کیا تم نے مجھے بتا دیا۔ پہلے تمہارے ساتھ پیسے کمانے کے لیے آتا جاتا تھا۔ آج سے فرض سمجھ کر آیا کرونگا۔ بس ایک وعدہ کر دو۔ کبھی کوئی ایسا کام نہ کرنا کہ میرا بھلائی پر سے بالکل ہی ایمان اٹھ جائے۔ جیسے تم نے اپنی کہانی سنائی ہے ناں۔ ویسے ہی میری بھی کہانی ہے۔ پر میرے میں ہمت نہیں ہے۔ جب کبھی خود کو بہادر پایا تو بتا دونگا۔ بس اتنا سمجھ لو دھتکارا ہوا انسان ہوں۔ تمہیں تو پھر ایک مرد نے سچ بتا کر خبردار کر دیا ہے۔ مجھے تو میرے ماں باپ نے بڑی شفقت اور محبت دیکر دس سال پالا اور پھر ایک دن انتہائی بے کار بے جان چیز سمجھ کر دھتکار دیا۔''

''اگر تمہیں برا نہ لگے تو ایک بات کہوں۔ سردار نے مجھے تمہارے دکھ کے بارے میں بتایا تھا۔''

''بس اسکے آگے روایتی جملے مت کہنا جیسے کہ بڑا افسوس ہوا۔ اور انکو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ وہ۔۔۔ اور

برامنانے والی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ایسی باتیں زیادہ دیر کب چھپتی ہیں۔سردار نے تو پھر میرے لیے ہمدردی جتا کر بات کی ہوگی۔اچھا انسان ہے۔پر سب لوگ اتنے اچھے بھی نہیں ہوتے۔میں تو خاصہ ڈھٹ ہوگیا ہوا ہوں۔آپ کو باہر سے ٹھوکر لگے تو آپ گھر جا کر ناز نخرے دیکھاتے ہیں۔پر جب ٹھوکر گھر سے لگے تو باہر کسی سے ہمدردی کی امید بھی نہیں جاگتی۔اب راستے میں ہی کھڑے ہو کر یہ کیا باتیں شروع کردی ہیں۔''

''اچھا کیا میں نے سب بول دیا۔اب مجھے اکیلا پن محسوس نہیں ہو رہا نہ ہی گھبراہٹ محسوس ہو رہی ہے۔میں بڑا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی ہوں۔چلو کسی کے باغ سے سیب اور اخروٹ توڑ کر ناشتہ کریں۔اتنا بولنے کے بعد مجھے بھوک لگ گئی ہے۔پہلے تو ناشتہ کرنے کا بھی جی نہیں کیا۔''

''صبح صبح چوری کرو گی؟۔''

''ہاں تو کیا ہرج ہے۔ویسے ہمارے کل والے سیب ادھر ہی پڑے ہیں۔چل کر پائے بنائیں؟۔۔''

''آج تم کو گاؤں کے ہوٹل کا کھانا کھلاتا ہے۔''

''ہوٹل یہاں کہاں آگیا ہے۔فوڈ سٹال ہوگا۔''

''مقامی لوگ اسکو ہوٹل ہی کہتا ہے۔تم کلینک پر چلو میں کھانا لیکر آتی ہے۔''

''ٹھہرو میں پیسے دیتی ہوں۔''

''نہیں میرا پاس ہے۔پیسہ تم رہنے دو۔''

وہ اسکو ارے ارے کہتا چھوڑ کر تیزی سے بھاگ گیا۔

دوپہر میں ڈرائیور کے ہاتھ گرما گرم اپیل پائے آئی۔اور ساتھ میں ایک عدد مختصر سا نوٹ تھا۔جس پر درج الفاظ کچھ یوں تھے۔

''انسان کا دماغ مختلف سوچوں کی آماجگاہ ہوتا ہے۔اگر کبھی انسان اپنے دماغ میں آنے والے خیال کا یونہی بے دھڑک اظہار کردے جیسے میں نے کل رات کیا تو اگلے بندے کا دل دکھنا لازمی ہے۔جیسے آپکا دکھا۔میں بہت معذرت خواہ ہوں۔سوری کے طور پر آپکو تیار شدہ پائے بھیج رہا ہوں۔قبول کریں تو نوازش ہوگی۔(اور ہاں آفس کے نمبر پر آپکے لیے کسی خوشی محمد نامی آدمی کی کال آئی خود کو گل محمد صاحب کا دوست بتا رہا تھا۔اس

نے آپ کے لیے یہ پیغام چھوڑا ہے کہ اسکو بڑا افسوس ہوا جب آپ نے فون کیا تو وہ گھر پر نہیں تھا۔ پر آفس کا نمبر جو آپ نے اسکو دیا وہ آپ کے میاں کو دے دیا گیا ہے۔ اور وہ بہت جلد آپ سے رابطہ کرے گا۔)''

''سردار غازان خان''

نوٹ پڑھتے ہی ژالے بولی۔

کال آئی ہوگی۔ تب ہی تمہارا شک دور ہوا ہوگا۔''

دل ہی دل میں اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ سارا دن مصروفیت ایک دفعہ پھر ویسے ہی رہی۔ سر کھجانے کی فرصت بھی نہ ملی۔

☆......☆......☆

سکندر علی چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔ گھر بھر کا لاڈلا۔ باپ سرکاری ملازم تھا۔ ساری زندگی ایمان داری کے ساتھ نوکری کی۔ اب ریٹائر ہوئے بھی دو سال گزر چکے تھے۔ سکندر سے بڑی دو بہنوں کی شادی ہو چکی تھی۔ چھوٹی ایک کی منگنی بھی کر چکے تھے۔ سکندر نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری ڈھونڈنے کا اتنا چکر نہیں پالا۔ اسکو بچپن سے صرف ایک چیز کا جنون تھا۔ جیسے لڑکوں کو کرکٹ کھیلنے یا بیڈ منٹن کا شوق ہوتا ہے۔ سکندر کو گاڑیوں کا جنون کی حد تک شوق تھا۔ سکول و کالج کے زمانے سے دوستوں کی موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں پر ہاتھ سیدھا کر کے وہ پندرہ سال کی عمر سے ہی گاڑی چلانے میں استاد ہو چکا تھا۔ اپنے مالی حالات اتنے اجازت نہ دیتے تھے۔ کہ وہ چھوٹی سوزوکی کار ہی لے سکتا۔ تب ایک دن اسکے دوست نے ذکر کیا کہ ایم پی کے پاس ڈرائیور کی نوکری ہے۔ قابل اعتبار بندہ چاہیے۔ گاڑیاں وہاں نئے ماڈل کی بڑی والی تھیں۔ سکندر کو لگا اس سے بہتر موقع اپنے خواب پانے کا اور نہیں ہونا۔ ماں باپ کو بس سرسری سا بتا کر نوکری شروع کر دی۔ رہائش بھی ادھر ہی ہونے لگی۔ ایک ہی شہر میں گھر ہونے کے باوجود چھٹی پر ہی گھر آنا ہوتا۔ پر تنخواہ اچھی تھی۔ جسکی وجہ سے آزادی نہ ہونے کی کمی بھی کم ہوتی۔ پیسہ آنے لگا۔ گھر کے مالی حالات اور اچھے ہو گئے۔ اس نے اپنی ذاتی گاڑی بھی لے لی۔ کیونکہ وہ اپنی پھرتی اور مہارت کی وجہ سے مالک کا پسندیدہ ڈرائیور بن چکا تھا۔ راستے میں راہ بند ملتے تو وہ نہ جانے کن کن شارٹ کٹ رستوں سے گاڑی بھگاتا ہوا انکو مطلوبہ منزل تک پہنچا دیتا۔ گاڑی خراب ہوتی خود ہی

مرمت کرلیتا۔وہ گاڑیوں کا پورا انسائیکلو پیڈیا تھا۔

مختار احمد پہلی دفعہ انکی کسی گھریلو تقریب میں اسکی بہن کی منگنی پر شامل ہوا تھا۔وہ تو بڑے فخر سے سر اونچا کر کے دوستوں میں شیخی مارتا کہ مختار احمد جیسا امیر کبیر آدمی میرا جاننے والا ہے۔پر سادہ لوانسان یہ نہ جان پایا کہ کس قدر خطرناک سانپ کو اپنے گھر کا راستہ دیکھا دیا ہے۔

سکندر کی شادی پر بھی مختار کو بلایا اور وہ ایک دفعہ پھر شریک ہوگیا۔پر سکندر کی بیوی کو دیکھ کر اس کی ہوس زدہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

سکندر کی زندگی میں ایک کالی آندھی چلی تھی۔جو ساری کی ساری خوشیاں اڑا کر لے گئی۔اب وہ نہ صرف اپنی ٹانگوں پر چلنے سے محروم تھا۔بلکہ گھر میں قمانے والا بھی کوئی نہ رہا تھا۔سب حالات نے اسکو انتہائی چڑچڑا کر دیا تھا۔

جن لوگوں نے اسکی بیوی کو ڈھونڈنے میں مدد کی تھی۔وہ انکے نام ٹھکانے سے ناواقف تھا۔وہ لوگ خود ہی رابطہ کرتے تھے۔پھر غائب ہو جاتے۔

اسکو آج بھی وہ دن یاد تھا جب جیل میں مار کھا کھا کر وہ مرنے کے قریب تھا۔سپاہی نے آکر بتایا کہ چل اوئے تیری ضمانت ہوگئی ہے۔وہ بیساکھیوں کے سہارے باپ کے ساتھ اپنے ٹوٹے پھوٹے وجود کے ساتھ وہاں سے نکلا تو دل و دماغ میں پورا یقین تھا۔کہ بہت جلد پھر واپس یہیں ہونگا۔مگر ایسا نہ ہوا۔جن۔لوگوں نے ضمانت کروائی تھی۔ان کی جانب سے اسی رات اسے ایک فون کال موصول ہوئی۔پانچ منٹ کی کال میں فون لائن کی دوسری جانب موجود آدمی نے ساری بات پوچھنے کے بعد اسکو ایک نامعلوم مقام پر آنے کا بولا۔

اگلے دن وہ وہاں گیا۔وہاں موجود آدمی کے چہرے پر نقاب تھا۔اور اس نے چھوٹتے ہی ایک بات کہہ دی تھی۔تمہاری مدد کی جائے گی۔مگر شرط صرف ایک ہی ہے۔تم کبھی کسی کے سامنے ہمارا نام نہیں لوگے۔جب بھی اس واقعے کی بات آئے گی۔تم لاعلمی کا اظہار ہی کروگے۔اس نے جواب میں پوچھا تھا۔آپ کتنا سرمایہ لیکر میری بیوی کو بازیاب کروائیں گے۔

اگلے آدمی نے لاپرواہی سے سرسری سے صرف اتنا کہا۔تمہاری خاموشی ہی اس کی قیمت ہے۔

بیوی مل گئی۔ جس حالت ملی سوچتا تو جی چاہتا اپنا آپ ختم کر لے۔ مگر جو کچھ مختار احمد کے ساتھ ہوا۔ اسکا انجام جو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے بعد سے دل کو ایک تسلی ضرور تھی۔ کہ اس کے ساتھ ظلم کرنے والا آزاد گھوم پھر نہیں رہا ہے۔ بلکہ کتے کی موت مارا گیا ہے۔ اس رات ایک گاڑی اسکو اور بیوی کی لاش کو گھر پر پہنچا گئی تھی۔ انکو یہ مشورہ دیا گیا تھا۔ لاش دفنا کر کل یہ محلہ چھوڑ دو۔ مختار احمد کے ہاں کام کرنے والے کسی آدمی کارکن سے کسی سے بھی کسی قسم کا کوئی رابطہ نہ رکھا جائے۔

اسی رات اندھیرے میں لاش دفنا کر انہوں نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا۔ سکندر کو اب اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ پورا نہیں آسکتا جب اس کے گھر میں دو جوان بہنیں موجود ہیں۔

پولیس والے کتوں کی طرح مختار احمد کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہے تھے۔ ابھی تک انکے ہاتھ اسکی لاش بھی نہیں لگی تھی۔ خبروں کے مطابق دو دن پہلے مختار احمد کے پنڈی والے گھر پر ڈاکوؤں کا حملہ ہوا تھا۔ جس کے بعد مختار احمد کو اغوا کیا جا چکا تھا۔ کس نے اغوا کیا۔ کہاں لیکر گئے۔ شک انکے سیاسی مخالفین کی جانب جا رہا تھا۔ جبکہ مزے کی بات یہ ہے کہ ڈاکوؤں نے چرایا کچھ بھی نہیں تھا۔ سوائے مختار احمد کے۔

یہ خبریں سن کر سکندر کے اندر سکون سرایت کر جاتا تھا۔ حالانکہ وہ اس وقت دکھ کے گہرے سمندر میں تھا۔

دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد آنے والے نے دروازہ کھول اندر جھانکا۔

باہر شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ اندر گہرا اندھیرا تھا۔ بولتا ہوا اندھیرا ہر چھپی چیز کا اسرار دیتا ہوا اندھیرا۔ وہ اپنی وہیل چیئر پر بیٹھ کر باہر سٹریٹ لائیٹس کی پھیلنے والی نارنجی روشنی کو دیکھ رہا تھا۔

مافیہ نے دروازے سے ہی مخاطب کیا۔

”بھائی امی کہہ رہی ہیں۔ کھانا لگ گیا ہے۔“

دوسری جانب اسکے جسم میں ذرا سے جنبش ضرور ہوئی تھی۔ پر جواب کوئی نہیں دیا۔ جس پر مافیہ اسکے قریب چلی آئی۔ دھیرے سے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”بھائی۔۔؟۔“

”ہوں؟؟۔۔“

''کھانا۔۔''

''چندہ مجھے بھوک نہیں ہے۔تم لوگ کھالو۔''

''بھائی صبح سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔''

''پھر بھی زندہ ہی ہوں۔''

''ایسی باتیں نہ کرو۔تم ہی ہماری ہمت ہو۔''

وہ استہزایہ ہنسا''ایک لنگڑی ہمت۔۔''

مافیہ کے آنسو نکل گئے۔''بھائی۔۔''

''ہوں۔۔''

''اب کیا ہوگا؟۔۔اپنا شہر چھوٹ گیا۔سارا کچھ ختم ہوگیا۔میری چاندسی بھابھی منوں مٹی تلے جا سوئی۔ بھائی ہمارا قصور کیا تھا۔؟ہمارے ساتھ یہ سب کیوں ہوا؟کیا کوئی بھی ایسے ہی آپکے گھر کے فرد کو غائب کرسکتا ہے۔امی نے بھابھی کو نہلایا تھا۔وہ کہتی ہیں انکے جسم پر نیلے نشانات تھے۔جیسے ان پر تشدد بھی کیا گیا ہو۔ بھائی وہ تو ایک مکڑی سے ڈرنے والی تھیں۔اتنے خطرناک حالات کا سامنا کیسے کیا ہوگا۔''

وہ سکندر کے عین سامنے زمین پر بیٹھی تھی۔زاروقطار روتے ہوئے سرگوشیوں میں پوچھ رہی تھی۔سکندر کی نظریں اب بھی کھڑکی سے باہر ہی ٹکی ہوئیں تھیں۔اسکا چہرہ پوری طرح سے خاموش آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ بہن بھی وہی سوال کررہی تھی۔جو وہ اپنے آپ سے کرتا رہتا تھا۔

ایک ہاتھ بہن کے سر پر رکھا۔

''مافی کبھی کبھی غم پانی بن کر بہہ جائے تو انسان کو اور بھی کمزور کر جاتا ہے۔جتنے آنسو بہانے تھے۔ان تین ماہ میں بہا چکے۔اپنا چہرہ صاف کرو۔مجھے باہر لے چلو۔چلو چل کر کھانا کھاتے ہیں۔''

وہ جانتا تھا۔اگر وہ باہر نہ گیا۔ماں باپ بہنوں میں سے کوئی بھی کچھ نہیں کھائے گا۔اور وہ لوگ بہت دن سوگ منا چکے تھے۔انسانی برداشت کی ایک حد ہے۔اور اسکو صرا ایک حد تک ہی آزمائش میں ڈالا جاتا ہے۔

کھانے کی میز پر پانچ افراد موجود تھے۔چاروں ہی ایک دوسرے سے نظریں چراتے ہوئے خاموشی سے

کھانا زہر مار کر رہے تھے۔

کھانے کے بعد مافیہ چائے لے آئی۔ اس نے کپ اٹھایا ہی تھا۔ جب سرفراز علی کے فون کی گھنٹی بجی۔

سرفراز علی نے فون اٹھایا پھر حیران ہو کر بیٹے کو دیکھتے ہوئے فون اسکی جانب بڑھا دیا۔

''بیٹا تمہارا فون ہے۔''

اس نے سیٹ لیکر کان پر رکھا۔''ہیلو۔۔؟''

''ہیلو سکندر علی؟''

سکندر علی نے آواز پہچاننے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔''جی بول رہا ہوں۔ آپ کون؟۔۔''

''سکندر علی تمہیں یہاں سے جلد از جلد نکلنا ہوگا۔ اپنی فیملی کو بولو ضرورت کا کچھ سامان اپنے ساتھ باندھ لیں۔ وہ لوگ ہماری تلاش میں بھاگ دوڑ کر رہے ہیں۔ ہم تک وہ پہنچ نہیں سکیں گے۔ پر میں نہیں چاہتا اس چکر میں تمہارا مزید کوئی نقصان ہو۔''

''آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟۔۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ دھیرے سے بولا۔

''اب میں جو کہہ رہا ہوں غور سے سنو۔ مختار احمد کی لاش پولیس کو مل گئی ہے۔ مختار احمد کی بیوی نے پولیس کو بیان دیکر سب کچھ سچ بتا دیا ہے۔ اس نے یہ بھی کہہ دیا ہے۔ وہ اپنے شوہر کے قاتلوں کو تلاش کرنا نہیں چاہتی ہے۔ پر مختار احمد کا بھائی اپنے اختیارات کے نشے میں ہے۔ وہ ہم تک پہنچنے کے لیے تم تک پہنچے گا۔ تمہارے گھر کی وہ لوگ تلاشی لے چکے ہیں۔ ابھی دس پندرہ منٹ میں بلال نامی آدمی گاڑی لیکر آئے گا۔ اپنی فیملی کو اسکے ساتھ بھیج دو۔ جب تک یہ آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کا تمہارے ساتھ رہنا خطرناک ہے۔ بلال انکو محفوظ جگہ لے جائے گا۔ تم میرے ساتھ چلو گے۔ سن رہے ہو؟ مل کر تفصیل سے بات کریں گے۔ خدا حافظ۔۔۔''

سکندر کئی لمحوں تک ہاتھ میں پکڑے بے جان فون کو دیکھتا رہا۔ پھر سوالیہ نظروں سے دیکھتے ماں باپ کی جانب متوجہ ہوا۔

''آپ لوگوں کو جانا ہے۔ دس منٹ میں بندہ آ رہا ہے۔ اپنے کپڑے وغیرہ باندھ لیں۔''

اسکی امی نے نا سمجھی سے پوچھا۔

''پر کل ہی تو ہم یہاں آئے ہیں۔اب کہاں اور کیوں جائیں گے۔''

''امی یہی سمجھ لیں جان بچانی ہے تو جانا پڑے گا۔''

سرفراز علی گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

''نیک بخت کیا ہم سوال و جواب کے قابل رہے ہیں۔بس جو کہہ رہا ہے۔وہ کرو دیکھتے ہیں۔ابھی تقدیر میں اور کتنی خواری لکھی ہے۔جوان بچیوں کا ساتھ ہے۔شوہر تمہارا بوڑھا بزدل بیٹا حوصلے والا پر معذور پھر بھی تم کیوں اور کیسے کے سوال پوچھتی ہو۔''

اسکے بعد وہاں قبرستان جیسی خاموشی چھا گئی۔اس خاموشی کو دروازے پہ ہونے والی دستک نے توڑا۔

سرفراز صاحب باہر دیکھ کر آئے۔اور واپس آ کر بتایا۔

''کوئی بلال نامی آدمی ہے۔کہتا ہے باس نے آپ لوگوں کو لینے کے لیے بھیجا ہے۔''

''امی جائیں۔۔۔''

انہوں نے اسکو سینے سے لگا کر منہ چوما اور آنچل میں آنسو چھپا کر بیٹیوں کو ساتھ لیکر انجان منزل کو نکل گئیں۔شکستہ کندھوں سے چلتے ہوئے۔سرفراز علی نے بیٹے کے کندھے پر تسلی کا ہاتھ رکھا پھر بیٹیوں اور بیوی کے پیچھے چلے گئے۔باہر گیٹ بند ہونے کی آواز آئی۔ساتھ ہی گاڑی سٹارٹ ہو کر وہاں سے چلی گئی۔وہ وہیں سر جھکائے بیٹھا تھا۔جب بھاری بوٹ اپنی جانب آتے دکھائی دیئے۔

بوٹوں سے نظر اٹھا کر اس نے اوپر چہرے کی جانب دیکھا۔

''ہاں بھئی جوان کوئی کام وام کی بات کرنی ہے۔یا یوں ہی ڈھیری ڈھا کر بیٹھے رہنا ہے۔''

''آپ۔۔۔؟۔۔۔''

''ہاں میں اگر مجھے یہاں دیکھ کر تمہیں دکھ بھی ہوا ہو تب بھی ہوتا رہے سانوں کی۔''

پھر اپنے پیچھے باہر کی جانب منہ کر کے بولے۔

''اوئے مجنوں تو بھی اندر آ جا یا دعوتی کارڈ بھیجوں۔۔۔''

سکندر کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے بولے۔

''یہ اچھا بھلا معقول انسان ہوا کرتا تھا۔ پر جب سے اس نے شادی کی ہے۔ اب آدھا وقت یہ سوچوں کے جنگل میں گم رہتا ہے۔''

دروازے سے نظر تو کوئی نہ آیا مگر جھنجلائی ہوئی آواز آئی۔

''میری کوئی شادی وادی نہیں ہوئی۔ چاہے جتنا مرضی زور لگا لیں آپکی سازش ناکام ہی ہونی ہے۔''

انہوں نے ایک دفعہ پھر سکندر کو مخاطب کیا۔

''دیکھ رہے ہو۔ مجھے ایسے کہتا ہے۔ ادھر رات اپنی بیوی سے فون پر باتیں بھی کرتا ہے۔''

اب کے آواز پہلے سے بھی جھنجلائی ہوئی تھی۔ سکندر وہ آواز پہچان گیا تھا۔ یہ اسی آدمی کی آواز تھی۔ جس نے مختار احمد کے سر میں گولی ماری تھی۔ وہ سکندر کا ہیرو تھا۔ جو کہہ رہا تھا۔

''یہ بھی آپکی مہربانی ہے۔ آپ کو ہی بخار چڑھا تھا اسکو میرا نمبر دینے کا۔ ویسے ایک بات ثابت ہو گئی ہے۔ اپنی حرکتوں سے اس نے بھی ثابت کر ہی دیا ہے کہ آپ ہی کی رشتے دار ہے۔''

انہوں نے بھرپور قہقہہ لگایا۔ اس دوران جو دو تین کمرے تھے۔ ان کا اندر باہر سے جائزہ لینے کے بعد اب وہ کچن کی جانب جا رہے تھے۔

جب سکندر کی بات پر رک گئے۔

''سر یہ میری آپ سے دوسری ملاقات ہے۔ آپ لوگ میرے محسن ہیں۔ پر میں آپکے نام تک سے ناواقف ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو کیا آپ کا نام جان سکتا ہوں۔''

وہ کچن کے دروازے سے پلٹ آئے اور اپنا ہاتھ سکندر کی جانب بڑھایا۔ جسے اس نے تھام لیا تو وہ گرمجوشی سے جھٹکا دیتے ہوئے بولے۔

''مجھے خوشی محمد کہتے ہیں۔ اور وہ جو باہر اندھیرے میں کیموفلاج ہوئے بیٹھا ہے۔ میرا داماد ہے کالیا۔۔۔''

باہر سے بھرپور احتجاج آیا۔

''سکندر یار انکو ڈے ڈریسنگ کی عادت ہے۔ داماد۔۔۔!! بیٹی نہیں دیکھتے اپنی ایک نمبر کی احمق۔۔۔''

''یہ ساری باتیں تم اسکے سامنے جا کر کہو تب مانوں۔آئے بڑے پھنے خان۔۔۔''

''آپ نے پھر میری جاسوسی کی ہے۔''

وہ صبح سے اسکو پھنے خان کہہ کہہ کر چڑا رہے تھے۔یہ خطاب اسکو ڈالے کی جانب سے ہی ملا تھا۔

''ہاں بھئی کی ہے۔کیا کر لو گے۔تم سے تو میری بیٹی نہیں ڈرتی میں تو پھر میں ہوں۔آئے بڑے پھنے خان۔۔''

''سر اگر آپ نے اپنی بیٹی کا ذکر بند نہ کیا تو میں یہ نوکری چھوڑ کر چلا جاؤ نگا۔''

''جہاں بھی جاؤ۔لوٹ کر ادھر ہی آؤ گے۔تمہارا میرے بغیر دل ہی نہیں لگنا۔آخر اتنا پرانا کالی کھانسی جیسا ساتھ ہے۔''

''سر مجھے لگتا ہے۔باہر سکندر کے رشتے دار آگئے ہیں۔''

اب کے آواز تھوڑی مدہم تھی۔

''یاران خبیثوں کو اتنا تو چاہیے تھا ہمیں کھانا کھانے کا وقت تو دے دیتے۔میرے پیٹ میں بلیاں بھنگڑے ڈال رہی ہیں۔''

''سر ی حد ای کیتی اے۔۔۔!!ابھی پچھلے چوک پر آپ نے مچھلی کھائی تھی۔ساتھ میں کافی کا اتنا بڑا مگ۔''

''اچھا اگر آج اپنی جیب سے مچھلی خرید ہی لائے تھے۔تو اب ندیدوں کی طرح جتاؤ تو مت۔''

کالیا بے آواز بڑے بڑے ڈگ بھرتا اندر آیا آتے ہی ساری بتیاں بجھا دیں۔کچن میں جا کر گیس آن کر آیا۔باہر آ کر سکندر کے سامنے پشت کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

''چلو سکندر نکلیں۔۔سر تمہاری چیئر لے آتے ہیں۔''

سکندر کو جب اسکی بات سمجھ آئی تو وہ ہچکچاتے ہوئے اسکی پشت پر سوار ہو گیا۔

سکندر کا وزن اپنے جسم پر محسوس کر کے وہ اسکو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ کر پچھلے دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

باہر نکلنے سے پہلے اس نے اپنی جیب سے ایک گرنیڈ سا نکال کر گھر کے وسط میں پھینکا۔چار دیواری میں

تیزی سے دھواں پھیلنے لگا۔اندھیرے میں دھوئیں کے بادلوں سے بہت دور وہ لوگ پچھلی دیوار پھلانگ کر گھر سے دور ہی دور ہوتے چلے گئے۔جس وقت کالیا نے سکندر کو اپنی پشت سے اتار کر اپنی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھایا تھا۔ان سے چند گلیاں پیچھے ایک زوردار دھماکہ ہوا تھا۔سکندر نے دھماکے کی سمت میں دیکھا تو کالے دھوئیں کے بادل آسمان کو پہنچ رہے تھے۔

خوشی محمد صاحب نے وہیل چیئر گاڑی کے بوٹ میں رکھی۔

اپنی جگہ سنبھال کر انہوں نے باآوازِ بلند انا للہ وانا علیہ راجعون پڑھا۔ساتھ ہی سکندر سے بولے۔

''دیکھ بھائی تیری تلاش میں آنے والوں کے تکے کباب بن گئے۔''

''پر سران لوگوں کو اتنی جلدی میرے ٹھکانے کا علم کیسے ہو گیا۔کل ہی تو ہم لوگ یہاں آئے تھے۔''

''کل جب تم لوگ اپنے گھر سے نکلے تھے۔سارا راستہ تم لوگوں کا پیچھا ہوا تھا۔کیونکہ اس دن کالیا سیدھا گیا ہی تہہ خانے میں تھا۔اور لاش لے کر نکلا تھا۔اسکے آدمیوں کو ظاہر ہے شک ہو گیا ہونا ہے۔مگر اب فکر کی کوئی بات نہیں اب سب صاف ہے۔وہ لوگ تمہاری گرد کو بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔انشاءاللہ۔۔۔!!۔''

آبادی سے نکلتے ہی لارڈ و دو ہزار بارہ ہوا سے باتیں کرنے لگی۔دیکھتے ہی دیکھتے فیصل آباد بہت پیچھے رہ گیا۔موٹروے شروع ہوتے ہی سپیڈ ایک سو سے دو ہند سے اوپر جا رہی تھی۔کالیا کے دونوں ہاتھ سٹیرنگ پہ اور آنکھیں سامنے پھیلی سیاہ تارکول کی سڑک پر جمی تھیں۔فوقتاً فوقتاً نظریں بیک ویو مرر سے پیچھے آنے والی گاڑیوں کا بھی جائزہ لے لیتیں۔اسلام آباد پہنچنے تک اسکے ساتھی پوری طرح نیند کی آغوش میں جا چکے تھے۔

اس نے منزل پر پہنچ کر گاڑی گیراج میں روکی۔

''خوشی صاحب اٹھ جاؤ جناب عالی لاہور آ گیا اے۔''

اس نے انکا کندھا زور سے جھنجھوڑ کر کہا تو جواب میں وہ آنکھیں مسلتے ہوئے بولے۔

''او یار کمال دا آدمی ایں۔تجھے اسلام آباد کے راستے پر ڈالا تھا۔تو پھر لاہور جا پہنچتا ہے۔لاہور تیرے دل سے نکلتا کیوں نہیں اوئے۔''

''لاہور تو اپنا دل ہے۔اور دل ہی جسم سے نکال دیا تو جئیں گے کیسے؟۔آکسیجن تو نہ چھینیں۔۔''

انہوں نے آنکھیں کھول کر غور سے کالیا کو دیکھا۔ پھر سامنے اپنے گھر کو۔ پھر اسکے کندھے پر تھپکی دیتے ہوئے نیچے اتر گئے۔

''تم رکو گے؟''

''آج تو ناممکن ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ جاؤ فی امان اللہ۔۔۔۔''

انہوں نے سکندر کی چیئر نکال کر اسکو گاڑی سے نکلنے میں مدد کی۔

کالیا اپنی سیٹ سے نکل کر آیا۔ سکندر سے مصافحہ کیا۔

''ابھی ایک آدھ ماہ تم یہاں اس گھر پر باہر کی دنیا سے کٹ کر رہو گے۔ پر فکر نہیں کرنا۔ اس دوران تمہارا علاج ہوگا۔ انشا اللہ اگلی دفعہ جب یہ گیٹ پار کرو گے تو اپنی ٹانگوں پر چل کر جاؤ گے۔''

سکندر کی آنکھوں میں پانی چمک رہا تھا۔

''سر میں دوبارہ سے وہی سوال کرونگا۔ آپ میرے لیے یہ سب کیوں کر رہے ہیں۔''

کالیا نے اسکی آنکھوں میں غور سے دیکھا۔

''دیکھو سکندر میں ہوں یا خوشی صاحب یا بلال ہم بھی ایک وقت میں ایسی ہی صورتحال سے گزر کر یہاں تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ہم لوگ جانتے ہیں۔ جب کسی کی زندگی چھنی جائے۔ اسکی تکلیف کیا ہے۔ حوصلے بلند رکھو یار جوان آدمی ہو۔ زندگی تو بس اسی چیز کا نام ہے۔ جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا۔۔۔۔ پھر کبھی بات ہوگی۔ ابھی کے لیے اللہ حافظ۔۔۔''

گاڑی گیراج سے نکل کر لمحوں میں وہاں سے غائب ہوگئی۔

☆......☆......☆

''جب میں تمہیں پیسے دے رہی ہوں۔ تو تمہیں تکلیف کیا ہے۔ یہ میں کوئی اللہ واسطے نہیں دے رہی ہوں۔ تمہاری تنخواہ کا ایڈوانس ہے۔ ان سے نیا لباس خرید و تاکہ کل سے کلینک پر اپنا کام سنبھالو۔''

وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اسکے ساتھ سر کھپا رہی تھی۔ پر شیر بخت کی منڈی ابھی بھی انکار میں ہی ہل رہی تھی۔

''تم رہنے دو اپنا نوکری اپنے پاس رکھو۔ ام نے نہیں کرنی ایسی نوکری۔ سارا دن نزلا زکام والے لوگ دیکھوں۔''

''نہیں میں تمہاری خاطر وہاں ماڈلز کی کیٹ واک کروا دیا کرونگی۔''

''وہ کیا ہوتا ہے۔''

''وہ تمہارا سر ہوتا ہے۔''

''اچھا چلو میرے ساتھ شہر چلتے ہیں۔ مجھے کچھ چیزیں لینی ہیں۔''

''تم ایسے کیسے جائے گا۔کیا راستوں کا علم ہے؟''

''مجھے علم نہیں ہے۔اسی لیے تو تمہیں لیکر جا رہی ہوں۔''

''نہیں تم سردار کو بولو یا اس کا اماں کو وہ تم کو اپنی گاڑی میں لیجائے گا۔''

''اپنی دفعہ اپنی باس سے ایڈوانس تنخواہ لیتے ہوئے موت پڑ رہی ہے۔اور مجھے کہتے ہو دوسروں کے احسان پر احسان اٹھاؤں۔۔''

''میرا بات اور ہے۔میں آدمی ہے۔''

''ہاں جی بڑا آدمی ہے۔دو اخروٹ تو چوری کر نہیں سکتے ہو۔آئے بڑے آدمی کہیں کے۔''

''اب میں تمہارا کہنے پر خودکشی تو نہیں کر سکتا ناں۔تم چاہتا ہے میں گاؤں کی سب سے لڑاکا عورت کے گھر سے اخروٹ توڑ کر لائے۔''

''اچھا چلو اب باتوں میں وقت برباد نہ کرو۔دونوں بہن بھائی جاتے ہیں۔شاپنگ کر کے آرام سے شام سے پہلے واپس بھی آجائیں گے۔''

شیر بخت نے اسکو الجھن بھری نظروں سے دیکھا۔''تم نے مجھے بھائی بولا؟۔۔''

''ہاں۔۔''

''پر کل تو تم نے مجھے اپنا دوست بولا تھا۔آج بھائی کیسے بن گیا۔''

''ہاں تو آج تمہاری ترقی ہوگئی ہے ناں۔دوست تو تھے ہی اب بھائی بھی بن گئے ہو۔''

"تم بڑا تیز لڑکی ہے۔ مجھے مسکا لگا کر اپنا کام نکالنا چاہتا ہے۔ پر میں بھی شیر بخت ہے۔"

"زیادہ اکڑو نہیں آیا بڑا مسکا لگا کر۔ ہٹو پیچھے میں جا رہی ہو۔ تم جاؤ اپنی گل بندن کے پاس۔۔"

کلینک سے نکل کر وہ تھوڑا آگے آئی تو ایک چاند گاڑی جا رہی تھی۔ جسے اس نے ہاتھ دیکر روک لیا۔

"بھائی بس سٹاپ تک چلو گے؟۔۔"

چاند گاڑی والا اب اردو سمجھتا ہوتا تو جواب دیتا۔ تب ہی پیچھے سے شیر بخت کی آواز پر ژالے کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ ڈرائیور کو بلوچی میں سمجھا رہا تھا۔

چاند گاڑی پر بیٹھ گئی شیر بخت آگے بیٹھا۔ اس اپنی نئی زندگی کو جیسے ذہنی طور پر قبول کر ہی لیا تھا۔ ذہن ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔

جن زخموں کو وقت بھر چلا ہے

تم کیوں انکو چھیڑے جا رہے ہو۔۔

ریکھاؤں کا کھیل ہے مقدر

ریکھاؤں سے مات کھا رہے ہو۔

تم اتنا جو مسکرا رہے ہو۔

کیا غم ہے جسکو چھپا رہے ہو۔۔

چاند گاڑی بس سٹاپ پر اتارنے کے بعد تتر بتر ہو گئی۔ ابھی دو منٹ بھی نہ ہوئے کہ بس آ گئی۔

اس نے کرائے کے پیسے شیر بخت کو تھما دیئے۔

خود چادر کے پلو سے آدھا چہرہ چھپا کر خالی نظر آنے والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کے برابر میں جگہ خالی تھی۔

اس نے اصرار بھی کیا مگر شیر بخت بیٹھا نہیں نہ ہی کسی اور کو بیٹھنے دیا۔ دو سیٹوں کا کرایہ دیکر معاملہ ہی ختم کر دیا۔

وہ آدھا راستہ کھڑا ہو کر گیا پر ژالے کے برابر ایک سیٹ پر نہیں بیٹھا۔

جب دوسری سیٹوں میں جگہ خالی ہوئی تو ادھر بیٹھ گیا۔

جوں ہی گاڑی پہاڑیوں سے نکل کر شہر میں داخل ہوئی۔ ژالے پر گھبراہٹ طاری ہونے لگی۔ ایسا لگے جیسے

آ کر بڑی غلطی کردی ہے۔ ہر طرف کھلی کھلی قمیضوں اور گھیر والی شلواروں کے پائنچے اوپر کیئے پٹھان اور بلوچ ہی نظر آرہے تھے۔ بڑی بڑی مونچھیں' داڑھیاں' پگڑیاں جو کہ عام روٹین کی زندگی تھی۔ پر ایک پنجابی جو اس طرف آیا بھی زندگی میں پہلی دفعہ ہو۔اسکے لیے ہر منظر عجیب اور دلچسپ تھا۔

بس سٹاپ پر رکی تو وہ دونوں بھی باقی لوگوں کے ساتھ باہر نکل آئے۔

''اب بتاؤ آگے کدھر جانا ہے۔؟''

شیر بخت نے رکشے چاند گاڑی کی تلاش میں نظر دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''پہلے جو بھی یہاں پر قریبی مارکیٹ ہے۔ جہاں مردوں کے لباس ریڈی میڈ لباس ملتے ہوں۔ وہاں لیکر چلو۔''

شیر بخت نے زیادہ سوال جواب نہیں کیا۔اس کے دماغ میں بس یہی نقطہ تھا۔فٹافٹ خریداری کروا کر واپسی کی راہ لینی ہے۔

اس دفعہ رکشہ ملا۔ ژالے کو پچھلی سیٹ پر بیٹھنے کا بول کر وہ خود آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔اس دفعہ ژالے نے بھی زور نہیں دیا۔ کیونکہ اس نے اگر بیٹھنا ہوتا تو بس میں آدھا رستہ اکڑ کر نہ آتا۔تب ہی بیٹھ جاتا۔

رکشے والے کو انتظار کا بول کر وہ مردوں کی بوتیک میں چلی گئی۔

شیر بخت وہیں باہر رکا۔ کیونکہ اسکا حلیہ ہی ایسا تھا۔اندر جانے والا تھا ہی نہیں۔

پندرہ منٹ بعد ژالے ہاتھوں میں دو بڑے سے بیگ لئے برآمد ہوئی۔

آتے ہی ایک بیگ شیر بخت کی جانب بڑھاتے ہوئے ذرا سختی سے حکم دیا۔

''ہم لوگ سرِ بازار کھڑے ہیں۔ادھر زیادہ بحث نہیں کرنی۔ وہ سامنے سڑک کے دوسری جانب حمام دیکھ رہے ہو۔ یہ بیگ لو وہاں سے حجامت بنواؤ اور نہا کر یہ لباس پہن کر آؤ۔ میں انکار نہیں سنوں گی شیر بخت۔ ابھی ہم کو زینب کے ہاسٹل اسکو ملنے جانا ہے۔ مجھے اپنے جوتے کا نمبر بتاؤ اتنی دیر میں ادھر سے تمہارے لیے جوتا خریدتی ہوں۔''

شیر بخت نے نم آنکھوں سے ایک ناراض نظر اس پر ڈالی۔ اور جوتے کا نمبر بتا کر بیگ ہاتھ میں لیکر سڑک پار

کر گیا۔سروس والوں کے سٹور پر سیل لگی ہوئی تھی۔اس نے ایک جوڑا سفید ٹریزز نکالیا۔ایک کالے رنگ کا جوتا۔

ایک لیدر کا لیڈیز بند جوتا خریدا۔"

اس نے بڑا وقت لگا کر یہ تین جوتے لیے۔لاشعوری طور پر وہ شیر بخت کو وقت دے رہی تھی۔رکشے میں بیٹھ کر انتظار کرنے سے بہتر تھا۔دکانوں پر جوتے دیکھ لیتی۔

اپنے پیروں میں مختلف جوتے پہن پہن کر ڈیزائن دیکھ رہی تھی۔جب غیر محسوس طریقے سے ایک لڑکا آ کر اسکے قریب رکا۔بے اختیار اس نے مڑ کر ایک نظر اس لڑکے پر ڈالی۔جو کہ انتہائی خوش شکل نوجوان تھا۔تازی بنی شیو' اسکے بھورے بال بڑے طریقے سے سیٹ کیے ہوئے تھے' سفید بے شکن بے داغ شلوار سوٹ کے اوپر کالی گرم جیکٹ تھی۔رخ موڑنے سے پہلے ژالے نے ایک بے ساختہ سی مسکراہٹ اس کی جانب پھینکی۔مگر جیسے ہی اسکی نظر اسکے پیروں پر پڑی۔بے یقینی سے ژالے اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔اب غور کیا تو معلوم ہوا یہ وہی لباس تھا۔جو وہ ابھی آدھا گھنٹہ پہلے خرید کر نکلی تھی۔ٹوٹی چپل میں سفید پاؤں بالکل ایسے لگ رہے تھے۔جیسے کمخواب میں ٹاٹ کا ٹکڑا۔

وہ اس قدر ششدر ہوئی کی کتنی دیر تک کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہی۔اتنا خوبصورت جس ماں کا بیٹا ہو اسکو زندگی میں اور کوئی اس سے بڑھ کر کیسے بھا گیا۔کیسے ایک باپ نے اپنے جگر کے ٹکڑے کو ماں کے کیے کی سزا دیکر رلنے کو زمانے میں پھینک دیا۔کیا وہ سکون کی نیند سو پاتا ہوگا؟ کیا اسکو یہ حسین صورت یاد نہیں آتی؟ ارے لوگ تو ترستے ہیں کہ اللہ انکو اولاد دیدے چاہے بے شکل ہی دیدے پر اولاد مل جائے۔پر یہ کیسے نہ شکرے ماں باپ تھے۔جن کو اتنا قیمتی ہیرا ملا اور انہوں نے اسکی قدر ہی نہ کی۔

اس نے چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کر لیں۔۔خاموشی سے ڈبے میں سے جوتا نکال کر اسکے آگے رکھ دیا۔

وہ بھی ژالے کی جانب دیکھنے سے گریز برت رہا تھا۔

ہاسٹل جاتے ہوئے۔سارا راستہ اسکو سوچ سوچ کر شیر بخت کے ماں باپ پر افسوس آتا رہا۔پھر اپنی زندگی کے حالات نظر کے سامنے دوڑ گئے۔

رکشہ ایک جھٹکے سے ہاسٹل کے سامنے رکا تو وہ سوچوں کے بھنور سے نکلی۔ یک دم زینب سے ملنے کی خوشی یاد آ گئی۔ رکشے والے کو فارغ کر کے اس نے زینب کے لیا گفٹ احتیاط سے اپنی گرفت میں پکڑا ہوا تھا۔ چوکیدار کو زینب کا نام وغیرہ بتا کر وہ دونوں ویٹنگ روم میں آ گئے۔ ژالے نے ایک نشست سنبھالی۔ ایک کرسی کھینچ کر شیر بخت بھی بیٹھ گیا۔ ژالے نے دیکھا۔ گھٹنوں پر کہنیاں جمائے دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں ڈالے آگے کو جھک کر بیٹھا وہ ژالے کے جاننے والا شیر بخت نہیں تھا۔ بلکہ کسی قبیلے کا سردار شیر بخت بلوچ لگ رہا تھا۔۔۔۔

دو چار منٹ گزرے ہونگے۔ جب شور مچاتی ہوئی زینب ژالے کو اپنے سامنے دیکھ کر خوشی سے اسکی جانب بھاگی۔ اس وقت زینب نے پولو شرٹ کت ساتھ ٹریک ٹراؤزر پہنا ہوا تھا۔

ژالے اپنی جگہ سے اٹھی دونوں پر جوش انداز میں ایک دوسرے کے بغل گیر ہوئیں۔

"ہائے ژالی یہ تم ہو۔ مجھے تو یقین نہیں آ رہا ہے۔ بھائی کے ساتھ آئی ہو؟ وہ خود اندر کیوں نہیں آیا؟۔۔"

"نہیں میں اور شیر بخت بس سے اکیلے ہی آئے ہیں۔"

"ہیں۔۔۔۔!!!۔۔۔ سچ کہہ رہی ہو؟۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور کدھر ہے شیر بخت اس بچارے کو بھی ادھر اندر لے آتیں۔ ٹھہرو میں بلا لاتی ہوں۔"

ژالے نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے زینب کا بازو پکڑ کر اسکو متوجہ کیا۔

"شیر بخت کو باہر کہاں ڈھونڈنے جا رہی ہو۔ یہ تمہارے سامنے ہی تو موجود ہے۔"

زینب نے جب اسکی شکل پہچانی تو خوشی سے چیخ ہی نکل گئی۔

"یہ اپنا پاگل سا شیر بخت ہے؟ اوئے میرے پیچھے کس ٹی وی چینل میں میک اوور لیکر آئے ہو۔ تم تو کہیں سے بھی شیر بخت نہیں لگ رہے۔

"کہیں یہ گل محمد تو نہیں ہے۔"

زینب کے اس تکے پر شیر بخت ٹوٹے سپرنگ کی طرح اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہوا۔

"اللہ کا نام لو گو ہر زینب تم کیا کہتا ہے۔"

"ارے یہ تو واقعی شیر وہی ہے۔!!۔ ہائے میں مر جاؤں تم تو اتنے پیارے نوجوان ہو۔ آؤ تمہیں اپنی

دوستوں سے ملواؤں۔''

''یار طیب میں باہر کھڑا ہو کر تمہارا انتظار کرتا ہے۔تم گوہر زینی سے مل لو پھر واپسی کے لیے بھی نکلنا ہے۔''

''ابے کدھر جا رہے ہو۔بیٹھو آرام سے ادھر ورنہ ایک دوںگی کان کے نیچے۔''

زینب کے کہنے پر شیر بخت مسکین سی صورت بنا کر واپس بیٹھ گیا۔

''میں ژالے کو اپنے ساتھ اوپر لیکر جا رہی ہوں۔تمہارے لیے کھانے کو کچھ بھیجتی ہوں۔آرام سے بغیر کوئی نخرہ کیے کھا لینا۔''

وہ اسکا ردعمل دیکھے بغیر ژالے کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی۔

ژالے کے لیے ہاسٹل کی زندگی کوئی نئی نہیں تھی۔میڈیکل کے آخری سال میں اس نے چند ماہ ہاسٹل میں گزارے تھے۔اسلیے بڑی جلدی ہی زینب اور حاجرہ کے ساتھ مل کر زینب کی ٹیم کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔

''مجھے یقین کیوں نہیں آرہا۔میری شریف بھولی بھالی سی ژالے اکیلی بس پر سفر کر کے اتنی دور آئی ہے۔''

حاجرہ نے احتجاج کیا۔

''وہ جو اتنا ہینڈسم ہیرو ساتھ باڈی گارڈ بن کر آیا ہے۔اسکو کیوں بھول جاتی ہو۔''

''ارے وہ کونسا مار دھاڑ والا بچہ ہے۔وہ تو اس سے بھی بھلا مانس ہے۔''

''واہ جی بات سنو تو کیا اسکو پاک آرمی کا ایک دستہ اپنے ساتھ لیکر گھومنا چاہیے۔''

خدیجہ بولی۔

''چھوڑو یہ فضول کی بحث ڈاکٹر صاحبہ پہلی دفعہ ہمارے گھر آئی ہیں۔چلو انکو سیر کرواتے ہیں۔اور کہیں چل کر شاندار سا لنچ کرتے ہیں۔''

حاجرہ اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔پانچ منٹ میں تیاری کر کے نیچے پہنچو۔میں اتنی دیر وارڈن کو بتا آتی ہوں۔''

دس منٹ بعد چار لڑکیوں کے بالکل پیچھے گھبرایا سا شیر بخت گیٹ سے نکلا تھا۔لڑکیوں کی گز بھر لمبی تو زبان تھی۔اوپر سے مصیبت جو گھنٹہ ڈیڑھ اس نے ہاسٹل کے ویٹنگ روم میں گزارا تھا۔ہر دو سیکنڈ بعد کوئی نہ کوئی لڑکی

سر نکال کر شرماتے ہوئے اسکو دیکھتی پھر غائب ہو جاتی۔ وہ غصے سے بھرا بیٹھا تھا۔ جیسے ہی باہر نکلے بول اٹھا۔

''طیب مستقبل میں جب بھی اس واہیات جگہ پر آنا ہو۔ مجھے ساتھ آنے کا مت بولنا۔ ایسا تو عید والے نئے بکرے کو لوگ دیکھنے آتا ہے۔ جیسے ادھر لڑکیاں مجھے دیکھنے آرہی تھیں۔''

ایک تو اسکے چہرے کے تاثرات دوسرا وہ سارے ہاسٹل میں جاگنے والی صدا تینوں ہی اپنے کانوں سے سن چکی تھیں۔ لڑکیاں ایک دوسرے سے کہہ رہی تھیں۔ زینب خان کا چھوٹا بھائی آیا ہے۔ اور وہ بڑے والے دونوں بھائیوں سے زیادہ پیارا ہے۔ پر بڑے بھائیوں جیسا قد کاٹھ نہیں پایا ہے۔

تینوں کا ہنسی سے برا حال ہو رہا تھا۔

حاجرہ نے سارا راستہ ایک ہی راگ آلاپا تھا۔ لنچ ادھر سے کرنا ہے۔ جس ریسٹورنٹ میں ڈبل برگر ملتا ہے۔ بڑی تعریف سنی ہے۔ پر ابھی تک وہاں جانا نصیب نہیں ہوا۔''

''بس نام شام یاد نہ کیا کرو۔ ڈبل برگر تو کئی جگہ سے ملتا ہے۔'' خدیجہ نے فٹ گھورا تھا۔

''زینی جانتی ہے میں کس جگہ کی بات کر رہی ہوں۔ پچھلے ہفتے نے زینی غازان بھائی کے گئی تو تھی وہاں اسکو نام کا پتا ہوگا۔''

''ہاں بھئی رکشے والے کوئٹہ گریلز لے چلو۔''

زینی کے بتاتے ہی چاند گاڑی والے نے سپیڈ بڑھ دی۔ خدیجہ ڑالے اور حاجرہ پچھلی سیٹ پر تھیں۔ جبکہ زینی اور شیر بخت آگے تھے۔ ان تینوں دوستوں نے تو حسب عادت عبایا پہنے ہوئے تھے۔ مگر چہرے کھلے تھے۔

کوئٹہ گریلز پر کافی رش تھا۔ کیونکہ وہ لوگ ہر چیز تازہ اور آرڈر کے وقت ہی تیار کرتے تھے۔

چاروں کا قافلہ جس وقت اندر گیا۔ دروازے سے بالکل سامنے والی میز پر موجود افراد کو دیکھ کر حیران ہی رہ گئے۔ زینی تو اسی وقت سیدھی انکے سر پر جا کر بغیر کوئی لحاظ کیے گھورتے ہوئے بولی۔

''کہیں آپ لوگ ہماری مخبری تو نہیں کرتے رہے؟۔''

نعمان نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے سلاد منہ میں رکھا۔

''ہاں تم لوگ را کی ایجنٹ جو ہو۔''

"نعمان بھائی آپ تو ویسے بھی اینٹیلی جینس کے بندے ہیں۔آپ سے تو بندے کو ڈر ہی لگتا ہے۔"

حاجرہ کی بات پر نعمان نے سر پھر سے اثبات میں ہلایا۔

"ہاں جی میں تو بندے زندہ نگلتا ہوں۔"

جبکہ زینی کی توپوں کا رخ ایبک کہ جانب ہو چکا تھا۔

پہلے اسکو گھور کر سرتا پیر جائزہ لیا۔ پھر اسکے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ کر نپے تلے انداز میں تفتیش شروع کی۔

"چلو سردار اور نعمان تو ایک ساتھ نظر آئیں۔بات سمجھ آتی ہے۔پر ایبک میاں تم کب سے میرے بھائیوں کے بڈی بن گئے؟۔۔"

زینب کو سامنے دیکھ کر ہی ایبک کے پسینے چھوٹ گئے۔اسکی مشکل سردار نے آسان کر دی۔

"زینی لیو دیٹ کِڈ الون۔۔۔اپنا رعب کہیں اور جما جا کر وہ اس وقت ہمارے ساتھ ہے۔ہمارا دوست ہے۔چل چھٹی کر۔۔۔۔"

زینی نے بھنویں اچکا کر بھائی کی جانب دیکھا۔

"تم گاؤں سے کب آئے؟۔"

"صبح کا آیا ہوا ہوں۔"

"تو پھر ژالے کو بھی ساتھ لے آتے۔وہ لوگ بس کے دھکے کھاتے آئیں ہیں۔۔"

"مجھے معلوم ہوتا تو ضرور لے آتا۔مس گل آپ نے تو جادو کی چھڑی ہی گھما دی۔جس بچے کو کوئی نہ سمجھا پایا آپ نے دو دن میں ہی اسکو بدل کر رکھ دیا۔کیا بات ہے۔۔۔"

ژالے ایک نظر شیر بخت پر ڈال کر فخر سے مسکرا دی۔جبکہ نعمان الجھن سے سردار کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کس بچے کی بات کر رہے ہو؟۔۔۔"

"بوجھو تو جانیں۔۔"

سردار سے پہلے ہی زینی نے آنکھیں گھما کر جتایا۔

نعمان لگا دماغ دوڑانے۔۔

سردار نے بیرے کو آواز دیکر دو میز ایک ساتھ اکٹھے کروا کے بڑا میز کر لیا۔اب سارے آسانی سے آٹھ کرسیوں والی میز پر پورے آ گئے۔

نعمان ژالے کے ذہن میں چلنے والی جنگ کے برخلاف اس سے پوچھ رہا تھا۔

''گوہر جان یہ سردار صاحب کس بچے کا ذکر کر رہے ہیں۔''

حاجرہ نے سردار کے ساتھ ساتھ ایک اور نعمان کو مشترکہ سلام کیا۔اور سردار کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

خدیجہ زینی کے برابر ٹک گئی۔شیر بخت نے ژالے کے لیے جو کرسی کھینچی وہ ایک اور نعمان کے درمیان تھی۔کرسی کھینچنے کے بعد وہ سوچ میں پڑا ہوا تھا۔ژالے کو ایک کی جانب بٹھائے یا نعمان والی طرف۔۔۔وہ اس بات سے لاعلم تھا۔بظاہر سردار حاجرہ اور خدیجہ سے حال احوال پوچھ رہا تھا۔پر شیر بخت کو ژالے کے لیے اتنا محتاط دیکھ کر ہونٹوں پر تبسم بکھرا ہوا تھا۔ژالے جو اس گیم سے باقی سب کی طرح لاعلم ہی تھی۔اس کے اندر اور ہی موسم اترا ہوا تھا۔وہ ایک کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

شہر بخت نے ایک دفعہ اپنی بیٹھنے کی جگہ کو دیکھا پھر ایک کو گھورا۔

سردار نے بڑی مشکل اپنا قہقہہ دبایا تھا۔ہاتھ کے اشارے سے شیر کو بیٹھنے کو کہا۔

وہ بیٹھا تو رخ ایک کی جانب تھا۔

ژالے نے بیٹھ کر میز پر رکھا پانی کا گلاس منہ سے لگایا۔اور ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گئی۔

''نعمان بھ بھائی آپ سردار سے براہ راست پوچھ لیں۔یا پھر اپنے درمیان لوگوں کو غور سے دیکھیں۔ آپ کو پتہ چل جائے گا۔''

ابھی کچھ دیر پہلے زینب نے نعمان کو انٹیلی جنیس والا بولا تھا۔وہ ایک حوالا ژالے کو بے چین کر گیا تھا۔کیا یہ نعمان کالیا کے ساتھ کا آدمی ہے۔کیا کالیا اسکا دوست ہے؟اب کچھ سمجھ میں آ رہا تھا۔وہ نعمان کے گھر پر کیوں چھوڑی گئی تھی۔کہیں نعمان ہی تو کالیا نہیں؟

اپنی سوچ کو خود ہی رد کرنا پڑا کیونکہ کالیا نعمان سے قد میں لمبا اور جسمانی طور پر نعمان سے پتلا تھا۔اور رنگ تو کہیں سے بھی ایک سا نہ تھا۔کہاں نعمان کے سیب سے سرخ گلابی گال کہاں کالا شاہ کا کو۔۔۔۔مایوسی سے

اپنے ہی دماغ میں آنے والا آئیڈیا ہوگا۔ پر یہ امکان ضرور ہوسکتا تھا۔ نعمان کالیا کو جانتا ہو۔
وہ کن اکھیوں سے نعمان کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ جو کہ سردار سے بچے کے مطلق ہی پوچھ رہا تھا۔
جب ژالے کو اپنے دائیں طرف سے آنے والی آواز کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔
ایبک قدرے اسکی جانب جھکا ہوا تھا۔ اس نے ژالے کو دو دفعہ متوجہ کیا جب ناکام ہوا تو۔ تھوڑا اسکی جانب جھک کر مخاطب کرنا پڑا۔
ژالے کے دیکھنے پر وہ سیدھا ہو کر بولا۔ ''اسلام علیکم۔۔۔''
ژالے نے ابھی اس چائنیز لو کنگ انسان کو غور سے دیکھا تھا۔ اسکے چہرے پر اتنے نرم اور معصوم تاثرات تھے۔ ژالے نے خوش اخلاقی سے مسکرا کر اسکی سلام کا جواب دیا۔
''سوری میں نے اگر آپ کو ڈسٹرب کیا ہو۔''
''ارے بالکل بھی نہیں۔''
''اصل میں میز پر موجود سب لوگوں کو میں جانتا ہوں۔ سوائے آپکے اور آپکے برابر بیٹھے جناب کے۔ آپ دونوں کو پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔ اس لیے سوچا تعارف ہی حاصل کر لوں۔ میں ایبک ہوں۔ سردار اور نعمان بھائی کا دوست ہوں۔ اور یہ تین خواتین کسی زمانے میں میری یونیورسٹی میں میری جونیئر تھیں۔ اب یہ وہاں سینیئرز ہیں۔ پر میں وہاں نہیں ہوتا ہوں۔ اب آپ بتائیں کون ہیں۔''
ژالے ابھی بھی مسکرا رہی تھی۔
''میں ژالے ہوں۔ اور یہ میرا دوست پلس بھائی شیر بخت ہے۔ میں زینب کی دوست ہوں۔ اسی کے گاؤں میں ایک چھوٹی سی ڈاکٹر ہوں۔ شیر بخت میرا اسسٹنٹ ہے۔''
زینب جو کے کبابوں کی پلیٹ سے انصاف کر رہی تھی۔ فوراً بولی۔ ''یہ میری بہن بھی ہے۔''
''ژالے آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''
ایبک نے اتنا کہا ہی تھا۔ جب تب سے خاموش بیٹھے شیر بخت نے اونچی آواز میں ایبک کو باآور کروایا۔
''میرا بہن پہلے سے شادی شدہ ہے۔''

اسکی معصومیت پر ایک تو مسکرا اٹھا پر سردار نے سر پیچھے کو گرا کر لب سے دبا کر رکھے قہقہے کو بلند ہونے دیا۔

ژالے حیرت سے منہ کھولے شیر بخت کو دیکھ رہی تھی۔ زینی' خدیجہ اور حاجرہ ہنسی میں سردار کا بھرپور ساتھ دے رہی تھیں۔ ایک بس نظریں جھلا کر دھیمے سے مسکرائے جا رہا تھا۔ نعمان کے چہرے پر صحیح بارہ بجے ہوئے تھے۔ وہ کبھی شیر بخت کو دیکھتا کبھی سردار کو نظروں ہی نظروں میں پوچھتا۔

''یہ اپنا بختو ہے؟۔۔''

سردار نے اثبات میں سر ہلایا۔

نعمان نے بے یقینی سے ایک دفعہ سوال کیا

''اوئے وہی بختو جو سال میں ایک دفعہ نہاتا ہے؟۔۔''

آنکھوں کی زبان میں پوچھے گئے سوال پر سردار نے ہنستے ہوئے ایک دفعہ پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کمال ہی ہوگئی ہے۔یار آج تم سب کا کھانا میرے سر۔۔۔اتنا بڑا معجزہ رونما ہوگیا۔آج تو خوشی منانے کا حق بنتا ہے۔ بلکہ آج کا دن بلوچستان کی تاریخ میں رقم ہونا چاہیے۔آج راجو جنٹل مین بن گیا ہے۔''

نعمان کے باتوں پر شیر بخت پہلو بدل کر رہ گیا۔

ژالے کے کان کے قریب جھک کر سرگوشی کی۔

''اگر مجھے علم ہوتا یہ سب ادھر آوے گا۔تو میں کبھی نہ آتا۔''

ژالے نے اس کے کندھے پر ہلکی سی تھپکی دیکر تسلی دی۔

''کھانا کھاتے ہی واپس چلیں گے۔اگر بور ہو رہے ہو تو میری جگہ پر آجاؤ دیکھو ایک اپنے آفس والوں کی کتنی دلچسپ باتیں سنا رہا ہے۔''

ژالے چونکہ چاہتی تھی۔وہ ایک سے باتیں کریں نا کہ الگ تھلگ سا خاموش بیٹھا رہے۔اس لیے اٹھ کر اپنی جگہ اسکو پیش کر دی۔شیر بخت نے بھی زیادہ بحث نہ کی۔

ژالے شیر بخت کی چھوڑی جگہ پر بیٹھ گئی۔

نعمان سب سے انکی پسند پوچھ رہا تھا۔

سب سے پہلے حاجرہ نے جواب دیا۔" نعمان بھائی میں یہاں آئی ہی خاص ڈبل برگر کے لیے ہوں۔ اسلیے میرے لیے وہی منگوا دیں۔ساتھ میں ڈھیر سارے فرائز۔۔

" خدیجہ تم کیا لوگی۔۔۔"

" میرے لیے بھی وہی لونگی جو حاجرہ اور زینب لے گی۔ پر میرے لیے پینے میں پیپسی مت منگوایئے گا۔یا تو سپرائیٹ یا کوئی شیک۔۔۔"

ان لوگوں کی مرضی کو بیرا ساتھ ساتھ لکھتا جا رہا تھا۔

زینو تم کتنے برگر' کتنے پیزے' کتنے گلاس شیک لوگی؟۔۔"

نعمان نے اس کے زیادہ کھانے کی عادت کو نشانہ بناتے ہوئے پوچھا تھا۔

" میں یہاں کا برگر پیزا اور اب کباب بھی کھا چکی ہوں۔اسلیے آج انکا چکن مدراسی چیک کرنا ہے۔ساتھ میں نان ہوں۔اور ڈھیر ساری برف ڈال کر بڑا گلاس کولا کا۔"

سردار نے نفی میں سر ہلایا۔

نعمان نے بیرے کو ایک ترمیم کروائی۔

" بھائی برف کے پہاڑ بالکل نہیں ڈالنا۔بس بچی کو بہلانے کے لیے ایک آدھ ٹکڑا ڈالنا ہے۔"

اسکے بعد نعمان نے ایبک کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا۔جو شیر بخت کے ساتھ دھیمی سی آواز میں باتیں کر رہا تھا۔شیر بخت کے چہرے پر اب پہلے کی طرح میلے میں بچھڑے بچے والے تاثرات بھی نہ تھے۔ژالے کو یہ بات بڑی خوشی دے رہی تھی۔

" سر میں اور شیر بخت کباب مکس ہی لیں گے۔ساتھ میں نان اور سالاد۔۔۔"

پہلے اس نے جو آڈر دیا تھا۔وہ بھی کباب مکس ہی تھا۔جسے کھانا نصیب نہ ہوا۔کیونکہ وہ کھانا زینب ہڑپ کر چکی تھی۔جس پر اسے چٹکی بھر بھی شرمندگی نہ تھی۔

ژالے نے حاجرہ کے کہنے پر برگر ہی منگوا لیا۔کیونکہ حاجرہ کا کہنا تھا۔آج یہاں آئے ہی فقط انکا برگر چیک کرنے ہیں۔

نعمان اور سردار نے ایک جیسا آڈر دیا تھا۔

بیرا سب کے آگے ریفریشمنٹ رکھ کر چلا گیا۔

"حاجرہ بی بی تیار ہو جاؤ تمہارے پرچے ختم ہو گئے ہیں۔اور میرے کالج سے ٹیکی کی ٹیچر بھاگ گئی ہے۔ جب تک نئی کا انتظام نہیں ہوتا۔تم وہ جگہ سنبھال رہی ہو۔"

"بھائی گاؤں رہنے کے لیے چلی جاؤنگی پر میں نہیں اٹھ رہی صبح آٹھ بجے۔اللہ اللہ کر کے یہاں سے جان چھوٹ رہی ہے۔ادھر اماں کو میری شادی کی فکر ستائے جا رہی ہے۔"

"ہاں انکی کال آئی تھی۔مجھے کہہ رہی تھیں۔کسی دن وقت نکال کر آؤ۔حاجرہ کی سسرال والے دن لینے آنا چاہتے ہیں۔اسی لیے تو تمہیں جاب کی آفر کر رہا ہوں۔نہ اٹھنا صبح آٹھ بجے میں تمہارے پیریڈ لیٹ رکھ دونگا۔ نوابوں کی طرح آنا۔ایک دو ہفتے کی بات ہے۔"

"دیکھ لینا بھائی یہ نہ ہو میں آپ کو ہاں کر دوں اور آپ اماں کے ساتھ مل کر میرے خلاف ہونے والی سازش کا حصہ بھی بن جائیں۔"

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہوگا۔تمہاری مرضی سے ہی ہر فیصلہ ہوگا۔"

"اگر ایسا ہے۔تو میری جانب سے ہاں ہے۔پر تنخواہ معقول ہونی چاہیے۔"

"ہاں معقول ہی ہے۔دو وقت کی روٹی اور رہائش فری میں ملے گی۔"

"بس میری جانب سے نہ ہی سمجھیں۔ایک تم اپنے آفس میں میرے لیے جگہ نہیں ڈھونڈ سکتے۔"

ایبک جو پوری طرح سے شیر بخت کی بات سن رہا تھا۔اس کے کانوں تک حاجرہ کی آواز ہی نہ پہنچی تھی۔

"یہ ایبک بھی ناں کیسا ملنگ انسان ہے۔"

"ہاں ملنگ جینز پہن کر ہی پھرتے ہیں۔بال بھی کبھی نہیں کٹواتے۔پچھلے چار سالوں سے یہ ایسی ہی گھوم رہا ہے۔ایک دفعہ بھی اسکے بالوں کی کٹائی نہیں ہوئی۔میں کہہ رہی ہوں۔اسکے سر میں بھینس کے سائز کی جوئیں ہونی ہیں۔"

خدیجہ نے اسکے بازو پر ایک ہاتھ لگایا

''زینی خبردار جو تم نے کھانے کی میز پر مزید ایک لفظ ایسا فضول بولا۔۔۔''

''آج کے زمانے میں سچ سننے والے کان ختم ہو گئے ہوئے ہیں۔۔۔ پر میری زبان سچ کہنا بند نہیں کرے گی۔''

زینی کی بات پر نعمان نے با آور کیا۔

''یہ نہ ہو ہمیں سچ کی علمدار یہ زبان ہمیشہ کے لیے کاٹنی پڑ جائے۔''

نعمان کے موبائل پر بیل ہوئی۔ وہ معذرت کرتا فون لیکر باہر نکل گیا۔ سردار پہلے ہی اپنے موبائل پر کوئی نمبر ملاتا ہوا وہاں سے اٹھ کر جا چکا تھا۔

حاجرہ' خدیجہ اور زینی واش روم کی جانب بڑھ گئیں ژالے کو بھی آنے کی آفر کی مگر اسکے کان ایک اور شیر بخت کی جانب لگے ہوئے تھے۔ چونکہ ایک دور بیٹھا تھا۔ وہ اسکے الفاظ سن نہیں پا رہی تھی۔ نا محسوس انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ زینب کی خالی کی کرسی کو تھوڑا ایک کی جانب کر کے بیٹھ گئی۔ وہ سرگوشیوں میں شیر بخت کو سمجھا رہا تھا۔

''یار یہ تو کوئی وجہ نہیں ہے۔ ماں باپ سپورٹ نہیں کر رہے۔ اسکا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے۔ ہار مان جاؤ۔ اپنے خوابوں کی تعبیر ڈھونڈنے کے لیے محنت ہی نہ کرو۔ تمہاری تو پھر والدہ ساتھ ہوتی ہیں۔ میرے تو والد چمن میں رہتے ہیں۔ ماں چائنا میں اپنے دوسرے شوہر اور بچوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ وہ دونوں شروع سے میرے ساتھ نہیں رہے۔ ابتدائی زندگی میری ہاسٹلوں میں گزری ہے۔ ایک نیک فطرت انسان نے میری مدد کی تھی۔ پر صرف تب تک جب تک میں اڑنا نہیں سیکھ گیا تھا۔ میرے باپ نے چائنا میں اپنی مرضی سے میری ماں کے ساتھ شادی کی۔ پھر اسکو پاکستان لیکر آیا۔ میری ماں مسلمان نہیں ہیں۔ اسی بات پر والد کی فیملی نے انکو قبول نہیں کیا۔ کچھ میری والدہ عمر میں میرے والد سے دس سال بڑی تھیں۔ ادھر انکو کم عمر بیوی مل رہی تھی۔ اسلیے فوراً چائنا والی کو طلاق دیکر بھیج دیا۔ اس نے بیٹا اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ کیوں ایک سانپ کے بچے کو پالتی۔ جس نے ویزے کے لیے شادی کی وعدے کیئے۔ دوسری عورت دیکھی تو بے وفا سب کچھ بھول گیا۔ میری ماں کہتی ہے۔ جیسا باپ ہوتا ہے بیٹا بھی ایک دن ویسا ہی نکلتا ہے۔ اسلیے وہ مجھے یہی چھوڑ کر واپس

چلی گئی۔ باپ نے دوسری شادی بڑی دھوم دھام سے کی کیونکہ ادھر تو یہ انکی پہلی ہی شادی تھی۔ اگر میری ماں کو میری ضرورت نہ تھی۔ تو ادھر بھی کسی کو نہ تھی۔ ایک بدمذہب کی عورت سے جنم لینے والا پلید بچہ کسی کو ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ رو دھو کر شائد چار سال ہی گزرے تھے۔ میرے والد کی ماں کو لگتا میرا منحوس سایہ اس گھر میں ہے۔ اسلیے انکے بیٹے کی ابھی تک اولاد نہیں ہو رہی۔ ایک دن ایویں ایک بات کو ایشو بنا کر میرے والد کی بیوی نے مجھے مار کر گھر سے نکال دیا۔

وہ ایک رات میں نے انکے گھر کے باہر تھڑی پر بیٹھ کر روتے گزاری تھی۔ وہیں رو دھو کر نہ جانے کب سو گیا۔ اس وقت میں ہمارے علاقے میں آبادی اتنی زیادہ نہ تھی۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں دور دور گھر۔۔

پر جب میں صبح اٹھا تو تھڑی کے اوپر نہیں تھا۔ ایک گاڑی کی بیک سیٹ پر گرم چادر کے اندر چھپا ہوا تھا۔

اس دن کے بعد میری زندگی میں کوئی ناکامی نہیں آئی۔ وہاں سے گزرتے ایک مسافر نے میرے گھر والوں کو سحری کے وقت جگا کر انکی دہلیز پر موجود ایک تھن چار سالہ بچے کی موجودگی سے خبردار کیا۔ جواب میں ان لوگوں نے بچے کو منحوس بول کر دو چار گالیاں دیکر دروازہ بند کر دیا۔ اس مسافر نے بند دروازے کو دیکھا اور پھر مجھے۔

میں اپنے محسن کو کبھی کبھار ہی ملا ہوں۔ پر میرے ہاسٹل سکول کی فیسیں میرا خرچہ ہر ماہ پورے وقت پر ڈاک کے ذریعے مل جاتا۔ جب میں کالج میں ایف ایس سی کر رہا تھا۔ میں نے انکا بھیجا ہوا خرچہ استعمال کرنا بند کر دیا۔ انکو لکھ دیا۔ اب مجھے خرچہ بھیجنا بند کر دیں۔ ایف ایس سی میں نے سکالرشپ پر کی تھی۔ اسکے بعد میری کارکردگی کہ بنیاد پر یونی تک میری تعلیم کا سارا خرچہ گورنمنٹ دیتی رہی ہے۔ اپنا جیب خرچ میں پارٹ ٹائم نوکریاں کر کے بنا لیتا تھا۔ جس دن مجھے یہ سمجھ آئی کہ میں نے زندگی میں مدد لینے والا نہیں بلکہ مدد دینے والا بننا ہے۔ اپنے محسن جیسا بننا ہے۔ اس دن سے میں نے ان تھک محنت کی ہے۔ آج میں سی ایس ایس کے امتحان کی تیاری کر رہا ہوں۔ ساتھ میں بڑی اچھی تنخواہ پر نوکری کر رہا ہوں۔ اسی تنخواہ سے پیسے جوڑ کر میں نے اپنا مکان خریدا ہے۔"

"میرے دوست یہ سب بتانے کا مقصد کوئی اپنی شیخی بھگارنا نہیں تھا۔ فقط ایک حوصلہ افزا مثال دینا چاہتا تھا۔ تم ہمت کبھی نہ ہارو۔ محنت کرو۔ آج کے دور میں آگے جانا ہے تو تعلیم بڑی ضروری ہو گئی ہے۔ آج ڈگری کے

بغیر ایک چوکیدار کو بھی نوکری پر نہیں رکھا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں بھی پوچھا جاتا ہے۔ کہ ہاں بھائی تم نے ٹریننگ کہاں سے لی۔ بندوق چلانا بھی جانتے ہو یا صرف پکڑ کر کھڑے ہی ہو سکتے ہو۔ آج علم سیکھنا تو انسان کے لیے بہت آسان بات ہوگئی ہے۔ آپ کے پاس پچاسوں ٹی وی چینل ہیں۔ ہر موضوع پر بات ہو رہی ہے۔ ان باتوں پر بھی بحث ہو رہی ہوتی ہے۔ جو بالکل بھی چھیڑے جانے والے نہیں ہیں۔ جب ہم ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر ٹاک شوز سن رہے ہوتے ہیں۔ ڈاکیومنٹریز دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ اور نہیں تو ایک گھنٹے کا خبر نامہ ہی سن لیں تو یہ ایک سیکھنے کا عمل ہے۔ اب ہر گھر میں دو چار لوگوں کے پاس تو لازمی فون موجود ہیں۔ انٹرنیٹ پیکج اتنے سستے مل رہے ہیں۔ بظاہر آپ اپنے فون پر مصروف ہیں۔ مگر آپ پھر بھی سیکھنے کے عمل سے ہی گزر رہے ہیں۔ تو علم آج کے انسان کے پاس بہت سارے ذرائع سے آ رہا ہے۔ جیسے نبی پاک ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے۔

قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بتائی۔ فرمایا قیامت کے نزدیک کے زمانے میں علم کم ہو جائے گا۔"

میرے استاد کہا کرتے تھے۔ آج کے دور میں تعلیم عام ہوگئی ہے۔ ہر گھر میں تعلیم پر زور ہے۔ ہر تعلیم یافتہ کو عزت ملتی ہے۔ پر اتنی تعلیم ہونے کے باوجود علم کم ہو گیا ہے۔ وہ علم جو انسان کو انسانیت کے نچلے درجے سے نکال کر اونچائی پر پہنچانے آیا تھا۔ اس کی قلت ہوتی جا رہی ہے۔ آج تعلیم کے بغیر انسان کا گزارا نہیں ہے۔ ڈگری نہیں ہوگی۔ تو نوکری نہیں ملے گی۔ نوکری نہیں ہوگی۔ تو چھوکری نہیں ملے گی۔"

اس بات پر وہ خود ہی دھیرے سے مسکرایا۔

"دیکھو سیدھی سی بات بتاؤں میں اپنی فیس بک کی آئی ڈی کھول کر بیٹھ جاؤں۔ آدھا گھنٹہ میں سکرول کر کر مختلف پیجز اور لوگوں کی شیئر کی ہوئی چیزیں دیکھ اور پڑھ لوں۔ تو ایک کتاب پڑھنے جتنا فائدہ ہوتا ہے۔ شائد اس سے بھی زیادہ۔ اتنے سے وقت میں کوئی دس احادیث، بیسیوں آقابرین کے اقوال، لطیفے، کسی کی دکھی آپ بیتی۔ کہیں کسی پوسٹ پر لوگوں کا اصل چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ جہاں لوگ فراوانی سے اردو و انگریزی زبان کے استعمال سے دھڑا دھڑ اپنی رائے دے رہے ہوتے ہیں۔ وہ سب کے سب لوگ تعلیم یافتہ ہیں تو لکھنے کے قابل ہیں ناں۔ اگر لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ تب ہی تو اپنی رائے رکھتے ہیں۔ اب ادھر نبی پاک ﷺ کی حدیث مبارکہ کی اتنی پیاری تشریح ہو جاتی ہے۔ کہ اور کسی مثال کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ جانتے ہو وہ سب بڑھ چڑھ کر

بولنے والے لوگ بول کس پر رہے ہوتے ہیں۔" دین پر۔۔۔۔" اور اس دین پر جس کی روح میں ایک اہم اصول یہ دیا گیا ہے۔ کہ خبردار کسی بھی مذہب کی توہین نہ کرو۔ چاہے عیسائیت ہو' یہودیت ہو' ہندوازم ہو' اسلام کہہ رہا ہے۔ خبردار کسی کے مذہب پر بات نہ کرو۔ کیوں۔۔۔۔؟؟ کیوں بات نہ کرو۔۔۔ یہاں پھر وہی حکم آجاتا ہے۔ جو نبی پاک ﷺ نے گالی نکالنے کے بارے میں دیا ہے۔ بالکل اسی انداز میں سمجھایا ہے۔ جس طرح عورتوں کی عزت کے بارے میں فرمایا۔ اے لوگو۔۔۔ اپنے گھر سے باہر کی عورتوں کی عزت کرو۔ تا کہ اللہ تمہارے گھر پہ موجود عوتوں کو عزت دے۔"

"اسی طرح فرمایا گیا ہے۔ لوگو خبردار اپنے ماں باپ کو گالی نہ دینا۔"

عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ بھلا کون اپنی ماں بہن کو گالی دے سکتا ہے۔"

"تو جواب میں فرمایا۔ جب تم کسی کے ماں باپ کو گالی دو گے وہ جواب میں تمہارے ماں باپ کو گالی دیگا۔ تو ایک طرح سے تم نے اپنے ماں باپ کو گالی دی ہے۔ اسی طرح جب ہم کسی کے مذہب پر تنقید کریں گے۔ بری بات کریں گے۔ وہ جواب میں ہمارے مذہب کو نشانہ بنائے گا۔"

"یہ بات جانتے ہم سب ہی ہیں۔ پر عمل کوئی نہیں ہے۔ یہی علم والی حدیثِ مبارکہ کا مفہوم ہے۔ پتا سب کچھ ہونا۔ ہم اس مذہب کے ماننے والے جو غیر پر بھی انگلی اٹھانے سے منع کرتا ہے۔ ہم نے اسی مذہب کو اپنی جہالت کی بنا پر مذاق ہی بنا دیا ہے۔ اصل جہالت یہ ہے۔ جاہل وہ نہیں جو حرف شناس نہیں ہے۔ جاہل وہ نہیں ہے۔ جو سکول و مدرسہ نہیں گیا ہوا۔"

"بلکہ جاہل وہ ہے۔ جس کا دل ادب سے خالی ہے۔ جس کا دل اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت سے خالی ہے۔ یہ جہالت ہے۔"

وہ علم جو انسان کو نفع دے' اسکے اخلاق کو بلند کرے' اسکو دوسروں کی عزت کرنا سکھائے' صبر کرنا سکھائے' اللہ کہ رضا میں راضی ہونا سکھائے' اپنے بھائی سے محبت کرنا سکھائے' بڑوں کا احترام سکھائے' غریب کی مدد کرنا سکھائے' یتیموں کی کفالت کرنا سکھائے' سچ کو سچ کہنا اور ماننا سکھائے' انسانوں سے محبت کروائے' وفاداری سکھائے' کسی کا حق نہ مارنا سکھائے' جس میں ظلم نہ ہو' حق تلفی نہ ہو' یقین مانیے ایسا علم اگر دنیا کہ

کتابوں کو پڑھ کر ملتا تو آج دنیا میں ظلم اس قدر عام نہ ہوتا۔ ہر طرف طاقت کے بل بوتے پر ملکوں کے ملک تباہ نہ کئے جا رہے ہوتے بلکہ امریکہ' برطانیہ' روس جیسی طاقتیں بڑی شرافت سے نظر جھکا کر اپنے سے کمزور ممالک کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آ رہی ہوتیں۔ نہ کہ ان پر بم مار کر تباہ کرتے۔"

"ایسا علم خاص اللہ کی طرف سے ملنے والی ہدایت ہے۔ اور وہ فرماتا ہے۔ اللہ جسکو چاہے نواز دیتا ہے۔ اسی لئے تو ہم ہر نماز و دعا میں مانگتے ہیں۔ کہ اے اللہ ہم کو ہدایت عطا فرما۔ اپنے نیک بندوں کا راستہ عطا فرما۔"

"اتنی لمبی بات کر گیا ہوں۔ پر سمجھانا یہ چاہ رہا ہوں اللہ نے تمہیں ہدایت دی ہوئی ہے۔ اب تمہارے لیے ضروری ہے۔ دنیا کا علم سیکھو۔ تا کہ کہیں جاب کر کے اپنی ماں کا اور اپنا خیال اچھے طریقے سے رکھ سکو۔ کل کو اگر تمہارے سامنے کوئی اور شیر بخت آتا ہے۔ تو وہ تم کو دیکھ کر یہ سیکھ سکے کہ ایسے گر کر سنبھلتے ہیں۔ زندگی ہر کسی کو گراتی ہے۔ اگر ہم گریں گے ہی نہیں تو اٹھیں گے کیسے؟؟

تم میرے پاس ادھر ہاسٹل میں آ جاؤ میں سیدھا تمہیں میٹرک کی تیاری کروا دونگا۔ اگلے سال امتحان دیکر قسمت آزمائی کر لینا۔"

ژالے کے آنکھوں سے لگا تار آنسو بہتے جا رہے تھے۔ اب اسکو سمجھ آیا تھا۔ ایبک کو دیکھتے ہی وہ اتنا اپنا اور پیارا کیوں لگا تھا۔ ژالے کا جی چاہ رہا تھا۔ آگے بڑھ کر اسکی پیشانی چوم لے۔

وہ شائد ایسا کر بھی جاتی پر اپنے چہرے کے سامنے ٹشو لہراتے دیکھ کر ہوش میں آئی۔ جلدی سے گردن موڑ کر اپنے دوسری جانب دیکھا۔ سردار اپنے فون کی سکرین پر انگلیاں چلاتے ہوئے۔ ایک ہاتھ سے اسکو ٹشو آفر کر رہا تھا۔ وہ حیران ہوئی بھلا یہ کب آ کر میرے برابر بیٹھا تھا۔

"مس گل چہرہ صاف کر لیں۔ لڑکیاں واپس آ رہی ہیں۔"

ژالے نے گردن موڑ کر ایک نظر واش رومز کی جانب دیکھا۔ وہ لوگ واقعی آ رہی تھیں۔

"شکریہ۔"

ژالے نے ٹشو سے اچھی طرح اپنا چہرہ صاف کیا۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

پر جیسے ہی زینب لوگ میز تک آئیں۔ کھانا بھی آ گیا۔ اسکی جانب کسی کا دھیان نہیں گیا۔ باتوں اور ہنسی

مذاق کے دوران وہ مزے دار کھانا کھایا گیا۔

☆......☆......☆

''تم نے کہا تھا۔ جیسے ہی تمہارا شوہر دبئی کے لیے روانہ ہو جائے گا۔ تم مجھ سے ملنے آؤ گی۔ میری اطلاع کے مطابق تو وہ لوگ کل کے یہاں سے چلے گئے ہیں۔ پھر تم ابھی تک کیوں نہیں آئی ہو۔''

ابرہیم کے لہجے میں دبا دبا سا غصہ تھا۔ کیونکہ وہ صبح سے اسکو فون ملانے کی کوشش میں تھا۔ پر ہر دفعہ فون ساحرہ کی بجائے اسکی ساس اٹھا رہی تھی۔

''وہ چلا گیا ہے۔ تو کیا؟ وہ اگر ادھر ہوتا بھی تو مجھے کونسا کسی نے روک پانا تھا۔ میں اگر نہیں آئی ہوں۔ تو اسکی وجہ تمہاری بیوی ہے۔ جو اس وقت بھی تمہارے گھر پہ موجود ہے۔''

''میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ ساحرہ زرمین کی میری زندگی میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ وہ میرے گھر پر میری ماں کا بہلانے کے لیے ایک کھلونے کے طور پر رکھی گئی ہوئی ہے۔ اگر میرے الفاظ کا یقین کر سکتی ہو تو بتا دیتا ہوں۔ آخری دفعہ میں تین ماہ پہلے اس کے پاس گیا تھا۔ ایک چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی ہم اجنبی لوگ ہیں۔ پر اگر میں اسکو چھوڑ دوں۔ تو سارے خاندان والے میرے خلاف ہو جاتے ہیں۔ اپنی میری ماں مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔''

''تو پھر مجھے فون کیوں کیا؟ میں نے تم سے صرف ایک ہی مطالبہ کیا ہے۔ صرف ایک مطالبہ۔۔۔!! اگر اس عورت کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ تو پھر تمہیں اسکو گھر سے بے دخل کرتے ہوئے اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے۔ ابراہیم احمد میں نے تو اولاد کو چھوڑتے وقت بھی دو سیکنڈ کے لیے نہیں سوچا۔ تم ایک بے وقعت عورت کو چھوڑتے ہوئے اپنا نفع نقصان سوچ رہے ہو۔ اس سے سارا سچ سامنے آ گیا ہے۔ محبت صرف میں نے کی ہے۔ تم نے نہیں۔۔۔۔ تم کل بھی بے وفا تھے۔ آج بھی بے وفا ہی ہو۔''

وہ فون لائن میں غصے سے روتے ہوئے چیخ چلا رہی تھی۔

اگر صاحب نظر ہوتی تو جان پاتی کہ وہ کل بھی مفاد پرست تھا۔ وہ آج بھی مفاد پرست ہے۔

اس نے فون بند کیا۔ تو ابراہیم نے اپنا فون سیٹ غصے سے میز پر سے پھینک دیا۔

یہ سچ تھا۔آج کل اسکے ذہن پر ساحرہ پوری طرح سوار تھی۔اس کو کچھ اور نہیں سوجھ رہا تھا۔انسان جب برائی کا دل میں ارادہ کر لیتا ہے۔تو اسکا ذہن پوری طرح اسکی خواہش کا غلام ہو جاتا ہے۔وہ اپنی مرضی سے اپنے ہر عمل کو صفائی تلاش کر لیتا ہے۔چاہے وہ عمل کتنا ہی برا کیوں نہ ہو۔ابراہیم کے اندر بھی جو ایک آدھ در کھلا تھا۔ساحرہ کے آخری رونے دھونے کو دیکھ کر وہ بھی بند ہو گیا۔کیونکہ یہ بات سچ تھی۔اس نے ساحرہ سے محبت کی تھی۔زرمین صرف بیوی تھی۔زرمین کے قرب کے لیے دل میں آگ نہیں لگتی تھی۔نہ وہ دل و دماغ کو قابو کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

اس نے سوچ لیا جب وہ اپنا شوہر اور بچے صرف اس کے لیے چھوڑ کر آنے کو تیار تھی۔تو کیا وہ اسکے لیے اتنی سی قربانی نہیں دے سکتا۔"

اسی وقت آفس سے نکل آیا۔گھر میں داخل ہوا تو کسی کی موت کے پروانے پر دور کہیں سائن ہو چکے تھے۔لیکن جانے والوں کا قافلہ راستے میں تھا۔

زرمین ملازمہ کو ساتھ لیکر ڈرائیور کے ساتھ اپنی بیٹی کو سکول سے لینے گئی ہوئی تھی۔جس وقت وہ گھر میں داخل ہوئی۔پیغام ملا سب گھر والے اسکی ساس کے کمرے میں جمع ہیں۔اور اسکو بھی وہیں بلایا ہے۔

اسکے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔اندر کیا ہونے جا رہا تھا۔

کمرے کا دروازہ ہلکا سا بجا کر اندر گئی۔تو بیٹی نے اسکے ہاتھ کی انگلی تھام رکھی تھی۔کمرے میں اسکی ساس سسر، جیٹھ اسکی بیوی، ساتھ میں بیوی کی ماں جو کہ انکی رشتے میں چچی لگتی تھی۔

وہاں محسوس کی جانے والی خاموشی تھی۔

وہ اندر آئی تو تمام نظروں نے اسکو فوکس کیا۔سوائے اسکے اپنے شوہر کے۔وہ چہرے پر نفرت لیے اپنے ہاتھوں لگائی گئی آگ کی تباہی دیکھنے کو تیار بیٹھا تھا۔

سب سے پہلے بولنے والا بھی وہی تھا۔

"پوچھیں اس سے کس کے ساتھ منہ کالا کر کے میری عزت کا جنازہ نکال کر آ رہی ہے۔آخر ہر روز سرخی لگا کر بیٹی کو لینے کے بہانے یہ کس کو مل کر آتی ہے۔"

زرمین نے ناسمجھی کے عالم میں اپنے شوہر کی جانب دیکھا۔ وہ اسکی عزت کا رکھوالا تھا۔ وہ رکھولا جسکو اسی ایک صفت کی وجہ سے اللہ نے اس عورت پر حاکم مقرر کیا تھا۔

یہ کوئی چھوٹی بات ہے۔ یا کوئی مذاق ہے۔ ایک انسان کے سارے حقوق کسی اور کے نام لکھ دیئے جائیں۔ یہ نکاح کا احترام ہے۔ یہ اس رشتے کا تقدس ہے۔ اور جب یہ تقدس یوں پامال ہوتا ہے۔ تو براہِ راست اللہ کی بارگاہ سے لعنت آتی ہے۔

زرمین ابھی اسکی بات سمجھ بھی نہ پائی تھی۔ نہ ہی اپنے اوپر جمی تمام حاضرین کی نظروں کا جواب مانگا تھا۔ کہ ابراہیم نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے۔ اسکے تابوت کا آخری کیل بھی ٹھونک دیا۔

"اماں میں صرف آپکی وجہ سے اس بدکردار عورت کے ساتھ نبھاہ کرنے پر مجبور تھا۔ مگر اب نہیں مجھے اپنی نسل نہیں برباد کروانی۔ اس لیے میں آپ سب لوگوں کی موجودگی میں آپ سب کو گواہ مان کر زرمین کر طلاق دیتا ہوں۔ آج سے میری طرف سے آزاد ہے۔ میں اسکو طلاق دیتا ہوں۔ اس نے میری وفا اور محبت کا احترام نہیں کیا۔ میں اسکو اپنی زندگی سے بے دخل کرتا ہوں۔"

بیٹی نے ابھی تک اپنی ماں کی انگلی تھامی ہوئی تھی۔ وہ باپ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کا مفہوم تو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ پر سب کو یوں خاموش دیکھ کر سہم سی ضرور گئی تھی۔

زرمین کا وجود بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ پلکیں تک جامد ہو گئیں۔ وہ یک ٹک ابراہیم کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس شخص کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ جسکو اس نے اپنی پوری کائنات مانا تھا۔ وہ جیسا بھی سخت رویے والا غصے والا مرد تھا۔ پر زرمین اسکو دیکھ دیکھ کر جیتی تھی۔ اسکی ذرا سی توجہ پانے کے لیے کیا کیا جتن کر جاتی۔ وہ مرد آج اس کو اس طرح سے بے آبرو کر گیا۔ خود اپنے وجود سے نفرت ہو گئی۔

عزت والے یہ نہیں کہتے کہ اس نے مجھ سے ایسا کیوں کیا۔ پیار والے اپنے آپ کو کوستے ہیں۔ آخر کیوں اپنی زندگی کسی اور کے ہاتھ تھما دی کہ وہ ایک ہی لمحے میں تمہاری شاہ رگ کاٹ گیا۔

زرمین کی پتلیاں اپنے نارمل سائز سے بڑی نظر آ رہی تھیں۔ اس نے کسی اور کی جانب نہیں دیکھا۔ ایک لفظ نہیں بول سکی۔

جہاں کھڑی تھی۔ وہیں پورے قد سے ڈھے گئی۔ وہ جو اسکا تماشہ دیکھنے کو عدالت لگائے کھڑے تھے۔ جب اس پر کیچڑ اچھالا گیا کوئی کچھ نہیں بولا۔

کسی نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر تسلی کا ہاتھ نہیں رکھا۔ اس کی حمایت منہ ایک دفعہ بھی زبان نہیں کھولی۔

وہ سبھی اس کے گرتے ہی اسکی جانب لپکے تھے۔ مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ ایک دل ٹوٹ کر بے جان ہو چکا تھا۔

اسکی بیٹی اسکو یوں بے حس و حرکت فرش پر ڈھیر ہوا دیکھ کر چیخنے لگی تھی۔

اپنے چھوٹے ہاتھوں سے اسکے گال تھپتھپاتی۔۔۔

"مما کیا آپ ٹھیک ہو؟؟۔۔۔ مما ایسے کیوں لیٹ گئی ہو؟ مما اٹھو ناں۔۔۔۔"

"دادو مما کو کیا ہوا ہے۔"

اسکی دادی روتے ہوئے اپنے گال پیٹ رہی تھی۔

کوئی ڈاکٹر کو فون کرو۔۔۔"

یہ اسکے سسر کی آواز تھی۔ جبکہ ابراہیم کے بڑے بھائی نے آگے بڑھ کر اسکی نبض ٹٹولی۔ جہاں مکمل خاموشی تھی۔ گردن کے نیچے ہاتھ رکھ کر دھڑکن کا اندازہ کرنا چاہا۔ وہاں بھی مکمل خاموشی ملی۔۔۔

ہاسپتال والوں نے بعد میں تصدیق کر دی۔ اسکی موت حرکتِ قلب بند ہونے کی وجہ سے ہوئی تھی۔

اساں روز قیامتِ کہناں اے
ربا بے سانوں لوک ملنے سن پتھر ور گے
تے ساڈا دل کچ دانہ بنایا ہندا۔۔۔۔۔۔

☆......☆......☆

"ہم لوگ یہاں لنچ کے لیے آئے تھے۔ اور اب باہر شام اتر رہی ہے۔ باتوں میں وقت گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔"

ایک کے کہنے پر بے اختیار سب کی نظریں کھڑکی کے باہر نظر آنے والے کھلے آسمان پر گئی۔

ژالے نے تشویش سے شیر بخت کی جانب دیکھا۔

”شیر بخت کیا خیال ہے۔ ہمیں اب نکلنا چاہیے۔ یہ نہ ہو زیادہ دیر ہو جائے پھر بس بھی پتہ نہیں ملے کہ نہ۔۔۔۔“

”ہاں ہاں بس نہیں ملے گی۔ تو یہاں کونسا کسی کا کوئی ٹھکانا ہے۔ یا کوئی تم دونوں کا جاننے والا رہتا ہے۔ ذرا سوچو اندھیری رات ساتھ میں ایک جوان لڑکے کی ذمہ داری۔ دیر ہو جانے کی صورت میں تم لوگوں کو رات بس سٹیشن پر گزارنی پڑے گی۔ پتا بھی ہے کہ بھائی نے تو جانا ہے۔ پھر بھی غیروں جیسی باتیں۔۔۔۔“

زینب نے غصے سے سارا نقشہ کھینچ دیا۔

حاجرہ نے ہنستے ہوئے وارن کیا۔

”زینی نے اس وقت کچھ زیادہ ہی ٹھونس لیا ہے۔ آپ لوگ اسکو ناراض کرنے والی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر غصے میں آپ کے اوپر بیٹھ گئی ناں تو نانی یاد آ جانی ہے۔ محترمہ ہیوی ویٹ فائٹر ہیں۔“

سب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ زینی نے حاجرہ کا منہ چڑایا۔

سردار نے کافی کا سپ لیتے ہوئے ژالے کو مخاطب کیا۔

”مس گل فکر نہ کریں۔ میں نے بھی اسی جگہ جانا ہے۔ اگر آپ کو ناگوار نہ گزرے تو میں آپکو بھی ساتھ لے جاسکتا ہوں۔“

ژالے خجل سی ہو کر صفائی دینے لگی۔ ”نہیں یہ بات نہیں ہے۔ میں نے تو اس لیے کہا ہو سکتا ہے۔ آپ آج ادھر ہی رکنے کا پروگرام رکھتے ہوں۔“

”نہیں اماں گھر پر اکیلی ہیں۔ رکنے کا جواز ہی نہیں ہے۔ ویسے بھی میں جس کام سے آیا تھا۔ وہ صبح ہی کر لیا تھا۔ بلکہ میرا خیال ہے۔ اب سب کو ہی اٹھنا چاہیے۔“

اپنی اپنی کافی پی کر سب نے باہر کا رخ کیا۔ نعمان نے کہا وہ ایک اور لڑکیوں کو چھوڑ دے گا۔ ژالے اور شیر بخت کو اب سردار کی گاڑی میں گاؤں کی جانب جانا تھا۔

سب ایک دوسرے کو خدا حافظ بول کر اپنی اپنی نشست پر بیٹھ گئے۔ سوائے ژالے اور زینی کے۔

ژالے زینی کا ہاتھ تھام کر ایک طرف لے گئی تھی۔ باہر آتے ہوئے بھی وہ لوگ پیچھے چلتے ہوئے ایک دوسرے کے کان میں کھسر پھسر کر رہی تھیں۔۔۔

پارکنگ میں اس وقت ان کی دو گاڑیوں کے علاوہ ایک آدھ کار اور بھی موجود تھی۔

"مجھے تم کو یہ سب آرام سے تفصیل کے ساتھ بتانا تھا۔ مگر اب وقت ہی اتنا ملا۔ حالانکہ میں خاص یہی بات کرنے کے لیے تمہارے پاس آئی تھی۔"

"تم نے اسکو ڈھونڈ لیا۔ اس کے ساتھ فون پر بھی بات کرتی رہی ہو۔ میں مر تو نہیں گئی ہوئی تھی۔ ایک فون ہی کر لیتیں۔"

"کیسے فون کرتی۔۔۔"

"جیسے اپنے کالے کلوٹے کو کرتی ہو۔"

"اب نہیں کر پاؤنگی۔ میں نے فون توڑ دیا ہے۔ مجھے اس پر بڑا غصہ ہے۔ زینی وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایسا سلوک کر رہا ہے۔"

"ویسے ژالے ایک بات کہوں۔ اچھا ہے جان چھڑ والو اتنے بدصورت انسان کے ساتھ زندگی گزارنا بھی کونسا آسان ہوگا۔ اوپر سے بچے بھی کالے ہونگے۔"

ژالے نے آنکھیں دیکھاتے ہوئے اسکو دو ہاتھ جڑے۔۔۔

"وہ کالا کلوٹا اتنا نخرے والا ہے۔ میری آواز تک سننا نہیں چاہتا۔"

ژالے کی آنکھوں میں ابھرنے والی نمی نے زینب کو حیران کر دیا۔

"ژالو یہ کیا؟ تم اسکے لیے رو رہی ہو۔؟۔۔"

"نہیں میں اسکے لیے نہیں رو سکتی۔ وہ لگتا ہی کیا ہے۔ پر اس دن جب برف میں میرے مارنے پر میرے ہاتھوں کو پکڑا تھا۔ مجھے زندگی میں پہلی دفعہ تحفظ کا احساس ہوا تھا۔"

ایک آنسو پھسل کر گال پر پھیل گیا۔

"تم شائد میری بات سمجھ نہ سکو۔ کیونکہ تمہاری زندگی میں اگرچہ والد نہیں ہیں۔ پر بھائی کی مضبوط بیک

حاصل ہے۔تم اتنے اعتماد کے ساتھ ہر بات اس کے ساتھ کرتی ہو۔تمہاری شخصیت کی یہ مضبوطی کہیں نہ کہیں اس میں تمہارے بھائی کا ہاتھ ہے۔ کیونکہ عورت کو گھر کی چاردیواری سے اعتماد ملے تب ہی وہ باہر دنیا کا سامنا آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کرتی ہے۔ڈری سہمی عورت کہاں کامیاب ہوگی۔"

"میری زندگی میں باپ بھی نہیں تھا۔اور نہ ہی سردار جیسا بھائی۔ میں نے ساری عمر دوسروں کے چہروں پر اپنے لیے ناگواری بداعتمادی دیکھتے دیکھتے گزاری ہے۔ایک صرف پڑھنے کی آزادی تھی۔وہ بھی تایا کہا کرتے تھے۔انہوں نے کسی کے ساتھ وعدہ کیا ہوا ہے۔تائی کی لاکھ مخالفت کے باوجود انہوں نے مجھے تعلیم کے معاملے میں کوئی روک ٹوک نہیں دکھائی۔ اسلیے کالیا میری زندگی میں آنے والا وہ واحد مرد ہے۔ایک لمحے کو ہی سہی پر جس دن وہ آیا تھا۔اس گاڑی میں مجھے اس پر غصہ تو تھا۔پر میرے اندر اسکے لیے کوئی ناگوار جذبہ نہیں جاگا۔ مجھے اسکو وہاں دیکھ کر سکون کا احساس ہوا تھا۔اسی لیے تو میں نے اس کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا۔ورنہ یہ فون سیدھا لیجا کر پولیس کو دے دیتی۔ وہ لوگ راحیل کے قاتل کو ڈھونڈ رہے ہونگے۔ اگر تائی کی فیملی کو اصل قاتل تک رسائی حاصل ہوجائے تو ہوسکتا ہے۔وہ لوگ مجھے معاف کر دیں۔"

وہ اردگرد سے بالکل کٹ کر باتوں میں مصروف تھیں۔جب سردار کی آواز اتنے قریب سے ابھری کہ دونوں ہی اچھل پڑیں۔۔۔

"تم لوگ یہ بات جانتی ہوناں۔اس وقت پارکنگ میں کھڑی ہو۔"

"توبہ ہے۔۔۔۔!! آرام سے انسانوں کی طرح نہیں بات کر سکتے تھے۔۔۔۔"

زینی نے بھائی کے سینے پر ہاتھ مارا۔۔۔

"چلو ثانیہ ایک دو دن یونی کا کام رہ گیا ہے۔میں گھر آجاؤ پھر کھل کر بات کریں گے۔ابھی اپنا خیال رکھنا۔ہاسٹل کا نمبر سردار کے پاس ہے۔جب جی چاہے آفس سے کال کرلینا۔۔۔"

ایک دوسرے کو گلے مل کر رخصت ہوگئیں۔۔۔

"شکر ہے جی تم لوگوں کا اجلاس ملتوی ہوا۔ورنہ میں تو ادھر ہی بستر لگانے کا سوچ رہی تھی۔"

حاجرہ کی بات ہر ثانیہ نے مسکراتے ہوئے دور سے ہاتھ ہلایا۔

دونوں گاڑیاں اپنی اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو گئیں۔۔۔۔

شیر بخت اگلی سیٹ پر سردار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ دونوں ٹریفک پر گفتگو کرنے میں مصروف تھے۔ جو اندرونے شہر ایک جگہ پر بری طرح سے جام تھی۔ جہاں سے نکلتے نکلتے انہیں آدھا گھنٹہ مزید ادھر ہی لگ گیا۔

آخر اللہ اللہ کر کے ٹریفک کھلی اور گاڑی آگے بڑھی۔۔۔ژالے اگلی طرف ہونے والی باتوں سے بالکل بے نیاز کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے۔ اپنی زندگی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ وہ جو بات اس دن سے اپنے آپ سے بھی نہیں کر پائی تھی۔ آج زینب کے سامنے مان کر آ گئی تھی۔

اسکی سوچ کا تسلسل گاڑی کو بریک لگنے پر ٹوٹا تھا۔ باہر اچھا خاصہ اندھیرا چھا چکا تھا۔ ابھی انکو شہر سے نکلے صرف پندرہ بیس منٹ ہی ہوئے تھے۔ اسلیے ایک بات تو پکی تھی۔ ابھی وہ لوگ گاؤں سے کافی دور تھے۔

ژالے کی نظر سامنے ونڈ سکرین سے نظر آتے منظر پر پڑی تو اوپر کی سانس اوپر نیچے کی نیچے رہ گئی۔

ایک گاڑی سڑک کے درمیان میں راستہ روکے کھڑی تھی۔ ساتھ میں تین بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی اسلحہ ان کی گاڑی پر تانے کھڑے تھے۔

اسی دوران ایک گاڑی پیچھے کی جانب رکی۔ جو ایک کھلی جیپ تھی۔ اس میں سے بھی چار آدمی نکلے تھے۔

ژالے کی آنکھیں اس منظر پر اپنی جگہ سے ابل کر باہر گرنے کو تیار تھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں سیٹوں کے درمیان آگے کو جھکے کر پوچھنے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ ان لوگوں نے ہم کو کیوں روکا ہے؟"

سردار بھی پریشان ہو گیا تھا۔ اس پر ایک اچٹتی نظر ڈال کر پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

ایک پگڑی والا آدمی اپنی بڑی مونچھوں اور داڑھی کے اندر تقریباً چھپا ہوا تھا۔ بس موٹی موٹی ابلی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

اس نے آ کر سردار والی سائیڈ پر کھڑکی بجائی۔

نا چاہتے ہوئے بھی سردار نے دروازہ کھولا۔

اس آدمی نے بلوچی میں سردار کو کچھ کہا تھا۔ جس پر فوری طور پر اسکا یہ ردعمل آیا۔ سردار نے گاڑی کا انجن بند

کیا۔انکو اندر سے گاڑی لاک کرنے کا بول کر باہر نکل گیا۔

''یہ اس آدمی نے سردار کو کہا کیا ہے؟۔۔''

''کہہ رہا تھا۔باہر نکل کر ہماری بات سنو۔۔۔''

''یہ لوگ ہیں کون؟؟۔۔''

''علاقہ غیر کا آدمی ہیں۔کافی خطرناک ہیں۔بندے کو موقعہ پر ہی مار کر غائب ہو جاتا ہیں۔دعا کرو آج ہم یہاں سے زندہ نکل جائیں۔ورنہ اپنے گناہوں کی معافی مانگنی پڑے گی۔فرشتے حاضر ہو گیا ہے۔''

شیر بخت بہادر نظر آنے کی کوشش ضرور کر رہا تھا۔پر چہرے پر ہوائیاں اڑی ہوئی تھیں۔دونوں کی نظریں سامنے اندھیرے میں گھور رہی تھیں۔جہاں واحد روشنی سامنے والی گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی ہی تھی۔وہ بھی چار پانچ لوگوں نے درمیان میں ہی روک رکھی تھی۔

ژالے حسبِ عادت اپنے ناخن کاٹ رہی تھی۔دو تین منٹ بعد سردار لوٹا۔چہرے پر ناقابلِ فہم تاثرات تھے۔گاڑی کا دروازہ کھول کر سر اندر دیا۔

''شیر بخت باہر آؤ۔۔''

شیر بخت نے سوالیہ نظروں سے سردار کو دیکھا۔جس نے کوئی وضاحت نہ دی۔

وہ باہر نکلنے لگا تو ژالے نے اسکا ہاتھ پکڑ کر روک دیا۔اور سردار سے پوچھنے لگی۔

''اسکو کیوں باہر بلایا ہے۔؟۔''

''مس گل آپ پلیز ذرا چپ کر کے بیٹھی رہیں۔چلو شیر بخت باہر آؤ۔۔''

شیر بخت ابھی گاڑی سے نکلا ہی تھا۔کہ ایک کلیشن کوف والا آدمی اسکو ہاتھ سے پکڑ کر پیچھے والی گاڑی کی جانب لے گیا۔آگے کھڑی گاڑی بھی سٹارٹ ہو کر سیدھی ہو گئی۔ژالے پہلے تو شیر بخت والی سیٹ پر آئی وہاں سے کھلے دروازے سے باہر نکلنے کے ارادے میں تھی۔جب پیچھے سے سردار نے اسکو کھینچ کر سیٹ پر بیٹھایا اور ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کر دیا۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔دورازہ کھولیں۔وہ لوگ شیر بخت کو کدھر لیکر جا رہے ہیں۔۔''

دوسری دونوں گاڑیاں اپنے پیچھے گرد کے اونچے ہوتے بادل چھوڑ کر وہاں سے جا چکی تھیں۔

''اب کسی ایک کو تو یہ قربانی دینی پڑنی تھی۔ آپ کو تو جان بچ جانے پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا۔''

''کیا مطلب ہے؟ آپ نے اپنی اور میری جان کے بدلے شیر بخت کو ان لوگوں کے حوالے کیا ہے؟۔۔''

''تو اور کیا کرتا۔ وہ لوگ بڑا کیش مانگ رہے تھے۔ جو میرے پاس نہیں ہے۔ اب یا تو انہوں نے مجھے گولی مار کر جانا تھا۔ دوسری صورت میں اپنی گاڑی دیتا یا شیر بخت کو۔ اب گاڑی دیکر خودکشی کرنے والی بات ہی ہونی تھی۔ گاؤں ابھی کافی دور ہے۔ ادھر سے بچ جاتے تو کوئی اور راستے میں مار دیتا۔ اب کم از کم ہم گھر تو جا سکتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ ان لوگوں نے کہا ہے۔ اگلے چوبیس گھنٹوں تک اگر میں انکو رقم کا انتظام کر دیتا ہوں۔ تو وہ شیر بخت کی جان بخشی کر دیں گے۔ تب تک شیر بخت انکے ساتھ ہی رہے گا۔''

ڈالے کو باتوں میں لگا کر اس نے گاڑی سٹارٹ کر کے تیزی سے راستے پر گامزن کی۔۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا۔ بظاہر پر وقار، ہمدرد نظر آنے والا انسان اصل میں اس قدر بدصورت ہوگا۔ آپ نے اپنی جان کے لیے اپنی اس دو ٹکے کی گاڑی کے لیے ایک غریب کی جان کو قربانی کر دیا۔''

''ایسے کام دنیا میں عام ہوتے ہیں۔ مس گل یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔''

''بڑی بات نہیں ہے؟ سردار غازان صاحب آپکو اندازہ بھی ہے۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں آپکے اس حیوانی عمل کا حصہ نہیں بن سکتی ہوں۔ گاڑی روکیں۔''

''مس گل پاگلوں سی باتیں نہ کریں۔ یہاں پر اس وقت گاڑی روکنا سراسر خودکشی ہے۔ جو میں نہیں کر سکتا۔''

''میں آپ جیسے انسان کے ساتھ کہیں نہیں جاؤنگی۔ آپ نے جو شیر دل کے ساتھ کیا ہے۔ آپ کو اس غریب پر اتنا ظلم کرتے ہوئے رحم نہیں آیا۔''

''او خدا کا نام لیں مس گل وہ اگر مر بھی جاتا ہے۔ تو کس کو فرق پڑنا ہے۔ باپ اسکو چھوڑ چکا ہے۔ ماں کے لیے وہ ہو نہ ہو کوئی پرواہ نہیں۔ آپ کیوں اتنی ٹینشن لے رہی ہیں۔ مت بھولیں اگر آپ نے جا کر کسی کو بتایا یا میرے خلاف کرنے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہوگا۔ کل میں اپنے دوست سے بات کرونگا۔ نعمان بھی اسکو بازیاب کروانے میں مدد کر سکتا ہے۔''

ژالے کی آنکھوں سے سیال بہنے لگا۔ وہ سردار سے بہت دور ہو کر دروازے سے لگ کر بیٹھ گئی۔ گاڑی پوری سپیڈ سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ژالے کے اندر باہر وحشت سرایت کر گئی۔ دو چار منٹ لگے تھے۔ اسکا اتنا پیارا دوست' بھائی اس وقت نہ جانے کن لوگوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ سردار اتنا بزدل اور کم ہمت انسان نکلا تھا۔ ایک غریب کی زندگی دیکر اپنی آزادی خرید کر بھاگا تھا۔

گاڑی کے گیٹ سے داخل ہوکر رکتے ہی۔ وہ اپنی جانب کا دروازہ کھول کر دوڑتی ہوئی گراونڈ عبور کر گئی۔ وقت زیادہ نہیں ہوا تھا۔ مگر سردی نے سب کو اپنے اپنے کمروں تک محدود کیا ہوا تھا۔

ہاسٹل کے ہال روم سے لڑکیوں کی آوازوں کے ساتھ ٹی وی بھی سنائی دے رہا تھا۔

ژالے نے کمرے میں جا کر ہی سانس لیا۔

دروازہ بند کر کے اپنی الماری کھولی۔ کپڑوں کے نیچے سے سکرین ٹوٹی والا فون برآمد کیا۔

اندر والے دراز سے فون کا چارجر لگا کر فون کو آن کرنے کی کوشش کی۔

جو کہ ناکام ہوئی۔ کانپتے ہاتھوں سے اس نے ایک دفعہ پھر ٹرائی کی۔

''یا اللہ ایک دفعہ صرف ایک دفعہ یہ فون چلا دیں۔ آج مجھے واقعی اسکی ضرورت ہے۔ یا اللہ اس بے قصور کی جان بچالیں۔ یہ فون میری پہلی اور آخری امید ہے۔ میں اسکو شہر جانے پر مجبور نہ کرتی تو وہ اس طرح سے اغوا نہ ہوتا۔''

دو دن پہلے اسی فون کو ساری رات پانی میں رکھنے کے بعد بھی جب اس میں سے زندگی کے آثار پھر بھی نہ گئے تو اس نے اپنے بوٹ کے بھاری سول سے تین چار ضربیں لگانے کے بعد سکرین کریک کر کے فون یونہی الماری میں کپڑوں کے نیچے پھینک دیا تھا۔

رونے سے اب سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔

بار بار ٹرائی کرتے رہنے سے بلآخر فون نے دیکھا ہی دیا کہ وہ ایک انتہائی ڈھیٹ فون تھا۔

سکرین روشن ہوتی دیکھ کر ژالے نے اپنے آنسو صاف کیے اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ری ڈائل کا نمبر ملاتے ہوئے آج پھر سے اسکے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

بیل جاتی رہی مگر کوئی جواب نہ آیا۔

دوبارہ نمبر ملاتے ہوئے۔ اللہ سے دعا کر رہی تھی۔ صرف ایک دفعہ اسکو بولیں صرف آج میری کال اٹھا لے۔ میں دوبارہ کبھی اسکو تنگ نہیں کرونگی۔ وہ مجھے چھوڑنا بھی چاہتا ہے۔ تو اسکو بولیں چھوڑ دے۔ پر آج ایک دفعہ یہ نمبر اٹھالے۔۔۔۔

اسکے بار بار ملاتے رہنے پر جب آخر کار دوسری طرف سے جواب آیا تب تک وہ سارا صبر کھو چکی تھی۔

''میں تو سمجھا دو دن سکون کے گزرے ہیں۔ شائد اگلی زندگی بھی ایسے ہی گزر جائے۔ پر آئی گیس ایم ناٹ دیٹ لکی۔۔۔۔''

ژالے سوائے رونے کے اور کچھ نہ کہہ سکی۔ تب وہ تھوڑا نرمی سے بولا۔

''کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟۔۔''

''کالیا۔۔۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ پلیز نہ مت کرنا۔۔۔ ایک دفعہ میری مدد کر دو۔ میں دوبارہ کبھی بھی تمہیں تنگ نہیں کرونگی۔''

''پہلے تو رونا بند کرو۔ پھر بتاؤ کیسی مدد چاہتی ہو۔؟۔۔''

''وہ آج میں شیر بخت کے ساتھ شہر گئی تھی۔''

''شیر بخت کون ہے؟۔''

''جس کو فون والا پیکٹ دیا گیا تھا۔''

''فون والا پیکٹ میں نے نہیں بھیجا تھا۔''

ژالے خاموش ہوگئی۔ پھر مختصر سا شیر بخت کا تعارف دیکر بتانے لگی۔

''شہر سے واپسی پر دیر ہوگئی۔ سردار کے ساتھ ہم لوگ واپس آرہے تھے۔ راستے میں علاقہ غیر کے لوگوں نے ہماری گاڑی روکی۔ اور وہ لوگ شیر بخت کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔''

''تمہیں کیسے پتا کہ وہ علاقہ غیر کے آدمی تھے؟۔۔''

''مجھے شیر بخت نے ہی بتایا تھا۔''

''جب وہ اسکو لیکر جا رہے تھے۔ کیا اس کے پاس اتنا وقت تھا کہ وہ تمہیں بتا سکتا؟''

''نہیں وہ اسکو گاڑی روکتے ہی نہیں لیکر گئے تھے۔ پہلے وہ سردار غازان سے باتیں کرتے رہے۔ پھر آ کر اسکو لے گئے تھے۔''

''کیا اس لڑکے کی کسی کے ساتھ کوئی دشمنی ہے؟۔''

''وہ تو اتنا بے ضرر سا انسان ہے۔ اس کے ساتھ کس کی دشمنی ہونی ہے۔''

''پر ژالے جی کوئی بھی اس طرح سے غیر اہم شخص کو کیوں اغوا کرے گا۔ بات سمجھ سے باہر ہے۔ اگر وہ اغوا کار تھے۔ پھر تو قبیلے کے سردار کو لیکر جاتے۔ شیر بخت کا انہوں نے اچار ڈالنا تھا۔''

''اسکا باپ بہت بڑا بزنس مین ہے۔ ہو سکتا ہے۔ اس سے پیسے بٹورنے کے چکر میں اسکو لے گئے ہیں۔ تم پلیز اسکی مدد کرو۔''

''دیکھو یوں جو آدمی علاقہ غیر کے ہتھے چڑھ جائے۔ اسکی واپسی ناممکن سی بات ہی ہوتی ہے۔ پر میں کوشش کر سکتا ہوں۔ اگر تو وہ اسکو اپنے علاقے میں لیکر گئے ہیں۔ تو زیادہ دور نہیں گئے ہونگے۔ پتا کروا لیتے ہیں۔ میں تمہیں دو چار گھنٹوں تک معلومات لیکر بتاتا ہوں۔ پر تم سردار غازان کے ساتھ شہر گئی کیوں تھیں؟۔''

''میں اسکے ساتھ نہیں گئی۔ بلکہ شیر بخت اور میں اکیلے گئے تھے۔''

''ٹھیک ہے۔ اگر میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا۔ تو انشااللہ بندہ صبح سات آٹھ بجے تک گھر پہنچ جائے گا۔ اگر نہیں تو سمجھ لینا اسکی زندگی اتنی ہی تھی۔''

''وہ لوگ اسکو کیوں مارنا چاہیں گے۔ اس نے انکا کیا بگاڑا ہے۔''

''بگاڑا تو میں نے بھی کسی کا کچھ نہیں تھا۔ مگر مصیبت میں تو میں بھی ہوں۔ اسلیے زیادہ سوچنا بند کرو اور آرام سے سو جاؤ۔''

ساتھ ہی لائن بے جان ہو گئی۔

ژالے اپنے اختیار میں فی الحال جو کر سکتی تھی۔ اس نے کر دیا تھا۔ یہی ایک بندہ جو اسکے علم کے مطابق کچھ نہ کچھ تو کر ہی سکتا تھا۔ جو ژالے کو راحیل احمد کے گھر سے اسکے بندوں کی ناک کے نیچے سے نکال کر لا سکتا ہے۔ وہ

کچھ بھی کر سکتا ہے۔ جس نے نہتے ہاتھوں راحیل احمد جیسے باڈی بلڈر آدمی کو سیکنڈوں میں موت کی نیند سلا دیا تھا۔ اگر وہ بھی یہاں فیل ہو گیا۔ تو آگے ژالے نہیں سوچنا چاہتی تھی کیا ہوتا۔

اسے خیال آیا۔ آج ایک نئے شیر بخت نے جنم لیا تھا۔ ایک کی آفر پر اس نے معذرت کر لی تھی۔ وہ اپنی ماں کو اکیلا چھوڑ کر شہر نہیں رہ سکتا۔ پھر اسکی گل بدن بھی تو تھی۔ جس کے بغیر اسکا کہیں دل نہیں لگتا تھا۔ پر شیر بخت نے ایک کے ساتھ وعدہ ضرور کیا تھا۔ وہ گاؤں میں رہ کر ہی میٹرک کی تیاری شروع کر دے گا۔ اور اب یہ کیا ہو گیا۔ اگر وہ خدانہ کرے واپس نہ آیا تو میں کبھی بھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔"

ساری رات بیڈ پر مرغی کی طرح گردن اکڑائے بیٹھ کر کبھی فون اسکرین کو گھورتی' اور کبھی گھڑی کے ہندسوں کو جو ہر لمحے کے ساتھ بدل رہے تھے۔ ایسے ہی بیٹھے بیٹھے نہ جانے کب نیند کی وادی میں اتر گئی۔

شدید ٹھنڈ کے احساس پر آنکھ کھلی تھی۔ ادھر ادھر ہاتھ مار کر کمبل کھینچ کر اپنے اوپر ڈالا ایک دفعہ پھر آنکھیں بند ہو گئیں۔ مگر زیادہ دیر تک نہیں۔ باہر سے آنے والی آوازوں سے باخوبی اندازہ ہو گیا کہ دن چڑھ چکا تھا۔ ساتھ ہی رات کی تاریکی میں پیش آنے والا ہولناک واقع شعور کی سکرین پر روشن ہوا۔ ایک جھٹکے سے کمبل پھینک کر اٹھی۔ موبائل پر وقت دیکھا۔ صبح کے پونے نو ہو رہے۔ کالیا نے کہا تھا۔ اگر سات آٹھ بجے تک نہ آیا۔ تو۔۔۔۔۔"

بیڈ سے نکل کر جوگرز پہنے لباس سوئیٹر کل والے ابھی تک اسی حالت میں جسم پر موجود تھے۔ شال کو سر پر ڈالنے کے بعد واش روم سے نکلی کی۔ بھاگنے کے انداز میں کمرے سے نکل کر منڈھیر کے پاس آئی۔

وہاں سے گیٹ کا جائزہ لیا تو آج چوکیدار کو تنہا ہی پایا۔ ژالے کو لگا جیسے دل رک جائے گا۔

بھاگتی ہوئی نیچے گئی۔ وارڈن اور کئی لڑکیوں سے پوچھا کیا آج صبح شیر بخت کو دیکھا ہے؟

سب کی جانب سے جواب نفی میں ہی آیا تھا۔

چوکیدار سے بھی یہی سوال کیا۔

"روز تو وہ خانہ خراب کا بچہ چھ بجتے ہی آ جاتا ہے۔ پر آج ابھی تک نہیں آیا۔"

"کیا تم اسکے گھر سے واقف ہو؟ بتا سکتے ہو وہ کدھر رہتا ہے۔"

''کیوں نہیں گاؤں شروع ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر پہلا گلی میں سب سے آخری گھر اسی کا ہے۔''

''اچھا شکریہ بہت۔۔۔''

چوکیدار سے مزید کوئی سوال کیے بغیر وہ بڑے بڑے قدم اٹھاتے ہانپتی ہوئی شیر بخت کے گھر کو چل پڑی۔ سامنے سے ٹھنڈی ہوا پڑنے سے آنکھوں میں پانی آئے جا رہا تھا۔ ناک نے الگ اپنا کام دیکھانا شروع کر دیا۔

''میں جا کر اسکی ماں کو سب سچ بتا دیتی ہوں۔ وہ ناراض ہوگی تو گالیاں کھانے کو بھی تیار ہوں۔ میں اسکو سردار کا اصل چہرہ دکھاؤنگی۔ اتنا بڑا ظلم میری موجودگی میں میری آنکھوں کے سامنے ہوگیا۔ اور میں کچھ بھی نہ کر سکی۔ وہ کریمنل کا لیا بھی کچھ نہیں کر پایا۔ ان لوگوں نے نہ جانے شیر بخت کیساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ اور تو اور کسی نے شیر بخت کے حوالے سے کوئی تشویش بھی ظاہر نہیں کی۔ اسکا مطلب تو یہی ہوا ناں سردار نے ابھی تک کسی کو کچھ بتایا ہی نہیں۔''

گلی کے اندر قدم رکھا تو وہاں کھڑے کئی بچے جو اسکو دلچسپ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اسکے گلی میں آگے بڑھتے ہی ساتھ ہو لیے۔

آگے آگے ژالے پیچھے پیچھے بچوں کی فوج۔۔۔۔

گلی کے اینڈ پر پہنچ کر اس نے بچوں سے پوچھا۔۔۔''شیر بخت کا گھر کونسا ہے؟۔۔۔''

بچوں کو اسکے سوال کی خاک بھی سمجھ نہ آئی۔

اللہ کا نام لیکر اس نے سب سے آخری دائیں طرف والے گھر کے دروازے پر دستک دے ڈالی۔

پانچ منٹ بعد دروازہ کھلا تو باہر آنے والی اسی سال کی مائی تھی۔

آتے ہی بلوچی میں ژالے سے کچھ کہا۔ جواب میں کچھ کہنے کی بجائے ژالے نے الٹا سوال کر دیا۔۔

''کیا یہ شیر بخت کا گھر ہے؟''

''شیر بخت کا نام لیکر مائی نے ژالے کی پشت کی جانب اشارہ کیا۔''

اس نے سر گھما کر دیکھا تو دوسرے گھر کے دروازے پر شیر بخت کو کھڑا پایا۔

''تم اتنا بڑا بارات میرے لیے لیکر آیا ہے؟۔۔''

ژالے بے اختیار اسکی جانب بڑھی۔۔۔ ہاتھ لگا کر اسکے ہونے کا یقین کیا۔ وہ ٹھیک ہی لگ رہا تھا۔ صرف ماتھے پر ہلکا سا نشان تھا۔

ژالے کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ان لوگوں نے تم پر تشدد کیا ہے؟۔۔''

''یہ باتیں باہر کھڑے ہو کر کرنے کی نہیں ہیں۔ میرا گھر کوئی بہت اچھا نہیں ہے۔ پر آؤ اندر آ جاؤ تمہیں اپنی ماش (ماں) سے ملواتا ہوں۔۔۔''

وہ شیر بخت کو زندہ سلامت سامنے دیکھ کر پر سکون ہو گئی تھی۔ اسلیے ہنستے ہوئے بولی۔

''کیا ساری بارات کو ساتھ لیکر اندر آؤں۔۔''

''یہ لوگ تو سارا دن ادھر ہی گھومتے رہتے ہیں۔ تم آؤ۔۔۔ انہوں نے آنا ہو گا تو آ جائے گا۔''

لکڑی کا پرانی طرز کا دو پٹ والا دروازہ تھا۔ دروازے سے اندر آتے ہی بڑا سا کچا صحن تھا۔ جس میں پھیلی کچی دھوپ میں صاف ستھرے فرش پر ایک سفید رنگ کی گائے بندھی تھی۔ صحن کے درمیان میں ایک اخروٹ کا درخت تھا۔ جو کہ پوری طرح پھل کے ساتھ بھرا ہوا تھا۔

رہائشی حصہ صدر دروازے سے دائیں جانب تھا۔ کل تین کمرے تھے۔ دو کے دروازے بند تھے۔ اور چھوٹے والے کمرے سے دھواں نکل رہا تھا۔

گائے کی طرف اشارہ کر کے شیر بخت بولا۔

''یہ گل بدن ہے۔ اور گل بدن یہ میرا بہن ہے۔ کل ادھر ایک نے تعارف مانگا تھا۔ اسلیے وہاں سے میں نے سیکھا ہے۔ کسی اجنبی سے پہلی مرتبہ ملو تو اسکو اپنے بارے میں بتاؤ تم کون ہے۔ تمہارا نام کیا ہے۔''

ژالے ہنس دی۔۔۔۔

''ہیلو گل بدن میں تو سمجھتی تھی۔ کسی لڑکی وغیرہ کا نام گل بندن ہو گا۔ پر تم تو۔۔۔۔۔ خیر تم سے مل کر خوشی ہوئی۔''

''تم گل بدن کو لڑکی سمجھتا تھا؟''

"ہاں۔۔"

شیر بخت نے شرماتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"استغفراللہ۔۔تم مجھ کو ایسا لڑکا سمجھا۔۔۔"

ژالے کا قہقہہ سارے گھر میں گونج گیا۔

"بخت بلوچ یہ لڑکی کون اے۔۔؟؟"

اس کڑک دار آواز پر ژالے مڑی۔۔

چھوٹے کمرے کے دروازے پر ایک عورت کمر پر ہاتھ رکھے بڑی کینہ توز نظروں سے ژالے کو دیکھ رہی تھی۔ یہ کمان کی طرح تنے ابرو' باریک ہونٹ جن پر دنداسہ لگا ہوا تھا۔ آنکھوں میں کاجل کی دھار ٹھوڑی کے اوپر تین کالے نقطے۔۔۔ سبز رنگ کا بڑے بڑے شیشوں کی کڑھائی والا کرتا شلوار۔۔۔ جس پر کالی چادر کی بکل ماری ہوئی تھی۔ اسکی عمر تینتیس چونتیس سے زیادہ نہ معلوم ہو رہی تھی۔

"یہ میری ماں ہے۔۔ماں یہ طبیب ہے۔تم سے ملنے آئی ہے۔"

ژالے حیران ہی رہ گئی۔ کیا یہ شیر بخت کی ماں ہے؟۔۔ یہ تو اسکی بڑی بہن معلوم ہوتی ہے۔ اس نے یہی بات اونچی آواز میں کہہ دی۔

پری زاد کے چہرے پر خوشی کا رنگ دوڑ گیا۔ شیر بخت جانتا تھا۔ یہ خوشی ژالے کو دیکھ کر نہیں ہوئی۔ بلکہ ژالے نے جو پری زاد کو جوان اور خوبصورت بولا ہے۔ یہ فخریہ مسکراہٹ اسی بات کی ہے۔

"تو تم نیا ڈاکٹر ہے۔ بخت بلوچ نے بتایا تھا۔ وہ تمہارے پاس نوکری کرتا ہے۔ کل یہ ساری رات گھر نہیں آیا۔ کہہ رہا ہے۔ سردار کے ڈیرے پر کوئی کام تھا۔ گھر کا سارا کام مجھے خود کرنا پڑا۔ اس منحوس گائے کو چارا بھی ڈالنا پڑا۔ برتن اور صفائی کو تو میں نے ہاتھ نہیں لگایا۔ خود اس نے چھ بجے آ کر سارے کام کیے ہیں۔ آئندہ سے سردار کو کہنا یہ بس دن کے وقت ہی نوکری کر سکتا ہے۔"

شیر بخت شرمندہ نظر آیا۔ ماں کو درمیان میں ٹوکا۔

"میں بتا تو چکا ہے۔ آئندہ رات کو کہیں نہیں رکے گا۔ تم طبیب کو اندر تو بیٹھاؤ کچھ کھانے کو دو۔۔۔"

"ہاں تو میں نے کب روکا ہے۔آجاؤ اندر ادھر باورچی خانہ میں آجاؤ۔۔۔"

ژالے کی زبان نے ساتھ نہ دیا۔شیر بخت اسکے سامنے خود کو چھوٹا محسوس کر رہا تھا۔اسی احساس سے نکالنے کو وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اندر میں ضرور آؤنگی۔۔۔کھانا بھی ضرور کھاؤنگی۔۔۔پر پہلے مجھے یہ بتائیں آپ کا نل کدھر ہے۔مجھے منہ دھونا ہے۔"

اب حیران ہونے کی باری شیر بخت کی تھی۔جبکہ اسکی ماں اسکو ژالے کو نل دیکھانے کا بول کر خود واپس کچن میں چلی گئی۔

"تم میری وجہ سے پریشان تھا۔؟؟۔۔"

"تو اور کیا خوش ہونا چاہیے تھا۔شکر ہے تم صحیح سلامت واپس آگئے ہو۔ورنہ میں نے سردار کے خلاف پرچہ کروا دینا تھا۔"

"اس میں اسکا تو کوئی قصور نہیں ہے۔"

"اسکا قصور نہیں ہے؟اس نے اپنی جان بچانے کو تمہیں آگے کر دیا۔اتنا خود غرض انسان یہاں پر امیر بن کر لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔ظلم کی انتہا ہے۔"

"تم جذباتی ہو رہا ہے۔وہ بہت سی زندگیوں کے لیے اہم ہے۔میرا کیا ہے۔مجھے تو میری ماں نے بھی نہیں رونا تھا۔پر تم نے میری جان بچائی۔تمہارا بہت شکریہ۔۔۔تمہارا مرد نے میرا خاطر اپنا زندگی خطرے میں ڈالا ہے۔اس نے یہ سب تمہارے کہنے پر تمہارے لیے کیا ہوگا ناں کیونکہ مجھے تو وہ جانتا تک نہیں ہے۔"

ژالے کا دل لہو کو تیز تیز پھینکنے لگا۔

"تو وہ آیا تھا؟۔۔"

"ہاں ناں تب ہی تو میں ادھر ہے۔نہیں تو اب تک نہ جانے کس علاقے میں ہوتا۔"

ژالے کو مزید تجسس ہوا۔

"کیا تم نے اسکا چہرہ دیکھا ہے؟۔۔"

''کس کا؟۔۔''

''اسی کا جس نے تمہاری مدد کی۔''

''ہاں ناں دیکھا ہے۔''

ژالے کے ہاتھ پانی بھر کر وہیں رک گئے۔

''دیکھنے میں کیسا لگتا ہے؟ میرا مطلب اسکا رنگ دانت بال کیسے ہیں؟۔۔''

''میں نے زیادہ غور نہیں کیا۔ دوسرا رات کا وقت تھا۔ پر سب سے اہم بات یہ ہے۔ وہ آدمی نے کوئی لڑائی نہیں کیا۔ بلکہ جو لوگ مجھ کو لیکر گیا تھا۔ انکو فون آیا۔ انہوں نے گاڑی روک دی۔ تمہارا آدمی آدھے گھنٹے بعد ادھر آیا۔ مجھے لیا آدمیوں کا شکریہ ادا کر کے واپس۔۔۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کیا وہ اسکے آدمی تھے۔''

''مجھے تو ایسا ہی لگا۔ اب سچ کیا ہے۔ تم اپنے آدمی سے پوچھنا۔ فی الحال اندر چلو ورنہ ماث بگڑ جائے گی۔ ویسے ماث کی تعریف کر کے تم نے اسکو اپنے حق میں اچھا کر لیا ہے۔ وہ ایسے آسانی سے کسی کے ساتھ ہنس کر بات نہیں کرتی ہے۔''

ژالے نے منہ پر ٹھنڈے پانی کے چار پانچ چھینٹے مارے۔ شیر بخت نے اسکی جانب تولیہ بڑھایا۔ منہ صاف کر کے اس نے شیر بخت کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں نے تمہاری ماث کی جھوٹی تعریف نہیں کی ہے۔ جو کہا ہے دل سے کہا ہے۔''

تولیہ شیر بخت کے حوالے کرتی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

''اگر مجھے علم ہوتا۔ یہاں پر اتنی اچھی خاتون سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ تو میں کب کی آپکو ملنے آ گئی ہوتی۔''

''چلو میرے بیٹے کے ساتھ تعلقات اچھے ہیں۔ اس لحاظ سے تو تم ہو سکتا ہے۔ ساری عمر کے لیے میرے ہی گھر پر رہو۔''

حملہ اتنا اچانک ہوا۔ ژالے کو چاروں شانے چت کر گیا۔

اس نے سر موڑ کر ایک پریشان سی نظر شیر بخت پر ڈالی۔

جو خود اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا۔لب سختی سے بھینچے وہ تیزی سے باورچی خانے کے دروازے میں آیا۔

''ایک ذرخرید غلام کی طرح دن رات تمہارا خدمت کیا۔تم سے کبھی صلہ نہیں مانگا۔پہلی دفعہ میرا کوئی دوست ادھر آیا ہے۔اورتم نے ایسی گھٹیا بکواس کردی۔معاف نہیں کرونگا۔''

''ارے ایسا کونسا قیامت آگیا۔جو میں نے کہا سچ ہی تو ہے۔تمہارے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کررہی ہے۔تمہارے پیچھے گھر تک آیا ہے۔اب تم اسکو اپنی ماں کے ہاتھوں کا کھانا کھلوائے گا۔کل کو شادی کرلے گا۔تا کہ مجھے یہاں سے باہر پھینک سکو۔۔۔''

''وہ میرا بہن ہے۔مجھے بھائی بولتا ہے۔وہ پہلی دفعہ میرے گھر پر آیا ہے۔اورتم نے میری بہن کو گالی دے دیا۔''

ژالے کب کی وہاں سے نکل کر جاچکی تھی۔پری زاد نے حیرت سے اپنے بیٹے کو غصے کا اظہار کرتے دیکھا۔

''شیر بخت تو کس دنیا میں رہتا ہے۔ایک نامحرم مرد اور عورت کے درمیان کوئی بہن بھائی والا رشتہ نہیں ہوتا۔''

''ہاں تو ایسا کہہ سکتا ہے۔کیونکہ تم نے آج تک کسی مرد کو اگر دیکھا ہے تو بے حیائی کی نظر سے دیکھا ہے۔میں تو اپنی نظریں اٹھا کر کسی کی جانب اسی ڈر سے دیکھتا ہی نہیں ہوں۔کہیں کوئی گرد میری نظروں میں آجائے اور لوگ مجھے اس بات کا طعنہ دے جیسا ماں ہے۔ویسا ہی اسکا بیٹا۔۔۔۔''

اسکے آگے پری زاد کے منہ سے مغلظات کا سمندر نکلا تھا۔اس نے شیر بخت کی اگلی پچھلی پشتوں کو سنادی تھی۔آگ والا چمٹے سے دو چار ہاتھ مار بھی دیئے۔

اس نے ماں کا ہاتھ روکا نہ اسکو چپ کروایا۔بلکہ خاموشی سے آگے بڑھا۔اپنی گاڑی کھولی۔۔۔۔دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے ایک پل کو رکا۔

''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہے۔ژالے میرا بہن ہے۔میرا محسن ہے۔تم نے اسکا دل توڑا ہے۔اب میں واپس اس گھر میں تب ہی آؤنگا۔جب تم اس سے معافی مانگے گا۔''

''میرا جوتی معافی مانگتا ہے''

''پھر اپنا جوتی کے ساتھ ہی رہو۔''

پری زاد نے حیرت سے اپنے بیٹے کو گھر سے جاتے دیکھا۔ وہ روز کی بنا پر اسکی بے عزتی کرتی تھی۔ اس پر اپنی نفرت کا اظہار کرتی تھی۔ اپنی ناکامیوں کو اسکا قصور بتاتی تھی۔ اسکو کہتی تمہاری بددعا ہے جو مجھے کوئی قدر کرنے والا مرد نہیں ملتا۔ آج تک شیر بخت نے مڑ کر کبھی جواب تک نہ دیا تھا۔ اور آج ایک لڑکی کے لیے گھر ہی چھوڑ گیا۔

☆......☆......☆

ان دنوں اسکی پوسٹنگ بلوچستان میں تھی۔ حال ہی میں اسکی پروموشن کر کے میجر کا رینک دیا گیا تھا۔ اپنے کام سے اسکو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ ہر دن وہ پورے دل سے تیار ہو کر اپنی ڈیوٹی پر جاتا۔ اپنی کم عمری میں پائی گئی ترقی کی وجہ سے اپنی پوری رجمنٹ میں وہ خاص مقبول تھا۔ وقت کا پابند' ڈسپلن کے نام پر زیرو برداشت دکھاتا۔ بنیادی طور پر وہ ایک بہادر نڈر اور زندہ دل جوان تھا۔ انتہا کا محنتی اسکے دشمنوں کو بھی یقین تھا۔ وہ بہت اونچا جائے گا۔

وہ ایک وفد کے ساتھ مصروف تھا۔ دس پندرہ دن سے نہ تو زرمینے کو فون کر پایا تھا۔ نہ ہی خط لکھنے کا وقت ملا تھا۔ پر وہ کوشش کر رہا تھا۔ ایک آدھ دن کی چھٹی لیکر لاہور کا چکر لگا آئے۔ بہن کو میجر بننے کی خوش خبری بھی تو سنانی تھی۔

اس رات بھی وہ روٹین کے مطابق رات کے کھانے سے پہلے جم میں ورزش کرنے میں مصروف تھا۔ جب دو چار وردی والے اسکو ڈھونڈتے ہوئے آئے۔ اور اسی حالت میں اسی لباس میں اپنے ساتھ لیکر چلے گئے۔

اگلے دن کا سورج پوری دنیا پر تو طلوع ہوا تھا۔ مگر میجر ولی اللہ کی دنیا سے سورج اٹھا لیا گیا۔ ایسے گپ گھپ اندھیرے سے واسطہ پڑا کہ وہ اپنی سدھ بدھ بھی بھول گیا۔

ملک دشمن عناصر کے ساتھ گہرے ذاتی تعلقات ثابت ہونے کی بنا پر اسکا کورٹ مارشل کر دیا گیا تھا۔ ساتھ میں اسکو یہ بات کہی گئی تھی۔ اگر وہ اس فیصلے سے اتفاق نہیں کرتا۔ اگر وہ سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ وہ اپیل کرنے کا پورا پورا حق رکھتا ہے۔

سوچو ذرا وہ انسان جو اپنی ساری زندگی صرف ایک جنون کے پیچھے بھاگا ہو۔

وہ عام درجے کا مختنی نہ ہو۔ نہ ہی درمیانے درجے کا۔ بلکہ سکول وکالج کے زمانے سے اسکو صرف ایک ہی شوق تھا۔ جب اسکو اپنا شوق پورا کرنے کا موقع ملا۔ اس نے ثابت کردیا تھا۔ کہ وہ عام نہیں ہے۔ وہ ہر مقابلے' ہر ٹریننگ میں اوسط سے اوپری درجے کا سپاہی رہا تھا۔

اپنی ساری عمر میں کی گئی محنت سے تنکا تنکا جوڑ کر کھڑی کی گئی خوابوں کی عمارت ایک لمحے میں زمین بوس ہو گئی۔

دوستوں نے کہا اپیل کرو۔۔۔ جواب میں اس نے چپ اوڑھ لی۔ غیر ملکی ایجنٹ نے اپنی پریس ریلیز میں خاص میجر ولی اللہ کا نام لیکر اسکی تعریف کی تھی۔ کیسے پاکستان میں ایک مشن کے دوران ولی اللہ نے اسکی مدد کی تھی۔ سارے ملک میں اس خبر نے تہلکہ مچادیا تھا۔

فوج نے وقتی طور پر اسکو ڈیوٹی سے فارغ کر کے معمولات کی پوری جانچ پڑتال کر لینے تک اسکو فارغ کردیا۔

یہ اس کی شاندار کامیابیوں کی وجہ سے اتنی سہولت دی گئی تھی۔ بھلا اتنا محب وطن انسان غدار کیسے ہوسکتا تھا۔

کوئی اسکے خلاف بول رہا تھا۔ کوئی اسکے خلاف۔۔۔ اسکا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔

آئی جی بلوچستان کے ساتھ اچھی علیک سلیک ہونے کے علاوہ وہ اس سے ہمیشہ بڑے بھائی کی طرح ہی پیش آتے تھے۔ اسی لیے پر وہ انکے پاس آیا۔ کیونکہ کل اس نے پنجاب کے لیے نکلنا تھا۔ آج کی رات کہیں رکنے کا آسرا چاہیے تھا۔ آخری وقت میں محترم فدا حسین مری کے علاوہ اسکے دماغ میں اور کوئی نام نہیں تھا جہاں وہ جاسکتا۔

''فدا حسین نے اسکی اچھے سے دلجوئی کی۔ مگر جو خبر اسکو دی۔ وہ پانی سے نکلی مچھلی کی طرح تڑپا تھا۔

''ولی تمہارے خلاف سازش ہوئی ہے۔ بہت بڑی سازش ہوئی ہے۔ ظاہری بات ہے۔ جب فوج اپنی تفتیش پوری کرلے گی اصل وجہ ساری عوام کے سامنے آہی جانی ہے۔ مگر وقتی طور پر تمہارا کریئر ختم کر کے تمہیں بدنام کرنے کی سازش تھی۔

اور یہ سازش تمہارے بہنوئی اور اسکے بھائی افراہیم کی جانب سے ہوئی ہے۔ دونوں نے اپنے تعلقات کا

استعمال کر کے بندہ خریدا ہے۔اب یہ سب انہوں نے کیوں کیا۔گھر کے اندر کی خبروں سے میں لاعلم ہوں۔تم دو چار دن ادھر میرے پاس رہو۔میں پتہ کروالیتا ہوں۔آخر ایسا انہوں نے کس لیے کیا۔یہ ساری باتیں مجھے انکے بڑے خاص آدمی سے معلوم ہوئی ہیں۔جو سمجھ لو کہ ان دونوں کی مونچھ کا بال ہے۔ٹی وہ پر خبر سن کر میں تو خود ششدر رہ گیا۔اسی وقت دو چار فون کر کے یہ سب پتا کیا۔"

ولی اللہ کا پہلا خیال زرمین کی جانب گیا۔اسی کو ٹارچر کرنے کے لیے ابرہیم ساہی نے یہ سارا ڈرامہ رچایا ہوا تھا۔وہ فدا حسین مری کے بہت روکنے کے باوجود صبح وہاں سے نکل آیا۔

لاہور آنے کے بعد وہ سید ھا زرمین سے ملنے کے لیے اسکے گھر ہی چلا گیا۔

مگر آگے وہ نہیں تھی۔بلکہ اسکو گئے ہوئے تو پانچ دن گزر چکے تھے۔

وہ جو دو پونیاں ڈال کر گڑیا کی طرح منہ بسور بسور کر باتیں کیا کرتی تھی۔ذرا بڑی ہوئی تو دن رات کھانے کی چیزوں کی فرمائیش کر کر کے اسکا سر کھالیا کرتی تھی۔پھر تھوڑی اور بڑی ہوئی تو اتنی باوقار سنجیدہ سی چپ چاپ دل میں اتر نیب والی بھائی پر مرنے والی' بھائی کی دیوانی آج بھائی کو بتائے بغیر ملے بغیر یوں چپ چاپ چلی گئی تھی۔

پھوپھی ولی اللہ کے سامنے بیٹھ کر زور زور سے روتی بین کرتی اسکو بتاتی رہی کیسے ہم نے اتنی کوشش کی تمہیں ڈھونڈنے کی پر کہیں سے کوئی جواب ہی نہیں آیا۔مجبوراً اسکو دفنانا پڑا۔

تم اب آئے ہو ولی پر جو آنکھیں تمہارے انتظار میں دروازے پر لگی رہتی تھیں۔وہ سو گئی ہیں۔ایسی نیند سوئی ہیں۔جس سے کوئی بھی بیدار نہیں ہوتا۔

تھکے ہوئے حوصلے اور لڑ کھڑاتے قدموں کے ساتھ وہ خشک آنکھیں لیے بغیر کچھ کہے وہاں سے نکل آیا۔

گیٹ سے نکل کر تیز تیز قدموں سے چلتا گلی کے کونے تک آیا۔کونا مڑتے ہی دیوار پر کنی کے اوپر سر رکھ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

خاکی ٹراؤزر کے اوپر ہلکی براؤن ٹی شرٹ تھی۔کندھے پر درمیانے سائز کا ٹریویل بیگ تھا۔

اسکے رونے کے انداز میں غصہ نہیں تھا۔بلکہ دکھ ہی دکھ تھا۔

"زرمینے۔۔۔۔!!!۔۔میرے ساتھ تم نے اچھا نہیں کیا ہے۔مجھ زندہ کو قبر میں درگور کرگئی ہو۔"
وہ اپنی شرٹ کے ساتھ آنسو صاف کر کے خود پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا مگر بار بار ناکام ہی ہو رہا تھا۔
کندھے پر ہاتھ کے دباؤ پر اس نے گردن موڑ کر سرخ بھیگی آنکھوں سے دیکھا۔سامنے ڈری سی زرمین کی خاص ملازمہ کھڑی تھی۔جس بار بار گلی کے کونے سے سر نکال کر گیٹ کی جانب نظر ڈال رہی تھی۔جیسے کسی کے آجانے کا ڈر ہو۔
"اسلام علیکم صاحب جی۔۔۔میں نے آپ کو اسی وقت دیکھ لیا تھا۔جب آپ گیٹ پار کر کے گھر میں داخل ہوئے تھے۔مجھے بڑے دنوں سے آپ کا انتظار تھا۔اور سوچ سوچ کر مایوس بھی ہوتی رہی کہ نہ جانے آپ اب کبھی ادھر کو آتے بھی ہیں یا نہیں۔۔۔۔"
وہ بات کرتے کرتے رونے لگی تھی۔
"ان لوگوں نے میری بی بی کو مار دیا ہے۔اس دن جو کچھ ہوا وہ سب میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔بی بی کی وفات کے بعد ابراہیم نے اپنے بھائی سے کہا تھا وہ کسی طرح آپکا انتظام کرے۔۔۔۔۔"
"میں یہاں راستے میں آپکو ساری بات نہیں بتا سکتی ہوں۔میرا گھر یہاں سے تھوڑی ہی دور ہے۔دو گھنٹے بعد میری چھٹی ہونی ہے۔آپ اگر سڑک کے دوسری جانب جو گراؤنڈ ہے۔وہاں میرا انتظار کرلیں تو میں اپنی چھٹی کے بعد آپ کو ہر بات تفصیل سے بتا دونگی۔ابھی اگر میں زیادہ دیر باہر رہی تو افراہیم کی بیوی کو میرے پر شک ہو جائے گا۔اللہ حافظ۔۔۔"
وہ جیسے آئی تھی۔ویسے ہی تیزی سے ارد گرد احتیاط سے دیکھتی واپس چلی گئی۔
ولی اللہ نے اپنے آنسو صاف کیے۔غم سے دل پھٹا جا رہا تھا۔مگر اب اسکے اندر ایک نئی آگ جاگ اٹھی تھی۔وہ ادھیڑ عمر مائی اسکی روح کو بے چین کر گئی تھی۔اسکو سارا سچ جان لینے کی شدید خواہش تھی۔مگر اسکے لیے اسکو دو گھنٹے انتظار کرنا تھا۔اور گھڑی کی سوئیاں تھم گئی تھیں۔اسکے ارد گرد ساری دنیا' دنیا کا نظام' ہر چیز اپنے معمول کے مطابق چل رہی تھی۔شام کے سائے لہراتے ہی پرندے گھروں کو لوٹنا شروع ہو گئے۔پر آج کی شام ولی اللہ کو بڑی ویران' اداس اور اجڑی ہوئی شام معلوم ہوئی۔جیسے کسی نے کائنات کے تمام رنگ ایک ہی دفعہ

میں نچوڑ لیے ہوں۔

چڑھ دے چناتے کر رشنائی تیراذ کر کریندے تارے ہو

گلیاں دے وچ پھرن نمانے لعلاں دے ونجارے ہو۔۔

شالا مسافر کوئی نہ تھیوے ککھ جنہاں توبھارے ہو۔۔۔

تاڑی مار اڈا نہ باہو آپے اڈن ہارے ہو۔۔۔۔۔

وہ ملازمہ کے انتظار میں وہیں اسکی بتائی ہوئی جگہ پر موجود رہا۔

وہ دو کی بجائے چار گھنٹے بعد وہاں آئی تھی۔

''معاف کرنا صاب دیر سے آئی ہوں۔اصل میں بڑی بیگم صاحبہ نے فون کر کے ابراہیم صاب کو آپکی آمد کے بارے میں بتایا تو وہ اسی وقت گھر آگئے۔''

''آکر اپنی ماں سے آپ کے بارے میں بڑے سوال کیئے۔پہنا کیا ہوا تھا۔کہہ کر کیا گیا ہے۔یہاں لینے کیا آیا تھا۔زرمین کے بارے میں اسکو کیا بتایا۔''

''بڑی بی بی نے جو جو بات جیسے ہوئی تھی۔سب بتادی۔انکو پھر بھی یقین نہیں آرہا تھا۔اپنے بڑے بھائی کو فون کر کے گالیاں دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔تم نے تو کہا تھا۔ولی اللہ اپنی باقی ماندہ زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارے گا۔پھر یہ باہر کیسے پھر رہا ہے۔ہمارے گھر ہو کر گیا ہے۔''

''مائی تم مجھے میری زرمینے کے بارے میں کچھ بتانا چاہتیں تھیں۔مجھے وہ بتاؤ۔۔۔۔''

''صاب وہ جاننے کے لیے بڑا جگرا چاہیے۔مجھے ڈر ہے۔کہیں ایسا نہ ہو تم یہ خبر برداشت نہ کر پاؤ۔ہمارے دل سوچ کر چھلنی ہو جاتے ہیں۔تمہارا تو وہ جگر کا ٹکڑا تھی۔''

''دیکھو مائی میرے حال پر رحم کھاؤ۔مجھے بتادو میری زرمینے نے کیا کیا برداشت کیا ہے۔''

''صاب ایک پاک باز' باکردار' باحیا عورت پر دن دھاڑے اسکے شوہر نے گندا کیچڑ پھینک کر اپنے خاندان کی عدالت کے سامنے کھڑا کر دیا۔''

''میری بی بی کا دل بند ہو گیا۔ان لوگوں کو شرم نہ آئی۔پر میری بی بی بڑی شرموں والی تھی۔اس نے ہمیشہ

کے لیے خاموشی کو چن لیا۔"

ولی اللہ کے آنسو آنکھوں میں ہی ساکت ہو گئے۔

"وہ اتنی اذیت برداشت کرتی رہی؟ اور مجھے خبر کیوں نہ ہوئی؟ میں اسی ڈر سے تو تم سے دس دس دفعہ پوچھا کرتا تھا۔ زرمینے مجھے بتاؤ تم خوش ہو۔ مجھے ہر دفعہ ٹالتی رہی ہو۔ کاش میں نے تمہارے پر یقین نہ کیا ہوتا۔ کاش میں تمہیں اس مردے سے بہت دور لے گیا ہوتا۔۔"

اب اسکا دماغ ڈفینسیو موڈ میں آ گیا۔

"ابراہیم ساہی تیرے جسم کا ایک ایک عضو۔۔ ایک ایک خلیہ میری بہن پر کیئے گئے ظلم کا حساب دے گا۔۔۔"

پارک سے نکل کر رات کے اندھیرے کا حصہ بنتے ہوئے۔ اب اسکو کسی چیز کا ڈر خوف نہیں تھا۔ اسکو معلومات اکٹھی کرنی تھی۔ بہت ساری معلومات اکٹھی کرنے کے بعد اپنی تفتیش مکمل کرنی تھی۔

☆......☆......☆

سردار کے ساتھ اسکا سامنا دوسرے دن ہی ہو گیا۔ جب ژالے نے اسے شرمندہ کرنے والی نظروں سے دیکھا تو وہ شخص ڈھٹائی کی انتہا کرتے ہوئے بولا۔

"دیکھ لیا مس گل میں نہ کہتا تھا۔ میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر بخت کو بازیاب کروا لونگا۔

ژالے چاہ کے بھی نہ کہہ پائی۔ مکار انسان شیر بخت کو میر اکا لیا چھڑوا کر لایا ہے۔

پر شیر بخت کے ہی کہنے پر اس نے سردار کو معاف کر دیا تھا۔ پری زاد ایک دن بھی گھر کا کوڑا کرکٹ نہ اٹھا سکی اسی شام آ کر ژالے سے معافی مانگ گئی۔ یوں شیر بخت اور اسکی گل بدن اسی دن واپس اپنے گھر سدھار گئے تھے۔

آج کل حاجرہ اور زینی کہ چھٹیاں چل رہی تھیں۔ حاجرہ اپنے کیئے گئے وعدے کے مطابق کالج کو وقت دے رہی تھی۔ ایک نیا ان لوگوں کے ہاتھ شیر بخت کے لیے میٹرک کا کورس بھیجا تھا۔ وہ ژالے کے ساتھ کلینک پر جاتا۔ وہاں سے واپسی پر شام کے وقت دو گھنٹے ٹیوشن لینے کے بعد گھر جاتا۔ اس کی زندگی معمول سے زیادہ

مصروف ہو چکی تھی۔

حاجرہ اور ورشے ہر شرارت میں پیش پیش سارا دن سکیمیں بنانے میں مصروف رہتیں۔ان سب کے ساتھ مل کر وہ اور زینی ان تمام لوگوں کے گھر ایک چکر لگا کر آچکیں تھیں۔جن جن کے لڑکے کوئٹہ والے گھر میں رہتے تھے۔جہاں زینی نے کالیا کا سراغ نکالنے کا سیکرٹ مشن شروع کیا ہوا تھا۔وہیں کالیا کی جانب سے مکمل خاموشی تھی۔زینی کئی دفعہ وہ فون نمبر ملا چکی تھی۔پر دوسری جانب سے فون بند ملتا۔اکتا کر اس نے ملانا ہی چھوڑ دیا۔

یہ الگ بات تھی۔ہر رات سونے سے پہلے ژالے فون ہاتھ میں لیکر سوتی۔کیا خبر وہ فون کرلے۔

پھر یاد آتا شائد وہ اس لیے فون نہیں اٹھاتا کیونکہ پچھلی دفعہ جب دونوں کی بات ہوئی۔تب ژالے نے کہا تھا۔ایک دفعہ میری مدد کر دو۔پھر کبھی تمہیں فون نہیں کرونگی۔شائد وہ وعدے کی پاسداری چاہتا تھا۔

اس وقت بھی وہ چاروں پہاڑوں پر سے واپس آرہی تھیں۔جب وہ لوگ کالج کے قریب پہنچیں تو کالج کے گیٹ سے ایبک باہر نکل رہا تھا۔سب سے پہلے ژالے خوش دلی سے بولی۔

''اسلام علیکم واٹ آ سرپرائز ایبک۔۔۔۔کیسے ہو؟۔۔''

''وعلیکم اسلام طبیب صاحبہ بس دیکھ لیں۔میں نے سوچا آپ لوگ تو کبھی بھی مجھے اپنے ہاں آنے کی دعوت نہیں دیں گی۔میں خود ہی آجاتا ہوں۔''

''یہ تو بہت اچھا کیا۔''

''ژالے بہن اتنا متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔کیونکہ مجھے ناں یہاں جھوٹ اور کسی سازش کی بو آرہی ہے۔''

حاجرہ کی بات پر ایبک نے اپنی ہنسی چھپا کر ایک نظر زینی پر ڈالی جو اسکو شکی نظروں سے گھور رہی تھی۔

''بڑی خوشی ہوئی آپ سب کو دیکھ کر انشا اللہ پھر سے ملاقات ہوگی۔ابھی اجازت دیں۔رات سر پہ آگئی ہے۔''

تب ہی سردار کالج سے برآمد ہوا۔ژالے نے ایبک کو وہیں روک لیا۔

''ارے ایسے کیسے جانیں دیں۔ابھی آئے ہو اور ابھی چل دیئے۔''

زینی نے ایبک کے جواب کی جانب کوئی دھیان نہیں دیا۔

آ کر سردار کے عین سامنے کھڑی ہو کر اسکی آنکھوں میں دیکھا۔

''یہ چائنا میڈ ماڈل ادھر کس چکر میں آیا ہے۔؟۔۔''

''شرم کرو وہ ایک انسان ہے۔ نئے ماڈل کا ٹیڈی بیئر نہیں۔۔''

سردار کی بات پر اس نے ناک چڑھائی۔

''ٹیڈی بیئر یہ ہو بھی نہیں سکتا۔ وہ کیوٹ ہوتا ہے۔ اسکا کیوٹنیس سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ سردار مجھے باتوں میں لگا کر بات چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ سچ سچ بتا دو یہ کیوں آیا ہے۔؟۔۔''

''جب تم جانتی ہو وہ کیوں آیا ہے۔ تو پوچھ کیوں رہی ہو۔''

سردار کی بات پر زینب کے چہرے پر غصے سے سرخی دوڑ گئی۔

''اسکو اتنی جرات بھی تم نے ہی دی ہوگی۔ ورنہ اسکے اندر اتنی ہمت نہیں تھی۔ زینب خان کے بھائی سے اسکا رشتہ مانگنے آتا۔ اسکو تو میں دیکھ لونگی۔ پر تم بھی اپنے دل و دماغ سے یہ خوش فہمی نکال دو کہ میں اتنی آسانی سے شادی کر کے یہاں سے چلی جاؤنگی۔''

''نہ جانا میں ایبک کو گھر داماد رکھنے کو بھی تیار ہوں۔۔''

''ایسی کی تیسی ایبک کی۔۔۔ اسکو تو میں ابھی پوچھتی ہوں۔۔''

وہ خونخوار نظروں سے گھورتے ہوئے تیزی سے ایبک کی جانب بڑھی جو پھرتی سے ڈالے کے پیچھے ہو گیا۔

سردار نے پیچھے سے زینب کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے وہیں روک لیا۔ اسکا سر پکڑ کر سردار اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولا۔

''زینی کچھ تو لڑکیوں والے جذبات دکھا دو۔ ایسے موقع پر لڑکی شرماتی ہے۔ تم اس بیچارے کو مارنے بھاگ رہی ہو۔''

''ہاں ایسا ہی بہن کو شرماتے دیکھنے کا شوق تھا۔ تو میری تربیت لڑکیوں کی طرح کی ہوتی۔ مجھے تو ساری عمر یہی سبق دیا۔ لڑکوں کے قریب بھی نہیں جانا۔ وہ تمہارے لیے زہر ہیں۔ یہی کہتے تھے ناں؟؟ اور وہ کیا تھا

۔۔۔۔زندگی میں اپنی عزت آپ کروگی۔اپنا وقار قائم رکھوگی۔تو تمہاری منزل آسمانوں میں ہوگی۔میں ہر وقت ہر کام میں' ہر جگہ تمہاری مدد کو کھڑا ہونگا۔بس کسی مقام پر اپنے قد اور مقام سے گرا ہوا کام نہ کرنا۔''

''میں نے تمہاری ایک ایک بات دل پر لکھی۔عمل کیا۔۔۔۔تم نے مجھ پر کبھی روک ٹوک نہیں لگائی میں اکیلی ہر جگہ آتی جاتی ہوں۔لڑکوں کے ساتھ پڑھتی ہوں۔کسی مائی کے لال میں جرات نہیں وہ زینب کے طرف میلی آنکھ سے بھی دیکھ جائے۔اور اب تم مجھے یوں دھوکا دے رہے ہو۔اب ایک غیر لڑکے کو میرے پر مسلط کرنے کی سازشیں کر رہے ہو۔''

سردار اسکے غصے پر دھیرے سے مسکرا رہا تھا۔پھر اسکا چہرہ اپنی طرف موڑ کر پیشانی پر بوسہ دیا۔

''میں اسکو تمہارا غیر تو نہیں رہنے دونگا۔تمہاری اسکے ساتھ شادی کر رہا ہوں۔اس نے کہا ہے۔اس نے نیا مکان خریدا ہے۔جسے وہ گھر بنانا چاہتا ہے۔اس نے ایک کمرے میں جم بنایا ہے۔کیونکہ جس لڑکی سے وہ شادی کرنے والا ہے۔وہ بلیک بیلٹ ہے۔ہر روز ورک آوٹ کرتی ہے۔۔''

''ورک آوٹ میں صرف تمہارے کہنے پر کرتی ہوں۔شادی کے بعد میں نے اسی کو جم میں جھونکنا ہے۔جو آج بڑے شوق سے بنوا رہا ہے۔سنگل پسلی کہیں کا۔پر اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے۔میں اس سے شادی پر تیار ہوں۔پہلے تمہاری شادی ہوگی پھر میری۔۔۔''

سردار ابھی بھی دلکشی سے مسکرا رہا تھا۔

''چلو اگر تم خوش نہیں ہو تو ایک تم ایسا کرو اپنے والد کو ہاں کہہ دو اپنی پھوپھی کی بیٹی کے لیے۔میری بہن کو یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔اسلیے تم اپنی پھوپھی کی بیٹی سے شادی کر سکتے ہو۔''

زینب نے بھائی کو گھورا پھر دانت پیستے ہوئے بولی۔

''اپنے ایبک کو یہ بھی بتا دیں پھوپھی کی بیٹی سے شادی کرنے سے پہلے اپنا کفن تیار کروالے۔''

سب سے بلند قہقہہ سردار کا تھا۔

حاجرہ اور ورشے نے نعرے مارے۔۔۔۔ژالے مسرائز ہو کر بہن بھائی کا پیار ہی دیکھتی رہ گئی۔ایبک شرمیلی سی مسکراہٹ لیے۔سر جھکائے کھڑا تھا۔

زینب ابھی تک سردار کی بانہوں میں تھی۔

''اب ایبک کو ڈنر پر روک رہی ہو۔یا وہ اتنی لیٹ یہاں سے چلا جائے۔''

''میں کیوں روکوں مجھے تو اس نے جھوٹے منہ سلام تک نہیں کیا۔آپ کا مہمان ہے۔آپ جانو۔۔۔پر ادھر میں دو ایک مطالبے منوانا چاہتی ہوں۔''

سردار ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''جی فرمایئے ملکہ عالیہ خادم سن رہا ہے۔''

''مجھے کوئی دھوم دھڑ کے والی شادی نہیں کرنی ہے۔سادگی سے بس نکاح ہو گا۔اور جہیز میں میں دادی کو لیکر جاؤنگی۔آپ اپنے ایبک سے پوچھ لیں۔اگر اسکو اعتراض ہے۔تو ڈنر کیے بغیر ہی کھسکنے کی کرے۔''

سردار بولا تو لہجے میں شرارت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

''ہاں بھئی میرے ایبک ڈنر کرنا ہے۔یا ویسے ہی نکلنا ہے۔''

''سر ڈنر کے بغیر جاتا ہوا میں اچھا تھوڑی لگوں گا۔''

''یعنی تم کہہ رہے ہو۔تمہیں سارے مطالبے منظور ہیں۔''

''جی سر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔یہ اپنی دادی چھوڑ بھائی کو بھی جہیز میں لا سکتی ہیں۔''

''میرا بھائی کیوں تمہارے گھر جا کر رہے گا۔وہ یہاں رہے گا اپنی بیوی بچوں کے ساتھ۔۔۔''

''آہ۔۔۔!!ہاں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ۔۔۔۔۔''سردار نے مسکراتے ہوئے کہا۔پھر بولا۔

چلو اب سارے گھر اماں مٹھائی لیے انتظار میں ہیں۔پھوپھو لوگ بھی آئی ہوئی ہیں۔

''وہ لوگ کب آئے؟مجھے بتایا کیوں نہیں؟۔۔۔''

وہ سردار کا جواب سننے کو رکی نہیں۔۔۔۔۔اسی پل گھر کی جانب بھاگ گئی۔حاجرہ بھی اسکے ساتھ تھی۔

اس کے جاتے ہی سردار نے ایبک کی جانب دیکھا۔

''لو بھئی مبارک ہو۔سب سے اہم معرکہ سر ہو چکا ہے۔''

''تھینک یو سر۔۔۔۔''

''سر کے بچے اب تو بھائی بول دے۔۔''

''میری طرف سے آپ دونوں کو بہت بہت مبارک۔۔اللہ پاک یہ رشتہ مبارک کریں۔۔۔''

ژالے کے کہنے پر دونوں نے یک آواز خیر مبارک بولا۔

''آپ کو بھی مبارک ہو۔مس گل آخر آپ بھی تو زینی کی دوست ہیں۔''

''جی بالکل مجھے تو بہت زیادہ خوشی ہو رہی ہے۔زینی اگر بہت اچھی ہے۔تو ایک بہت سے بھی زیادہ اچھا ہے۔یقیناً یہ دونوں ایک خوشگوار زندگی گزاریں گے۔''

''آمین انشاءاللہ۔۔۔''

گھر قریب آیا تو ژالے اور ورشے ہاسٹل کی جانب بڑھ گئیں۔۔۔

''مس گل کیا آپ اندر نہیں آ رہی ہیں۔؟۔''

''نہیں آپ کے مہمان آئے ہوئے ہیں۔اسلیے اچھا نہیں لگتا۔میں انشاءاللہ کسی وقت آ کر زینی اور دادو کو مبارک دے دوں گی۔''

''چلیں جیسے آپکی مرضی۔۔۔۔۔اللہ حافظ۔۔۔''

گراؤنڈ سے گزرتے ہوئے ژالے نے کوئی بات کرنی چاہی تو ورشے کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔

مگر سیڑھیوں تک پہنچتے تک ژالے کا شک یقین میں بدل گیا۔اس نے وہیں ورشے کا بازو پکڑ کر اسکو روک لیا۔

''ورشی تم رو رہی ہو؟۔۔''

''اس کے اتنا کہتے ہی ورشے کے رونے میں تیزی آ گئی۔ژالے پہلے تو حیران تھی۔پر اب پریشان ہو کر اس نیارد گرد ایک نظر ڈالی۔نیچے اوپر سب اپنے کاموں میں مصروف تھے۔چند ایک لڑکیاں بالکونی پہ موجود تھیں۔مگر انکا دھیان ان لوگوں کی جانب نہیں تھا۔ویسے بھی جہاں ہر وہ تھیں۔وہاں اندھیرا ہی تھا۔

ژالے اسے پکڑ کر ایک طرف لے گئی۔

بینچ پر بیٹھا کر خود اسکے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گئی۔

''ورشی تم تو اتنی ہنسنے ہنسانے والی زندہ دل لڑکی ہو۔ کیا کسی نے کوئی دل دکھانے والی بات کہہ دی ہے؟۔۔

ورشے نے سرنفی میں ہلایا۔ اب تک اسکی ہچکی بندھ گئی ہوئی تھی۔

''میری جان مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟ بہن ہو میں تمہاری میرے پر اعتبار کر سکتی ہو۔؟

ورشے کے رونے میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ ژالے جا کر اسکے لیے پانی لے آئی۔

اسکو زبردستی پانی پلایا۔ ورشے کی سانس تھوڑی ہموار ہوئی۔ چند گھونٹ پانی کے مزید لینے کے بعد جیسے اس میں تھوڑی ہمت آئی۔۔۔

''کل میرے گھر سے میری ماں کا فون آیا تھا۔''

ژالے کے دماغ میں جو فوری بات آئی اسکے مطابق ہی پوچھ لیا۔

''گھر پر تو سب خیریت ہے ناں؟۔۔''

ورشے نے دوپٹے کے پلو سے ناک صاف کی۔۔۔ اور خود کو بولنے پر آمادہ کیا۔۔۔۔

''ژالے آپی۔۔۔ گھر پر خیریت ہے۔ فقط میری زندگی میں خیریت نہیں ہے۔''

ژالے درمیان میں نہیں بولی۔ وہ چاہ رہی تھی۔ ورشے اپنی بات جتنا مرضی وقت لیکر پوری کرے پر بولتی رہے۔

''چار سال پہلے میری منگنی میرے چچا زاد کے ساتھ ہوئی تھی۔ دونوں جانب سے ماں باپ کا فیصلہ تھا۔ وہ کوئٹہ میں پڑھتا ہے۔ انجینیرنگ کے آخری سال میں ہے۔ اب ہمارے گھر میں شادی کی باتیں چل رہی تھیں۔ کیونکہ میرے والد لڑکیوں کی شادی میں زیادہ دیر کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں شادی کے بعد اپنی تعلیم پوری کرو۔ پر کل امی کا فون آیا۔ میرے کزن نے میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ بات صرف انکار کی ہوتی تو مجھے کوئی دکھ نہیں تھا۔ مگر اس نے میرے کردار پر الزام لگایا ہے۔ ساری برادری میں بیٹھ کر کہا ہے۔ تایا کی بیٹی پڑھائی کرنے گھر سے باہر نہیں رہتی بلکہ رنگ رلیاں منانے کو ہاسٹل میں رہتی ہے۔ اسکا وہاں کسی لڑکے کے ساتھ میل جول ہے۔ میں نے اسکو اپنی آنکھوں سے لڑکے کے ساتھ گاڑی پر جاتے دیکھا ہے۔ برادری میں مرد کی بات سنی جاتی ہے۔ اہمیت حاصل ہے۔ میں نے اپنی ماں کو قسم کھا کر کہا ہے۔ میں نے تو

کبھی کسی کہ جانب ان نظروں سے دیکھا ہی نہیں۔ میں نے تو اسکے ساتھ بھی کبھی اکیلے میں غیر مہذب بات نہیں کی ہے۔ جس کے ساتھ میری شادی ہونا طے پایا ہے۔ ماں کہتی ہے۔ تم چاہے جو کہو۔۔۔ برادری میں تمہارا یقین نہیں کیا جائے گا۔"

"ژالے آپی ادھر کا ماحول تو آپکے سامنے ہے۔ یہ کوئی شہر تو نہیں ہے۔ جہاں آتے جاتے راستوں میں ہی نین مٹکا ہونے کے چانس ہوں۔ ادھر تو کسی لڑکے کو منہ کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے۔ موبائل تک اپنے پاس رکھنے کی سرنے ہمیں اجازت نہیں دی ہوئی۔ اتنی با اصول صاف ستھری زندگی گزارنے کے بعد میری قسمت میں ایسی رسوائی کیوں؟؟

میری بہن نے بتایا ہے۔ میرا کزن کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ وہ اسکے ساتھ یونی میں پڑھتی ہے۔ بزدل انسان نے اپنا آپ آزاد کروانے کے لیے سارا ملبہ میرے پر پھینک دیا۔ اس سے بھی زیادہ دکھ کی بات یہ ہے۔ اسکو منایا جارہا ہے۔ وہ ہماری بدکردار بیٹی کو معاف کردے۔ بڑا ظرف دکھاتے ہوئے۔ گھر کے گند کو گھر میں ہی سمیٹ لے۔ وہ کہتا ہے۔ شادی کرلیتا ہوں۔ مگر میں دوسری شادی اپنی مرضی سے کرونگا۔ وہ میری زندگی کی خوشیوں کو آگ لگا کر میرے ہر ہی احسان کررہا ہے۔ تاکہ ایک بیوی یہ مل جائے گی۔ جسکو ساری عمر پیر کی جوتی بنا کر رکھے گا۔ اور دوسری بیوی اپنی محبوبہ کو بنائے گا۔ یہ بیوی اسکے ماں باپ کی خدمت کرنے کو گاؤں میں رہے گی۔ اور دوسری عزت دار بیوی اسکے ساتھ شہر میں رہے گی۔ مجھے کہا گیا ہے۔ اگر مجھے اس سے شادی نامنظور ہے تو پھر ابا کے رشتے دار کا رشتہ فوری موجود ہے۔ پچاس سالہ آدمی جسکی پہلے سے ایک بیوی اور جوان اولاد ہے۔

کل میرے گھر سے مجھے لینے کو گاڑی آرہی ہے۔ میرا جی چاہ رہا ہے۔ اس سے پہلے ہی اپنی جان دے دوں۔ اچھا ہوگا ناں لیجا کر دفنا دینگے۔۔۔۔"

وہ ایک دفعہ پھر رونے لگی تھی۔ ژالے کا دماغ پوری طرح سن ہو چکا تھا۔

"پوچھیں اس سے کس کے ساتھ منہ کالا کرکے میری عزت کا جنازہ نکال کر آرہی ہے۔ آخر ہر روز سرخی لگا کر بیٹی کو لینے کے بہانے یہ کس کو مل کر آتی ہے۔"

ژالے کے کانوں میں آواز جاگی۔۔۔۔ جسکو سالوں سے سلاتی آئی تھی۔ مگر یہ الفاظ آج تک حفظ تھے۔

ثالے کا وجود کانپ رہا تھا۔

''اماں میں صرف آپکی وجہ سے اس بدکردار عورت کے ساتھ نبھاہ کرنے پر مجبور تھا۔مگر اب نہیں مجھے اپنی نسل نہیں برباد کروانی۔اس لیے میں آپ سب لوگوں کی موجودگی میں آپ سب کو گواہ مان کر زرمین کر طلاق دیتا ہوں۔آج سے میری طرف سے آزاد ہے۔میں اسکو طلاق دیتا ہوں۔اس نے میری وفا اور محبت کا احترام نہیں کیا۔میں اسکو اپنی زندگی سے بے دخل کرتا ہوں۔''

ثالے کی آنکھوں سے قطرہ قطرہ کر کے درد کا پانی ٹپکتا رہا۔بڑی دیر تک دونوں وہاں خاموش بتوں کی طرح بیٹھی رہیں۔

جب ٹھنڈ برداشت سے باہر ہوئی تو ثالے اپنا اکڑا وجود لیکر کھڑی ہوئی۔ورشے کی بانہوں میں ہاتھ ڈال کر اسکو اپنے ساتھ گھسیٹتی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے۔وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

''یہ بے قصور لڑکی بے موت نہیں مرے گی۔''

ورشے کو اسکے کمرے کے دروازے پر چھوڑتے ہوئے وہ بولی۔۔۔۔

''ورشے اللہ کی ذات جب انسان پر ایک در بند کرتی ہے۔تو ساتھ ہی دوسرا در کھل جاتا ہے۔کل جب تمہارے گھر سے تمہیں کوئی لینے کے لیے آئے۔تو میں تمہارے ساتھ جاؤنگی۔پتا نہیں کیا ہوگا۔پر اگر میں تمہاری مدد کرنے میں ناکام رہی تو پلیز مجھے معاف کر دینا۔۔۔''

ورشے روتے ہوئے ثالے کے گلے لگ گئی۔

ثالے اپنے کمرے میں آنے کے بعد ساری رات سو نہ سکی۔

مائیں نی میں کنوں آکھاں

درد وچھوڑے دا حال نی۔۔۔۔۔

☆......☆......☆

''میں نے آپ سے ایک چھوٹا سا کام کہا تھا۔آپ سے وہ بھی نہیں ہو پایا۔جس کو سلاخوں کے پیچھے بھیجنے کیلیے میں نے لاکھوں روپے دیئے ہیں۔وہ سرِ عام دندناتا پھر رہا ہے۔''

افراہیم نے اکتائی ہوئی نظروں سے چھوٹے بھائی کو دیکھا۔

''ابراہیم تم امیر تو ہو گئے ہو۔ پر امیروں والی خوبیاں تم میں نہیں آئی ہیں۔ تمہارے رویے سے صاف پتہ چلتا ہے۔ تم ایک کچے چور ہو۔ اول تو ولی اللہ کو کچھ معلوم ہی نہیں ہے۔ زرمین کی اچانک موت ہارٹ اٹیک کی وجہ سے ہوئی ہے۔ رات اچھی بھلی سوئی تھی۔ صبح اٹھی نہیں۔ نہ اس سے پہلے کچھ ہے۔ نہ بعد میں۔ مگر جو رویہ تم نے اپنایا ہوا ہے۔ وہ تمہیں مروائے گا۔ پہلے تم نے اس پر جھوٹا کیس بنوا کر کورٹ مارشل کروا دیا۔ اب اس طرح اس کے تعاقب میں جا کر اسکو یہ بتانا چاہ رہے ہو۔ تم نے ہی اسکی بہن کو مارا ہے۔ سارے رشتے دار جانتے ہیں۔ زرمین طبعی موت مری ہے۔ اب شرافت سے ولی اللہ کو فون کر کے اس کی بہن کا افسوس کرو۔ اور دعا کرو۔ اسکو علم نہ ہو کہ اسکے کورٹ مارشل کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ ویسے بھی فوج تفتیش کر رہی ہے۔ اپنے ایجنٹ کو یہاں سے کچھ عرصے کے لیے دفع کرو۔ کہیں ایجنسی والوں کے چار چھتر کھا کر سارا سچ اگلتا ہے۔ پھر ولی اللہ تو باہر ہی رہے گا۔ ہم ہی سلاخوں کی ہوا کھا رہے ہونگے۔''

''ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اگر میں نے جیل جانا ہوا ناں تو ولی اللہ کو گولی مار کر چلا جاؤنگا۔''

''مجھے تو سمجھ نہیں آتی ابراہیم تمہارا آخر کیا بنے گا۔ پہلے ہی مجھے دکھ ہے۔ جو کچھ تم نے زرمین کے ساتھ کیا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جو بھی تھا۔ وہ تمہاری عزت تھی۔ اور خاندانی لوگ یوں اپنی عورتوں کی نیلامی نہیں کرتے۔''

''تو میں اور کیا کرتا۔؟۔ وہ ساحرہ میری ایک سننے کو تیار نہیں تھی۔ مجھے فوری طور پر زرمین سے جان چھڑانے کا اور کوئی حل نظر نہیں آیا۔ ویسے طلاق دیتا تو آپ سب لوگوں نے بیچ میں کود پڑنا تھا۔''

''طلاق دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کچھ عرصے کے لیے اسکو اسکے بھائی کے پاس بھیج دیتے تم۔ جب ساحرہ کا بھوت سر سے اتر جاتا۔ اسکو واپس گھر لے آتے۔''

''میں ساحرہ سے شادی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ یہ کوئی ایک دو دن کی بات نہیں تھی۔ جو جھوٹ سچ بول کر گزارا کر لیتا۔''

''ساحرہ کے بچے کہاں جائینگے؟۔''

''انہوں نے کہاں جانا ہے۔ اپنے باپ کے ساتھ رہیں گے۔ ساحرہ کو بچوں کی کوئی سر درد نہیں ہے۔ جو کہ

ہمارے حق میں اچھا ہے۔ کیونکہ میں اسکے بچوں کو کبھی قبول نہ کرتا۔''
''تمہارا اپنی بیٹی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ساحرہ اسکو قبول کرلے گی۔''
''نہ بھی کرے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ساحرہ اپنے ساتھ اتنی دولت لیکر آئے گی۔ میں با آسانی اپنی بیٹی کے لیے کوئی آیا رکھ لونگا۔''
''تو تم نے بہت آگے کا سوچ رکھا ہے۔''
''میں چانس ضائع کرنے والا بندہ نہیں ہوں۔ اب اس مصیبت کی وجہ سے مجھے دیر ہو رہی ہے۔ ورنہ اب تک میں اور ساحرہ ایک ہو چکے ہوتے۔''
''فکر کیوں کرتے ہو۔ میں ہوں ناں۔ تم جاؤ اپنے پروگرام کے مطابق جہاں جانا تھا۔ میں دیکھ لونگا۔ اگر ولی نے زیادہ مسئلہ کیا تو پھر دوسرا راستہ تو ہے ہی ہے۔۔۔۔''
''اب کی ناں آپ نے بڑے بھائی والی بات۔۔۔''
دونوں ہنستے ہوئے بغل گیر ہو گئے۔۔۔۔



''تم نے آج اتنا دیر کردیا۔ کیا کلینک پر نہیں جانا۔''
وہ شیر بخت کے بلانے پر باہر آئی تھی۔
''نہیں آج مجھے تھوڑا کام ہے۔ میں کہیں اور جا رہی ہوں۔''
''کیا شہر جا رہا ہے؟''
''تم ابھی کسی کو بتانا مت مگر میں ورشے کے ساتھ اسکے گھر جا رہی ہوں۔ اسکی گاڑی لینے آئی ہوئی ہے۔ اسلیے تیار ہو رہی تھی۔ ابھی آدھے گھنٹے تک چلے جانا ہے۔''
شیر بخت کو الجھن ہوئی۔ ماتھے پر شکنوں کا جال بچھاتے ہوئے پوچھا۔
''وہ تو اپنے گھر جا رہا ہوگا۔ پر تم کیوں اس کے ساتھ جائے گا؟''
''نہیں بتا سکتی۔ ورشے نے وعدہ لیا ہوا ہے۔ بس اتنا بتا دیتی ہوں۔ وہ مصیبت میں ہے۔ اور یہاں پر

سردار تک کو وہ اپنی پریشانی بتانے سے گریز کر رہی ہے۔"
"تو تم ہی کو کیوں بتائی پریشانی؟۔۔"
"اسکے بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔مگر اسکے ساتھ جانے کا فیصلہ میرا اپنا ہے۔"
"واپس کب آئے گا؟۔۔"
"شائد آج ہی رات تک۔۔"
"ابھی تو اسکے ڈرائیور کے ساتھ جا رہا ہے۔واپس کیسے آئے گا؟۔۔"
"اوہ یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں ہے۔"
پھر بولی۔
"بس سے آ جاؤنگی۔۔"
"ٹھیک ہے پھر میں تمہارے ساتھ جا رہا ہے۔تم اکیلا نہیں آ سکتا ہے۔جو بھی تمہارا کام ہے۔کر لینا پھر دونوں اکٹھا واپس آ جائے گا۔"
"ہاں یہ ٹھیک ہے۔تم جا کر کپڑے بدل آؤ۔"
"میرا یہ لباس صاف ہے۔میں نے ابھی کل پہنا ہے۔"
"میں کونسا کہہ رہی ہوں۔خراب ہے۔پر جا کر سفید والا شلوار سوٹ پہن آؤ۔۔۔"
"ہم کونسا کسی کی شادی پر جا رہا ہے۔جو یوں بن ٹھن کر جائے۔"
"حد سے زیادہ سست انسان ہو۔مزید نہ تو بحث ہوگی۔نہ ہی وقت ضائع کرنا ہے۔میں ورشے کو بتا دیتی ہوں۔اتنی دیر میں تم تیار ہو کر آؤ۔۔۔"
وہ اندر کی جانب بڑھ گئی۔شیر بخت وہیں سے مڑ آیا۔
ٹھیک آدھے گھنٹے بعد جب ورشے کی گاڑی گیٹ سے نکلی تو اس میں ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر شیر بخت بیٹھا ہوا تھا۔پیچھے ژالے اور ورشے۔۔۔
سردار کو ورشے کے جانے کا علم تھا۔اس کے گھر سے فون آنے پر اس نے خود چھٹی کی اجازت دی تھی۔مگر

ژالے اور شیر بخت کی ورشے کے ساتھ رخصتی سے وہ ناواقف ہی رہا تھا۔

ویسے بھی گھر پر اتنی مصروفیت بڑھی ہوئی تھی۔ساری توجہ ادھر لگی تھی۔

راستے میں گاڑی ایک دو دفعہ پیٹرول وغیرہ کے لیے رکی تھی۔اس کے باوجود بھی انکو منزل پر پہنچتے چار گھنٹے لگ گئے۔

ورشے کا گھر دیکھ کر ہی اندازہ ہوگیا تھا۔وہ لوگ کسی عام گھر میں نہیں آئے تھے۔اتنے ریموٹ علاقے میں واقع ہونے کے باوجود گھر کا ڈیزائن اور ماتھا ایک دفعہ انسان کو سب بھلا کر اپنی جانب متوجہ کرتا تھا۔

گاڑی پورچ میں رکی تو وہاں کئی مرد کھڑے تھے۔آگے بیٹھے شیر بخت کو دیکھ کر سب کے چہروں پر عجیب سے تاثرات ابھرے تھے۔

ورشے نے نقاب اوڑھ رکھا تھا۔چہرے کے تاثرات کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔مگر جب اس نے اپنا ہاتھ ژالے کے بازو پر رکھا۔تو اسکا ٹھنڈا برف ہوتا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ژالے نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔پر چہرہ کھلا ہوا تھا۔ا

انکے گاڑی سے نکلنے سے پہلے ہی ملازمہ نے آکر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

”آؤ بی بی بسم اللہ۔۔۔“

”تاشے یہ میری مہمان ہیں۔ساتھ میں انکے بھائی ہیں۔تم انکے بھائی کو مردانے میں لے جاؤ پھر بابا کو انکی آمد کا بتاؤ۔۔۔۔۔“

ساتھ ہی ژالے کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی اتر کر وہاں موجود افراد کو مشترکہ سلام کرتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

ایک ملازم شیر بخت کو اپنے ساتھ آنے کا بول کر مخالف سمت میں بڑھ گیا۔

وہاں موجود کسی مرد نے شیر بخت کو استقبال نہیں کیا۔بلکہ بڑی گھورتی چبھتی نظروں سے اسکا جائزہ لیتے رہے۔یہاں تک وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا۔شیر بخت اسی ماحول کا حصہ تھا۔اسکو ماحول میں موجود ٹینشن ایک آنکھ نہ بھائی۔اسکو کچھ بہت غلط ہونے کے امکانات نظر آرہے تھے چھٹی حس نے آلارم بجانا شروع کردیا تھا۔اسکو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔اسکو کم ازکم معاملے کے بارے میں جانچنا تو چاہیے تھا۔یوں نہیں آکر

اچھا نہیں کیا۔ جب گھر کے مرد دروازے کے پاس کھڑے ہوں۔ ایک مہمان کو سلام کرنا تو دور سلام کا جواب بھی نہ دیں۔

ملازم اسے ڈرائینگ روم میں بیٹھا کر چلا گیا۔ ڈرائینگ روم روایتی انداز کا تھا۔ نیچے ایرانی کالین پر گاؤ تکئے لگے ہوئے تھے۔ سوائے ورشے کی امی کے اور کوئی بھی خوشی سے نہیں ملا تھا۔ ورشے ژالے کو ساتھ اپنے کمرے میں ہی لے آئی تھی۔ گھر میں کسی فنکشن کی تیاری تھی۔ مگر کوئی بھی خوش نظر نہیں آ رہا تھا۔

ژالے اور ورشے بیڈ پر خاموشی سے بیٹھی تھیں۔ جب دروازے پر دستک دیکر ورشے کی امی اندر آئیں۔ لائٹ گرین رنگ کا دھاگے کے کام والا فینسی سوٹ ساتھ کا دوپٹہ سلیقے سے سر پر ٹکا تھا۔ دونوں کلائیوں میں سونے کے کڑے تھے۔ درمیانے قد و جسامت تھا۔ انکے چہرے پر بلا کی نرمی تھی۔ آکر ژالے کے قریب بیٹھ گئیں۔ پیچھے ملازمہ چائے اور لوازمات لیکر آ گئی۔۔۔۔

''ژالے بیٹا کاش ہم کسی اور موقع پر ملتے۔ ورشے نے فون پر مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تم ایک ڈاکٹر ہو۔ پر آج یہاں آکر بھی تم نے بہت اچھا کیا۔ ورشے کی شادی پر کوئی دوست تو موجود ہے۔''

ان کے اس بات پر ژالے نے چونک کر انکی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''میں سمجھی نہیں آپ کی آخری بات کا کیا مطلب ہے؟۔۔''

وہ بھی جواب میں حیران ہوئیں۔۔

''کیا ورشے نے تمہیں بتایا نہیں ہے۔ آج شام چھ بجے اسکا نکاح ہے۔ اسکے چچا کے بیٹے کیساتھ۔ اسی لیے تو ساری فیملی اکٹھی ہوئی ہے۔''

ژالے کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔۔

''کونسے کزن سے اسکی شادی ہو رہی ہے؟۔۔''

'' اسکے کون سا کوئی ڈھیر سارے کزن ہیں۔ چچا کے دو بیٹے ہیں۔ ایک پہلے سے ہی شادی شدہ ہے۔ دوسرے سے اسکی منگنی کر رکھی تھی۔ پر کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ آج کا دن اس طرح سے آئے گا۔ وہ اس

سے شادی کے لیے نہیں مان رہا۔ اسکے بابا نے آخری چارے کے طور پر اپنی آدھی جائیداد اسکے نام کرنے کا لالچ دیا ہے۔"

"ماث جا کر بابا کو میرا پیغام دے دو۔ میں مر جاؤنگی پر اس گھٹیا آدمی کے نکاح میں نہیں جاؤنگی۔۔۔۔"

ورشے نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔۔۔ ژالے فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکے پاس آئی۔ کندھے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

جبکہ ورشے کی والدہ کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

کیونکہ اسی وقت دروازے میں ایک بڑا باوقار سا انسان ابھرا تھا۔ سفید شلوار سوٹ پر کالی واسکٹ پیروں میں پشاوری چپل۔۔۔ سر پر سرداروں والی دستار۔۔۔

"میں یہ ہی سمجھنا چاہتا ہوں۔ ابھی جو الفاظ میں نے سنے ہیں۔ ورشے وہ تمہاری زبان سے نہیں نکل سکتے۔۔۔" ورشے دوڑ کر باپ کے سینے سے لگ گئی۔ ہذیانی انداز میں روتے ہوئے بولے گئی۔

"بابا میرے پر اعتبار نہیں ہے۔ تو اپنے ہاتھوں سے ہمیں گلا گھونٹ دو۔ پر مجھ پر یہ ظلم نہ کرو۔۔۔۔ بابا اس نے میرے پر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ میرا کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ جھوٹا ہے۔ میں مر جاؤنگی پر اب اس سے شادی نہیں کرونگی۔"

"ایسی باتوں کا اب کوئی وقت نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بیٹوں کے برابر سمجھا تھا۔ ساری برادری کے خلاف پڑھنے کو بھیجا۔ پھر تم نے یہ کیوں نہ سوچا تیرا باپ سارے علاقے میں سر اونچا کر کے بولنے والا انسان تھا۔ ورشے آج میری حالت دیکھو اس لڑکے نے بیچ بازار میں کھڑا کر کے میری پگڑی اچھال دی۔ کیوں صرف تمہاری وجہ سے۔ مجھے اگر علم ہوتا ایسا ہوگا۔ میں کبھی تمہیں اس گھر کی دہلیز ہی پار نہ کرنے دیتا۔۔۔"

"بابا۔۔۔!! تمہاری ورشے نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔ جو آپکا سر نیچا کرنے کا باعث بنتا۔ بابا وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کو تیار ہوں۔ میں اس کے ساتھ شادی نہیں کرونگی۔"

"تو پھر کیا کرو گی۔ آج ساری برادری میں یہ بات پھیلی ہے۔ کل سارے علاقے میں پھیلے گی۔ کوئی عزت دار خاندان اس دہلیز پر رشتہ مانگنے نہیں آئے گا۔ میں اگر تمہارا اعتبار کر بھی لوں۔ تو میرے پاس اور کوئی راہ نہیں

ہے۔اگر اسکے ساتھ شادی نہیں کرنی تو پھر وہ جو بچوں کا باپ ہے۔اس سے کرو گی؟؟ کیونکہ یہ پکا ہے۔نکاح آج ہی ہوگا۔۔۔"

ثالے خاموش نہ رہ سکی۔۔۔

"آپ خود کو اتنا بے بس کیوں ظاہر کر رہے ہیں۔سر آپ تو اسکے سرپرست ہیں۔ایک بات یاد رکھیں جن کے دل میں چور ہو۔وہ اس طرح سے آکر قدموں میں حاضر نہیں ہوتے۔رو رو کر رحم نہیں مانگتے۔چور ہوتا ہی بے رحم ہے۔اگر آپکی بیٹی میں کھوٹ ہوتا۔تو یہ کم از کم اس وقت یہاں نہ ہوتی۔میں جانتی ہوں۔میں بہت غلط کر رہی ہوں۔آپ کے گھر کا معاملہ ہے۔مجھے اس میں بولنا نہیں چاہیے۔مگر میں نے اپنی عزیز از جان ہستی کو ایک وقت میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسی ظلم کا شکار ہوتے دیکھا تھا۔اس وقت مجھے ان معاملات کی سمجھ نہیں تھی۔ان کے لیے کچھ نہ کر پائی۔پر آج مجھے سچ اور جھوٹ کی پہچان ہے۔اس لیے آج رہ نہیں پائی۔جب کوئی کسی پر برائی کا الزام لگاتا ہے۔آپ جانتے ہیں اسکے بارے میں دین کے احکام کتنے سخت ہیں۔اسلام نے بڑی سختی سے الزام لگانے والے کی تفتیش کا حکم دیا ہے۔چار گواہ پیش کرنے کی شرط رکھی ہوئی ہے۔اور فرمایا ہے۔چاروں گواہوں کے بیان میں ایک لفظ کا بھی فرق نہ ہو۔چاروں کے بیان ملتے ہوں۔یہ نہیں کہ ایک کچھ اور کہے دوسرا کچھ اور۔۔۔اگر کوئی یہ کہے ان دو لوگوں کو ہاتھ میں ہاتھ ڈالے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔یہ بیان اسکو برا ثابت نہیں کرے گا۔یہاں تک کہ بوسہ دیتے ہوئے دیکھا پھر بھی برائی ثابت نہیں ہوتی۔

اسلام کہتا ہے۔چار لوگ ایک عورت کے بارے میں اللہ کو گواہ مان کر یہ کہیں کہ ان دو لوگوں کو اپنی آنکھوں سے پورے یقین سے دیکھا تھا۔اندھیرے میں نہیں روشنی میں دیکھا تھا۔ان کے جسم ایسے مل رہے تھے۔جیسے سرمہ دانی سرمہ ڈالنے والی سلائی سے ملتی ہے۔"

اور ادھر یہ ظلم کی انتہا نہیں تو اور کیا ہے۔ایک لڑکے نے آکر آپکو آپکی بیٹی کیخلاف غلط بات کہی۔آپ نے اس سے ثبوت مانگا؟ کوئی گواہی مانگی؟ اس کی تفتیش کروائی کہ کس بنا پر وہ آپکی بیٹی پر ایسا گھٹیا الزام لگا رہا ہے۔آپ تو الٹا اسکی منتیں کر رہے ہیں۔بس کسی طرح وہ اس کو بیاہ لے۔جو آج اسکی عزت نہیں کرتا۔وہ ساری عمر اسکی حفاظت کیا کرے گا۔جو آج اپنے دل میں اسکے لیے رحم نہیں رکھتا۔وہ کل اسکو پیار محبت کیا دے گا۔سر وہ انسان

اس پاک باز لڑکی کے قابل ہی نہیں ہے۔اگر آپ پھر بھی زبردستی نکاح پڑھوا دیتے ہیں۔تو آپ اپنی بیٹی کے مجرم ہونگے۔اللہ نے اسکو آپکے ذمہ لگایا ہوا ہے۔کل آپکو اللہ کے حضور پیش ہو کر جواب دینا ہوگا۔آج دنیا داروں کا اتنا ڈر ہے۔آپ انکی باتوں سے بچنے کے لیے بیٹی کو درگو کر رہے ہیں۔کل اللہ کے سامنے کس منہ سے کھڑے ہونگے۔کیا کہیں گے۔کہ کیوں آپ نے اپنی بیٹی پر الزام لگانے والے ظالم کو سزا نہ دی۔"

"آج آپ کی خاموشی زندگی بھر کے لیے آپ کی بیٹی کے کردار پر دھبہ بن کر چمکے گی۔ایسا دھبہ جو اسکی آنے والی سات نسلیں بھی نہیں دھوسکیں گی۔سر آپ کی بیٹی نہ صرف بے قصور ہے۔بلکہ بہت بڑے ظلم کا شکار ہونے جارہی ہے۔اور یہ ظلم کوئی اور نہیں کر رہا۔آپ کر رہے ہیں۔"

دلاور بھکھٹی حیرت سے اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھتا رہ گیا۔اسکی بیوی اور بیٹی بھی بت بنی کھڑی تھیں۔

بڑی دیر بعد شکستہ قدموں سے چلتا آ کر کرسی پر ڈھے گیا۔

یہ آج اس سے آدھی عمر کی لڑکی نے کیا کہہ دیا تھا۔وہ اندر تک لرز کر رہ گیا تھا۔اس نے ہر بات اتنی صاف اور کھلے الفاظ میں کہہ دی کوئی ابہام نہیں چھوڑا۔آج تو قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی سچ ثابت ہونے جارہی تھی۔

"جھوٹے لوگوں کی عزت ہوگی۔سچے لوگ ذلیل ہو رہے ہونگے۔"

انکی بیٹی سچی ہو کر بھی ذلیل ہو رہی تھی۔اور جو جھوٹا تھا۔وہ سر اٹھا کر سب میں گھوم پھر کر ہمدردیاں سمیٹ رہا تھا۔یہ وہ کیا کرنے جارہے تھے؟ وہ ابھی مردانے سے آتے ہوئے۔اپنے دامادوں کی سرگوشیاں سن کر آئے تھے۔جو لڑکیوں کے ساتھ آنے والے لڑکے پر شک کر رہے تھے۔کہ وہ یقیناً وہ نہیں ہے۔جو بن کر یہاں آیا ہے۔

ایک دم وہ بولے۔خاموشی میں انکی آواز بلند تھی۔

"ورشے اگر تم سچی ہو۔تو اس وقت میں یہ نکاح روک کر تمہارے حق میں جو بھی فیصلہ کرتا ہوں۔کیا تم اسکو قبول کرو گی؟۔"

’’جی بابا جو مرضی فیصلہ کریں۔ چاہے تو اس بچوں کے باپ سے بیاہ دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔‘‘
ورشے کا لہجہ عجیب سا تھا۔ ٹھہرا ہوا۔۔۔ پرسکون۔۔۔ بے نیاز۔۔۔
دلاور بگھٹی نکاح کی تیاری کا حکم دیکر وہاں سے نکل گیا۔
ژالے کا دل کانپ کر رہ گیا۔ کیا اس آدمی پر اللہ رسول ﷺ کے حکم کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔
وہ مزید کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ جب ورشے نے ہی اسکو منع کر دیا۔
’’اگر وہ اپنے بھتیجے کی بجائے کسی سے بھی نکاح کروا دیتے ہیں۔ میں ہاں کہہ دونگی۔ آپ نے میرے لیے وہ الفاظ بولے ہیں۔ جو میرے اپنوں کی زبان سے بھی ادا نہیں ہوئے۔ میں آپکی احسان مند ہوں۔ اب آپ میری طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ مجھے کوئی غم نہیں ہے۔ اب بابا جو فیصلہ لیں گے۔ وہ میرے حق میں برا نہیں ہوگا۔ جس طرح انہوں نے آپکی ساری بات بڑے تحمل کے ساتھ سنی ہے۔ مجھے اپنے بابا پہ پیار آ رہا ہے۔ وہ میرا برا نہیں چاہتے۔ پر ادھر کے رسم و رواج کے آگے مجبور ہیں۔‘‘
ژالے کا وہاں دم گھٹ رہا تھا۔ انسان کے بنائے رسم و رواج اللہ کے حکم سے آگے ہیں؟؟۔۔۔
ورشے کا ایک بڑا بھائی اور ایک بہن تھی۔ جو کہ ورشے سے عمر میں چھوٹی تھی۔
اسکی بھابھی خالہ زاد تھی۔ باقی اسکی کزنیں انکے میاں بچے سب ہی موجود تھے۔
دو تین گھنٹے بعد کی بات تھی۔ ورشے کی کزنوں نے اسکو سرخ جوڑا پہنا کر تیار کر دیا۔ میک اپ کے نام پر اس نے صرف لپ سٹک لگوائی۔ پھر بھی وہ بلا کی حسین لگ رہی تھی۔ ژالے کی آنکھیں بار بار نم ہو رہی تھیں۔ وہ واپس جانا چاہ رہی تھی۔ مگر ورشے نے کہا۔۔۔ سارے ڈرامے کا ڈراپ سین دیکھے بغیر کیوں جا رہی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی یہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ تب آپ بھی اپنے راہ چلی جانا۔ آپکا باڈی گارڈ ساتھ ہی ہے۔ اٹینشن بیٹھا ہوگا۔‘‘
اچانک سارے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ نکاح خواں کے ساتھ ایک تو دلاور بگھٹی تھا۔ دوسرے آدمی کو دیکھ کر ژالے کو اپنی بصارت کا دھوکا لگا۔ بھلا سردار اس وقت یہاں کیسے موجود ہو سکتا تھا۔
پر جب مولوی نے نکاح شروع کیا۔ ژالے کو اس سے بھی بڑا جھٹکا لگا تھا۔

دولہے کا نام سن کر گھونگھٹ میں منہ چھپائے بیٹھی ورشے کے ہاتھ بھی کانپے تھے۔ سردار نے اسکے سر پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔ ورشے نے سائن کر دیئے۔ منہ سے اقرار کر لیا۔

کام ختم ہو گیا۔ سارے ہی ہکا بکا رہ گئے۔ کھانا کھانے کے بعد ایک گاڑی گیٹ سے نکلی۔ کالے شیشوں والی گاڑی میں چار لوگ موجود تھے۔

تین لوگ تو وہی تھے۔ جو آتے ہوئے بھی انہی راستوں پر کسی اور گاڑی کی انہی سیٹوں پر موجود تھے۔ بس فرق یہ پڑا تھا۔ ایک تو سواری بدل چکی تھی۔ دوسرا ڈرائیور بدل چکا تھا۔

ژالے ابھی تک خوشگوار حیرت سے باہر نہیں نکل پائی تھی۔ یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ یہ سب اتنی آسانی سے کیسے ہو گیا۔ یہ تو کسی کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا۔

البتہ اسکے برابر بیٹھی ورشے شاک سے نکلنے کے بعد اب آنسو بہا رہی تھی۔

رونے کی آواز پر سردار نے گھور کر بیک ویو مرر میں سے ژالے کو دیکھا تھا۔

''مس گل اپنے برابر بیٹھی لڑکی کو چپ کروا دیں۔ ورنہ اسی وقت اٹھا کر گاڑی سے باہر پھینک دونگا۔''

اسکے اتنے سخت لب ولہجے پر ژالے کو حیرت ہوئی۔

''آپ اس طرح سے کیوں بات کر رہے ہیں؟۔''

''شکر کریں میں آپکو پھولوں کے ہار نہیں ڈال رہا ہوں۔''

ژالے کو ذرا اچھا نہ لگا۔

''آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا آپ میرے ساتھ اس طرح سے روڈ ہو کر بات کریں۔''

ادھر سے بھی جواب ترکی بہ ترکی آیا۔

''مس گل آپ کو بھی حق نہیں پہنچتا تھا۔ آپ میری سٹوڈنٹ کی زندگی سے کھیلنے کی کوشش کرتیں۔''

''ایکسکیوز می۔۔۔۔!! آپ یقیناً مذاق کر رہے ہیں۔ کیونکہ میری وجہ سے ہی ورشے اس وقت زندہ سلامت ہمارے ساتھ موجود ہے۔''

''جی بالکل اور اسکی ساری برادری جو کہہ رہی تھی۔ کاش آپ نے وہ بھی سن لیا ہوتا۔ جنکے مطابق شیر بخت ہی

وہ لڑکا ہے۔ جس کے ساتھ ورشے کا کوئی چکر ہے۔ فار گاڈ سیک مس گل آپ کا فرض بنتا تھا۔ جب آپ کے علم میں یہ بات آئی تھی۔ آپ مجھے بتاتیں۔ تاکہ میں اس معاملے کو اپنے طور پر حل کرتا۔"

"مسٹر غازان آپ کو بتانا یا نہ بتانا میری ذمہ داری ہرگز نہیں تھی۔ ورشے نے ہی آپکو بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ اور میرے خیال میں اس نے بہت اچھا کیا ہے۔ آپ معاملات کس خوش اسلوبی سے نبھاتے ہیں۔ اس کی ایک جھلک تو میں بہت قریب سے دیکھ چکی ہوں۔ اپنی جان بچانے کے لیے جو شخص کسی اور کی بلی چڑھا سکتا ہے۔ وہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔"

"مس گل میں آپکو ہرگز بھی اجازت نہیں دونگا۔ آپ میری اس طرح سے انسلٹ کریں۔"

"مسٹر غازان جو دوسروں کی عزت کرنا نہیں جانتے۔ انکو ایسا فقرہ بولنا زیب تو نہیں دیتا۔"

"میں آپ کے ساتھ مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ صرف اتنا جان لیں۔ آئندہ میرے ہاسٹل کی کسی لڑکی کے معاملے میں آپکو اپنی ٹانگ لڑانے کی اجازت نہیں ہوگی۔"

"میں تو جیسے آپ کے ساتھ گپیں لگانے کے لیے مری ہی جا رہی ہوں۔ آپ بھی یہ جان لیں۔ جب بھی کوئی لڑکی میرے پاس اگر مجھ سے مدد مانگے گی۔ میں تو اسکو اکیلا نہیں چھوڑونگی۔ اسکے بعد آپ کرلیں جو ہوتا ہے۔"

"مجھے چاہیے تھا۔ وہاں نہ جاتا تاکہ آپ تینوں کی لاشیں مجھے پارسل کردی جاتیں۔ تب آپ کے ہوش ٹھکانے آتے۔ آئیں بڑی مددگار۔۔۔۔۔۔"

ورشے اپنا رونا بھول چکی تھی۔ شیر بخت ابھی بھی لاتعلقی سے گاڑی سے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔ جیسے اندر ہونے والی گفتگو سے دور دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔

"نہ ہی آتے تو اچھا تھا۔ ویسے میں نے تو آپ کو کارڈ بھیج کر نہیں بلوایا تھا۔ پھر آپ کیسے آگئے۔"

"اس گدھے نے فون کیا تھا۔ اب ایسے معصوم بن کر بیٹھا ہوا ہے۔"

"وہ معصوم ہی ہے۔"

ورشے کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ اپنی سیٹ سے کھسک کر اگلی دو سیٹوں کے درمیان آئی۔ اور ہاتھ بڑھا

کرسٹیریو آن کرنے کے بعد آواز اونچی کردی۔

استاد امانت علی خان کی آواز کے آگے سب کی آواز دب گئی۔۔۔۔جو کہہ رہے۔کہ

چراغ طور جلاؤ' بڑا اندھیرا ہے

ذرا نقاب اٹھاؤ' بڑا اندھیرا ہے

مجھے خود اپنی نگاہوں پہ اعتبار نہیں

میرے قریب نہ آؤ' بڑا اندھیرا ہے

وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں

انہیں کہیں سے بلاؤ' بڑا اندھیرا ہے۔۔۔۔۔۔

سردار کے فون پر ہونے والی بیل نے امانت علی مرحوم کو خاموش کردیا۔

''اسلام علیکم۔۔۔؟

''جی ہاں جی نکاح ہوگیا تھا۔سب خیریت ہی رہی ہے۔ہم لوگ گھر واپس آ رہے ہیں۔ایک گھنٹے تک پہنچ جائیں گے۔۔اللہ حافظ۔۔۔''

فون رکھنے کے بعد سردار نے اپنے برابر بیٹھے شیر بخت کو ایک نظر دیکھا۔

پھر اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''دلہے میاں کیا سوچ رہے ہو؟۔۔۔ادھر تمہارے اماں کو سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔وہ اپنی بہو کا انتظار کر رہی ہے۔''

''نہ کرو سردار آج تک میری ماں نے میرا انتظار نہیں کیا۔مجھے تو یقین ہے۔دروازے میں جوتا لیے کھڑی ہوگی۔دیکھتے ہی میرا حشر کرنے والی ہے۔''

سردار کا قہقہہ ماحول کی ٹینشن کو تھوڑا اچٹا گیا۔

''نہیں اب تم بیوی والے ہوگئے ہو۔کچھ عزت تو ملنی ہی ہے۔''

''اب تو اللہ ہی خیر کریں۔۔۔''

شیر بخت کی بات پر ایک دفعہ پھر سردار نے قہقہہ مارا۔۔۔

ساتھ ہی دھیمے سے انشاءاللہ بھی بول دیا۔

ورشے کے باپ نے اپنے بھتیجے سے بیٹی کا نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا۔سارے مردانے میں اس فیصلے کے خلاف شور مچ گیا۔کیونکہ آدھی جائیداد ساتھ آنیکا لالچ اب اس لڑکے کے پیر بھی مضبوط کر گیا تھا۔سردار کے آنے پر اسکے مشورے سے دلاور بلخشی نے اپنی بیٹی کا نکاح شیر بخت سے کر دیا۔ورشے کا بھائی اور کزن وغیرہ کوئی بھی اس فیصلے سے راضی نہ تھا۔پر باپ نے اپنی خوشی سے کیا۔

سردار نے صرف اس سے یہ کہا تھا۔

''شیر بخت یہ ہی سمجھو سردار اپنی بیٹی تمہارے نکاح میں دے رہا ہے۔

جس وقت وہ لوگ گاؤں پہنچے ساڑھے بارہ کا وقت تھا۔مگر سارے انکا استقبال کرنے کے لیے شیر بخت کے گھر پر موجود تھے۔گاڑی گلی میں نہیں جاتی تھی۔

زینی کے ساتھ ہاسٹل کی لڑکیاں پھول لیے کھڑی تھیں۔جیسے ہی ورشے ژالے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔ہر طرف سے پھول برسے۔۔۔تھوڑا سا غور کرنے پر علم ہوا۔پھول گلاب کے ہی نہیں بلکہ بہت ساری اقسام کے پھول اور پتے ملا کر نئی ہی کوئی قسم ایجاد ہوئی تھی۔

ساری لڑکیاں حیران تھیں۔یہ ورشے کی اچانک شادی اور وہ بھی کس کے ساتھ؟ کہاں اتنے امیر گھر کی لڑکی اور لڑکا کونسا ہے؟ بہت سی ان کہی باتیں سب کی آنکھوں میں سوال بن کر چمک رہی تھیں۔

مگر دادی نے شیر بخت کی ماں کو اچھے سے سمجھا دیا تھا۔وہ اتنی آسانی سے سمجھنے والوں میں سے نہیں تھی۔پر اس وقت شیر بخت نے یہی شکر ادا کیا کہ وہ بغیر غصہ کیے۔۔ورشے کے استقبال کو کھڑی تھی۔

لڑکیوں نے اتنی رات ہونے کے باوجود تھوڑا گھڑا بجا کر خوشی کا اظہار کیا۔چائے پانی کا انتظام کیا گیا تھا۔

سردار اور دادی کے کہنے پر جلد ہی سب لوگ صبح آنے کا وعدہ کر کے وہاں سے نکل آئے۔سارا قافلہ ایک ٹولے کی شکل میں نکلا تھا۔

سب سے آگے زینی ژالے کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر چل رہی تھی۔دادی کو ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں

آگے بھیج دیا گیا تھا۔

لڑکیوں کے ساتھ باتوں اور لطیفوں کے باوجود ژالے کی توجہ سب سے پیچھے دوسروں سے فاصلہ رکھ کر چلتے دو افراد کی جانب چلی گئی۔ سردار کے ساتھ ایک لڑکی باتیں کرتی ہوئی چل رہی تھی۔ کبھی اسکا قہقہہ گونجتا۔۔۔ کبھی سردار کا۔

ژالے نے تیسری دفعہ گردن موڑ کر دیکھا۔ تو زینب نے تعارف کروانا مناسب سمجھا۔

''اس کے ساتھ اسکی منگیتر ہے۔ جو میری پھوپھی کی بیٹی بھی ہیں۔ اسکا نام سدرہ ہے۔ پروفیسر ہے۔ اسلام آباد میں سرکاری یونیورسٹی میں پڑھاتی ہے۔ آؤ تم سے ملواؤں۔۔''

ژالے نے اسکا بازو کھینچ کر وہی منع کر دیا۔

''ارے اس وقت ملنا ضروری نہیں ہے۔ کل شیرا اور ورشے کا ولیمہ ہے۔ تب مل لونگی۔ آج تو میں حد اے زیادہ تھکی ہوئی ہوں۔ اتنی ٹینشن رہی کل رات سے۔۔''

''ہاں ہاں اوروں کی بڑی فکر ہے۔ اپنی دوست کی خبر تک نہیں لی۔ غضب خدا کا میری کل بات پکی ہوئی۔ تمہیں کوئی خبر بھی ہے۔ مجھے مبارکباد تک نہیں دی۔ مر ہی جائے ایسی دوست۔۔۔''

ژالے نے اسکو اپنے ساتھ لگا لیا۔ ایک بازو اسکے کندھے پر ڈال کے چلنے لگی۔

''میری پیاری سی زینو تمہارے لیے تو جان بھی قربان ہے۔ بس کل یہی پوگرام تھا۔ پر صبح ادھر جانا پڑا۔ مگر میں تمہارے اور ایبک کے لیے اتنی خوش ہوں۔ بتا نہیں سکتی ہوں۔ تم دونوں کی جوڑی ایک دم شاندار ہے۔ میری دعائیں ہمیشہ تم لوگوں کے ساتھ رہیں گی۔۔''

''تھینک یو۔۔۔ تھینک یو۔۔۔ پر ایسی سوکھی پھوکی سی مبارکباد مجھے نہیں چاہیے۔ تم مجھے میری شادی کی خوشی میں اچھا سا ڈنر کرواؤ گی۔''

''صدقے جاؤں۔۔۔ شادی تمہاری ہوگی۔ اور ڈنر مجھے کروانا پڑے گا۔ پر مجھے منظور ہے۔ کرواؤ ونگی ڈنر بلکہ اپنے ہاتھوں سے بنا کر تم دونوں کو انوائیٹ کرونگی۔''

''ہاں کتنا ہی اچھا ہو جو تمہارا کالیا بھی آ جائے۔ یا تمہیں لے جائے۔۔۔''

ژالے خاموش ہوگئی۔زینب نے اسکا ہاتھ دبا کر متوجہ کیا۔

''اچھا اداس تو نہ ہو۔اللہ کریں تو شائد وہ آ ہی جائے۔''

''وہ کبھی نہیں آئے گا۔کیونکہ زینی وہ مجھے پسند نہیں کرتا ہے۔''

''کیا یہ بات اس نے خود تم سے کہی۔؟۔۔''

''نہیں پر اسکے انداز سے تو ایسا ہی لگتا ہے۔چھوڑو یہ باتیں۔مجھے حاجرہ نظر نہیں آئی وہ کہاں ہے؟۔۔''

''جس وقت سردار کا فون آیا وہ سونے کو لیٹ گئی تھی۔اس لیے نہ ہی اسے علم ہے۔نہ میری دونوں پھوپھو کو۔تم تو ان لوگوں سے ملی بھی نہیں ہو۔''

''کل انشاءاللہ ملوں گی۔۔''

''چلو ٹھیک ہے۔کل صبح میں بازار کا چکر لگا کر ورشے کے لیے کپڑے وغیرہ بھی لینے جاؤنگی۔چلنا ہوا تو صبح چھ بجے گھر آ جانا۔بلکہ ایسا کرو آج ادھر ہی سو جاؤ۔۔۔''

''نہیں زینی تمہارے مہمان آئے ہوئے ہیں۔اسطرح اچھا نہیں لگتا۔''

''کیا اچھا نہیں لگتا؟۔۔تم تو اب ہماری فیملی ہی ہو۔چلو شرافت سے میرے ساتھ اندر اچھی سی کافی بنا کر پلاتی ہوں۔ساری تھکن اتر جائے گی۔''

''کیا کافی سے روح کی تھکن بھی اتر جاتی ہے؟۔۔''

''آج تجربہ کر دیکھتے ہیں۔اگر کافی سے نہ اتری تو لڈو کی ایک گیم ٹرائی کریں گے۔شائد اس سے فرق پڑ جائے۔نہیں تو کالیا کا نمبر ہی ملا کر دیکھ لینگے۔کیا پتہ آج کال اٹھالے۔''

''ہاں آج اسکو الہام ہوگا ناں کہ زینی کال کر رہی ہے۔تو کیوں نہیں اٹھائے گا۔''

''ہاں بھئی اسکی اکلوتی سالی ہوں۔''

دونوں ہنستے ہوئے گھر کے اندر آ گئیں۔لڑکیاں وارڈن سمیت ہاسٹل کی جانب بڑھ گئیں۔جبکہ سردار اپنی منگیتر کے ساتھ کہیں لگاتا ابھی بہت پیچھے تھا۔

☆......☆......☆

کمرے میں فرنیچر کے نام پر صرف ایک پلنگ پڑا تھا۔ یا وہ سٹول جس پر اس کی ساس اسکے لیے دودھ کا گلاس رکھ کر سونے چلی گئی تھی۔ بیڈ کے اوپر گہرے رنگوں کی صاف ستھری رلی پڑی تھی۔ ایک سرہانہ دھرا ہوا تھا۔

کنکریٹ کا سادہ سا فرش' سیمنٹ ہوئی بغیر روغن کے دیواریں۔ کمرے کے وسط میں دروازے کے عین اوپر چمکتا ساٹھ واٹ کا بلب اس وقت روشن تھا۔ کمرے کے دروازے کا ایک پٹ کھلا جبکہ دوسرا بند تھا۔

باہر سے بھی اندھیرا ہی اندر جھانک رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے یہاں پر اتنا شور اور رونق تھی۔ مگر اس وقت خاموشی کا راج تھا۔

کبھی کبھار برتن رکھنے اٹھانے کی آواز آجاتی۔

پلنگ کی پائینتی پر وہ ایسے بیٹھی ہوئی تھی۔ جیسے کسی بھی وقت اٹھ کر بھاگ جائے گی۔

اس کمرے میں تو کلاک بھی نہ تھا۔ جس سے وقت ہی دیکھ پاتی۔ مگر یہ پکا تھا۔ کہ صبح کے دو تین کا وقت ہے۔ پھر بھی ایک بات حیران کر رہی تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازے کے پاس آئی۔ دروازہ بند کرنے کی نیت سے پٹ تھامہ ہی تھا۔ جب نظر سامنے کو اٹھ گئی۔

دروازے سے تھوڑے فاصلے پر اوپر جانے والی سیڑھیوں پر شیر بخت بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جو گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ قدموں کی آواز پر دھیرے سے سر اٹھایا۔ دروازے سے سر نکال کر وہ لڑکی حیرت سے اسکو دیکھ رہی تھی۔ سرخ مہنگا میکسی ٹائپ جوڑا۔۔۔ دوپٹہ اس نے گلے میں سامنے کو پھینک رکھا تھا۔ کھلے ہوئے بال کندھوں پر دونوں طرف آگے کو گرے تھے۔ سرخ لپ سٹک اس وقت نام کو رہ گئی تھی۔

وہ لب بھینچے کتنی دیر اسکی آنکھوں میں دیکھتا چلا گیا۔

ورشے نے اسکی لال سرخ ہوتی نظروں کا مقابلہ کرنا چاہا۔ بھلا وہ کیوں ہار مانتی وہ بھی شیر بخت سے۔ مگر اس پل سیر بخت کی آنکھوں میں جاگنے والی سنجیدگی نے ورشے کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑا دی۔ ڈر کر اس نے اپنی نظر پھیر لی۔ بلکہ دو چار قدم کا فاصلہ مٹا کر باہر آ کر اس کے برابر سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ شیر بخت کی نظریں اب بھی دروازے پر ہی ٹکی ہوئی تھیں۔ بڑی دیر تک دونوں کے درمیان خاموشی چھائی رہی۔

"اگر تم مجھ سے کچھ کہنا یا پوچھنا چاہتے ہو۔ کہہ سکتے ہو۔ میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کو تیار ہوں۔۔"

شیر بخت کی نظریں دروازے سے ہٹ کر سامنے فرش پر بیٹھ گئیں۔

"کیا واقعی یہ شادی ہوئی ہے۔ یا کوئی مذاق؟۔۔"

ورشے نے نظر موڑ کر اسے دیکھا۔

"میری طرف سے شادی ہی ہوئی ہے۔ اپنا حال صرف تم خود ہی بہتر بتا سکتے ہو۔"

"میری تو بات ہی نہ کرو۔۔۔۔تم میری اوقات سے باہر کی بات ہو۔"

"تھی۔۔۔۔اب نہیں ہوں۔ اب میں تمہارے علاوہ اس دنیا کے ہر مرد کی اوقات سے باہر ہوں۔"

"دل اتنی جلدی تو نہیں بدلتا۔ تمہاری باتوں سے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم اس رشتے سے خوش ہو۔"

وہ دھیمے سے مسکرائی۔۔۔۔اسی وقت شیر بخت نے اسے دیکھا تھا۔ اسکو یوں لگا جیسے اسکا دل اور گھر اس لڑکی کے چہرے کی روشنی سے بھر گیا ہو۔

"میں نے اپنے بابا سے وعدہ کیا تھا۔ وہ جو بھی میرے حق میں فیصلہ کرتے۔ مجھے قبول تھا۔ البتہ تم تو میرے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔"

"اسکو نصیب کہتے ہیں۔ یا پھر اسکو زندگی کہتے ہیں۔ جس میں اپنے آنے والے کل کی آپکو کوئی خبر نہیں ہے۔ پر ورشے تم سوچ لو۔۔۔۔میں ایک ناکام انسان ہوں۔ میرا باپ مجھے اپنی اولاد تک نہیں مانتا۔ جیب میں میرے پھوٹی کوڑی نہیں ہے۔ جتنے کا تم ایک جوڑا پہنتی ہو۔ اتنے میں میرا مہینے کا خرچ چلتا ہے۔ پہننے اوڑھنے کا مجھے کوئی ہنر نہیں ہے۔ تعلیم میری واجبی بھی نہیں ہے۔ نوکری جو میں کر رہا ہے۔ وہ تمہارے خاندان کے مقابلے میں تمہارے نوکروں سے بھی گئی گزری ہے۔ میری اماں اپنے بیٹے کو بھی مشکل سے برداشت کرتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔ وہ تمہیں بھی باتیں سنا جایا کرے۔ کیونکہ وہ عادت سے مجبور ہے۔ مجھے اسکی کوئی بات برا نہیں لگتا۔ یہ میرا حقیقت ہے۔ یہ میں ہوں۔"

"تمہارا ساری زندگی کا سوال ہے۔ میں عورت پر زبردستی اپنی مرضی ٹھونسنے کے حق میں نہیں ہے۔ خاص

طور پر اگر میاں بیوی میں سے ایک بھی اپنی زندگی سے ناخوش ہوتا ہے۔ تو اسکا خمیازہ انکی نسلوں کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اسکی سب سے بڑی مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔ میں کبھی بھی اس دنیا میں ایک اور شیر بخت لانے کا باعث بننا نہیں چاہتا ہے۔۔۔۔۔"

ورشے نے اس کے منہ پر اپنا کانپتا ہوا ہاتھ رکھ کر اسکو چپ ہونے پر مجبور کر دیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو غور سے دیکھا۔ شائد پہلی دفعہ دیکھا۔ ہاں یقیناً پہلی دفعہ دیکھا تھا۔

وہ جسکو آج تک ایک بدھو سمجھتی آئی تھی۔ پاگل سا لڑکا گندا میلا سا یہاں وہاں آتا جاتا رستے میں دکھائی دیتا تھا۔ وہ تو اندر سے کس قدر گہرا نکلا۔۔۔۔۔۔۔۔ واقعی زندگی بڑی عجیب ہے۔

"جو آدمی مجھے قبول نہیں تھا۔ میں نے اپنے بابا کے سامنے اس سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر مجھے تم سے شادی پر بھی انکار ہوتا۔ تو میں نکاح کے لیے ہاں نہ کرتی۔ تم سرغازان کی پسند ہو۔ انہوں نے تمہیں میرے لیے چنا ہے۔ میرے بابا نے اپنی مرضی سے مجھے تمہارے ساتھ بھیجا ہے۔ میرے بابا اور سرغازان میرا برا چاہ ہی نہیں سکتے۔ اب اگر تم مزید یہاں بیٹھ کر خود کو بیچارہ اور پتا نہیں کیا کچھ ثابت کرنا چاہتے ہو۔ تو اپنا کام جاری رکھو۔ مجھے تو نیند آرہی ہے۔ پچھلے دو دن ٹینشن میں ایک پل آنکھ لگی بھی تو ڈراؤنے خواب ہی آتے رہے۔ اسلیے میری جانب سے شب خیر۔۔۔"

شیر بخت نے حیرت سے ورشے کو جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر تیزی سے اٹھ کر اسکے پیچھے آیا۔

"تم تو بڑا بے مروت بیوی ہے۔ ایک دفعہ جھوٹے منہ نہیں کہا کہ ٹھنڈ میں کیوں بیٹھے ہو اندر چلو۔"

ورشے کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

☆......☆......☆

ژالے زینب کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تو اندرونی بیٹھک سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ لوگ بھی سیدھی ادھر کو ہی آگئی۔۔۔۔

دروازے کے بالکل سامنے حاجرہ کو بیٹھا دیکھ کر ژالے نے چھوٹتے ہی کہا۔۔۔

"زینی تو کہہ رہی تھی۔ تم سو رہی ہو۔"

"ہاں اسکو۔ جب کہیں گھومنے کے لیے نکلنا ہوتا ہے۔ یہ مجھے سلا کر ہی جاتی ہے۔"
"بکومت خود ہی تو فرمایا تھا۔ میں بڑی تھکی ہوئی ہوں۔ آرام کرونگی۔"
"آرام کرنے کو کہا تھا۔ اب میں نے یہ تو نہیں کہا کہ اچانک سے کوئی دلہن آجائے تو میں دیکھنے بھی نہیں جا سکتی۔ دلہن ہو بھی میری جگری یار ورشے۔۔۔"
وہ لوگ تو اپنی باتوں میں مصروف ہو گئیں تھیں۔ جب کمرے میں اٹھنے والی چوتھی آواز نے متوجہ کیا۔
"اچھا اب صبح خیر کا دن چڑھے تو دیکھ آنا دلہن کو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔ پر ابھی بتاؤ یہ لڑکی کون ہے؟۔۔"
ژالے جو حاجرہ کے بستر میں گھس رہی تھی۔ مڑی۔۔۔۔ تیسری چارپائی پر موجود ایک خاتون اسکو نرم نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ گرم سوٹ کے اوپر پوری گرم شال اوڑھے نیم دراز تھیں۔
"اوہ پھوپھو آپ بھی جاگ رہی ہیں۔ آپ کو بتایا تو تھا۔ ہماری نئی ڈاکٹر کا یہ وہی ہے ژالے۔۔۔
اور ژالے یہ میری چھوٹی پھوپھو ہیں۔"
ژالے نے تھوڑا سا سر خم کر کے انکو سلام کیا۔
"وعلیکم اسلام ادھر آؤ بچے۔۔۔ باہر ٹھنڈ سے آرہی ہو۔ ادھر آجاؤ میرے بستر میں گرم بھی ہے۔"
ان کی اتنی پر خلوص دعوت پر وہ نہ نہیں کر پائی۔۔۔
پر پھر بھی پوچھ لیا۔
"آپ میری وجہ سے بے آرام ہونگی۔ میں ادھر زینی یا حاجرہ کے ساتھ جگہ ڈھونڈ لیتی ہوں۔"
"ارے نہیں بچے بے آرامی کسی میں تو سارا دن تمہارا انتظار کرتی رہی۔ زینی نے بتایا کہیں گئی ہوئی ہو۔ اب تم سے ملاقات ہو گئی ہے۔ ورنہ کل میں نے خود تمہاری طرف جانا تھا۔ مجھے تو مانوں اتنی خوشی ہوئی جب علم ہوا ادھر گاؤں والوں کو اپنی ڈاکٹر مل گئی ہے۔ کہاں یہ لوگ اتنی اتنی دور عورتوں کو لیکر جایا کرتے تھے۔ خاص کر زچہ بچہ کا تو بڑا فائدہ ہوا۔ تم اب ادھر سے نوکری چھوڑنا مت۔۔۔"
ژالے مسکراتی ہوئی آکر انکے ساتھ لیٹ گئی۔ وہ جھجک رہی تھی۔ پر انہوں نے اس پر اچھے سے کور دیا۔

''ڈاکٹر بننے کا خود کو شوق تھا؟۔۔''

''نہیں جب میں چھوٹی تھی۔تو میری امی مجھے ڈاکٹر بولا کرتی تھیں۔کیونکہ میں انکو ٹیکا لگایا کرتی نقلی والا۔۔۔''

پھوپھو دھیرے سے ہنسیں۔۔۔۔

''اب تو امی بڑی خوش ہوتی ہونگی۔بیٹی اصل میں ڈاکٹر بن گئی ہے۔''

ژالے کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

''پھوپھو میرے امی ابو کی وفات میرے بچپن میں ہی ہو گئی تھی۔''

ژالے کو انکے چہرے پر اپنے جذبات ہی لکھے ملے۔

''ہائے یہ ظالم موت۔۔۔کیسے کیسے چہرے کھا گئی۔''

ژالے کو انکی آنکھوں میں نمی تیرتی محسوس ہوئی۔اس نے موضوع بدل دیا۔

''آپ کا تعلق کہاں سے ہے؟۔۔''

''میں ڈسکہ ہوتی ہوں۔سیالکوٹ کے پاس۔۔۔''

''ہاں میں جانتی ہوں۔ایک دفعہ ہمارے سکول کا ٹرپ گیا تھا۔ڈسکہ اور سیالکوٹ کے درمیان میں فٹ بال بنانے والی ایک فیکٹری میں۔''

''ہاں اس طرف ایسی بہت ساری فیکٹریاں ہیں۔تمہارا شوہر کیا کرتا ہے؟۔''

ژالے کی زبان لڑکھڑا گئی۔زینب فوراً مدد کو آئی۔

''پھوپھو بتایا تو تھا۔انکے میاں باہر ہوتے ہیں۔۔''

''ہا۔۔۔کیسا مرد ہے۔اتنی پیاری ڈاکٹر بیوی کو چھوڑ کر باہر بیٹھا ہوا ہے۔کاش یہ مجھے پہلے مل جاتی۔اور کاش میرا اگر کوئی بیٹا ہوتا تب میں تمہیں اسکے لیے تمہارے وارثوں سے مانگ لیتی۔۔''

''کس کا بیٹا نہیں ہے؟۔۔''

اندر داخل ہوتے سردار نے براہ راست اپنی پھوپھی سے سوال کیا۔

''میرا۔''

''تو میں کس کا بیٹا ہوں؟۔۔''

''تم میرے ہی بیٹے ہو۔''

''تو پھر ایسا کیوں کہا کہ کاش میرا کوئی بیٹا ہوتا۔''

''توبہ ہے تم تو نا بس زبان ہی پکڑ لیتے ہو۔ میں تو بس ژالے کو کہہ رہی تھی۔ کاش میرا کوئی بیٹا ہوتا تو میں اسکے لیے اسکو مانگ لیتی۔۔''

''پھوپھی یہ خاتون شادی شدہ ہیں۔''

''ہاں مجھے علم ہے۔ تم ابھی تک گھوم کیوں رہے ہو۔ کیا سونا نہیں ہے۔''

حاجرہ اور زینی جانتی تھیں۔ کسی نہ کسی کام سے اٹھانے کے لیے ہی آیا ہے۔ دونوں نے بستر میں منہ دیکر آنکھیں موند لیں۔ جبکہ ژالے اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''اب سونے کا وقت نہیں ہے۔ سدرہ نے واپس جانا ہے۔ صبح چھ بجے اسکی اسلام آباد کی فلائیٹ ہے۔ ابھی اسکو لیکر ائیر پورٹ کے لیے نکلنا ہے۔''

''اتنی رات کو جاؤ گے۔ اپنا بھی کبھی خیال کر لیا کرو۔ ادھر سے آتے ہو۔ ادھر نکل جاتے ہو۔ سدرہ دس گیارہ بجے کی کوئی فلائیٹ ڈھونڈ لیتی۔ اب رات کے تین بجے جانا مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ اس کو بولو یہ فلائیٹ کینسل کروا کر دن کے وقت کی کروالے۔''

''وہ دیوار کہ جانب لگے صوفے پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گیا۔ گرم چادر اچھی طرح لپیٹی ہوئی تھی۔

''آپ کا ناں اتنا چڑی جتنا دل ہے۔ میں اکیلا تھوڑی ہونگا۔ سدرہ میرے ساتھ ہوگی۔''

''واہ سدرہ کا نام تو ایسے لے رہے ہو۔ جیسے وہ کمانڈو بچی جیمز بانڈ کی جانشین ہے۔ مکڑی دیکھ کر تو اسکی چیخیں نکل جاتی ہیں۔''

یہ جواب زینی کی طرف سے آیا تھا۔

''لڑکیوں کو ایسا ہی نازک ہونا چاہیے۔ یہ نہیں تم اور تمہاری دوست کی طرح ہو۔ ایک مکے مار مار کر اگلے کو

ہلاک کرنے والی۔ دوسری طعنے مار مار کر زخمی کرنے والی۔"

"کس دوست کی بات کر رہے ہو؟۔۔"

زینب کے سوال پر سردار کے چہرے پر بڑی شرارتی مسکراہٹ ابھری تھی۔

"وہی جو میری بہن نہیں ہے۔"

کمرے میں حاجرہ اور زینب کے قہقہے گونجے۔۔۔

تبھی سدرہ ایک ٹرے میں چار پانچ کپ لیکر اندر آئی۔ ساتھ میں ایک پلیٹ میں چاکلیٹ کیک رکھا تھا۔

"بڑے قہقہے مارے جا رہے ہیں۔"

سدرہ کے کہنے پر حاجرہ بولی

"سدرہ آپی میرے بھائی پر نظر رکھا کریں۔ آج کل انکو بڑے مذاق سوجھتے ہیں۔"

"اس آدمی کی بات کر رہی ہو۔ یہ دنیا کا بدذوق انسان ہے۔ یہ بتاؤ کون کون کافی کے موڈ میں ہے۔"

حاجرہ نے کافی پکڑ لی جبکہ زینی نے نعرہ لگایا۔

"مجھے اور پھوپھو کو بس کیک دے دیں۔ کیونکہ ہمیں کافی پینے کے بعد نیند نہیں آنی۔ البتہ ژالے کو میں کافی پلانے کے وعدے پر لیکر آئی تھی۔ اسکو دو کپ دیں۔"

"ہاں تاکہ یہ خود تو خواب خرگوش کے مزے لوٹے اور میں جاگ کر ہیر گاتی رہوں۔"

"ڈاکٹر ژالے آخر آپ سے ملاقات ہو ہی گئی۔"

سدرہ نے ٹرے میز پر رکھنے کے بعد ژالے کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

ژالے نے خوش دلی سے ہاتھ تھام لیا۔

"سدرہ آپ سے مل کر خوشی ہوئے ہے۔ آپ کے بارے میں زینی نے بتایا تھا۔"

"اچھا پھر تو یقیناً کچھ الٹا ہی بتایا ہوگا۔"

سدرہ نے اسکا کپ بڑھایا جسے ژالے تھامتے ہوئے بولی۔

"نہیں برا تو کچھ نہیں کہا صرف یہی بتایا کہ آپ کی شادی سردار سے ہونی ہے۔ میرا مطلب ہے۔ آپکی منگنی

کے بارے میں بتایا تھا۔"

ژالے سدرہ کے ردِعمل پر پریشان سی ہو گئی۔ جس نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر شکایتی انداز میں اپنی خالہ کو مخاطب کیا۔

"سن رہی ہیں۔۔۔ اس زینی کی بچی نے کسی دن میرے ہاتھوں ضائع ہو جانا ہے۔ امی کے کان میں بات جانے کی دیر ہے۔ وہ شروع ہو جائنگی شادی شادی کرلو کی گردان کو۔"

"ہاں تو تم لوگوں نے بھی تو حد ہی کی ہوئی ہے۔ شادی کی یہی ایک عمر ہے۔ پھر کیا بڈھے ہو کر کرنی ہے۔ اور شادی سے یاد آیا۔۔۔"

اب انکا مخاطب سردار تھا۔

"تم جانتے ہو ناں اتنی دور کا سفر کر کے میں روز روز تو یہاں آ نہیں سکتی ہوں۔ ادھر تمہارے انکل کا گزارا نہیں ہوتا ابھی چھ ماہ بعد آئی ہوں۔ دو دن نہیں ہوئے۔ اور پیچھے سے فون پر فون آ رہے ہیں۔ تو میں نے یہ کہنا تھا۔ اب بہانے سے سب جمع ہیں۔ زینی کا بھی کر کے کام ختم کرو۔ رشتہ کر دیا ہے۔ خیر سے شادی بھی تو ایک دن کرنی ہی ہے۔ تو میری خوشی پر اب ہی کر دو۔ بچے اپنی زندگی اکٹھے خوش گزاریں۔ ایک بیچارہ بھی اکیلا ہوتا ہے۔ اسکے گھر بھی کوئی کھانا بنانے والی ہو۔"

سردار کی بجائے جواب زینی کی جانب سے آیا۔

"میری بھولی پھوپھی وہ کوئی بیچارہ وغیرہ نہیں ہے۔ خود کھانا بنانا جانتا ہے۔ میں اسکی باورچی ہرگز نہیں ہوں۔"

"باورچی نہیں بیوی تو بننے جا رہی ہو ناں۔۔۔ اور بیوی باورچن' دھوبن' استانی' نرس سب کچھ ہوتی ہے۔"

"آپ مجھے ڈرا رہی ہیں۔ ایسا نہ ہو میں انکار ہی کر دوں۔"

اب کی دفعہ سردار بولا تھا۔

"پھوپھو اگر آپ کی یہی خوشی ہے۔ تو میں کل ورشے لوگوں کے ولیمے پر ہی اسکا نکاح رکھ دیتا ہوں۔ اسکی سسرال تو ایک فون کال کی منتظر بیٹھی ہے۔ دن چڑھنے سے پہلے وہ لوگ ادھر ہونگے۔"

"میں تو کہوں گی۔ یہ بہت اچھا کام ہوگا۔باقی تم آپا اور دادی سے پوچھ لینا انکی کیا رائے ہے۔۔"

"جیسے کہ میری شادی کی بات ہو رہی ہے۔اسلیے میں یہ کہنا چاہتی ہوں۔میری سسرال کو دن چڑھنے سے پہلے یہاں آنے کا نوٹس دیکر انکے طوطے نہ اڑائے جائیں۔کسی نے نہانا دھونا ہوتا ہے۔کپڑے وغیرہ استری کرنے والے ہوتے ہیں۔اسلیے کہا جائے کہ دن کے گیارہ بارہ بجے تک آرام سکون سے آجائیں۔"

سب کی ہنسی بڑی بے ساختہ تھی۔ژالے کو اچھو لگتے لگتے بچا۔۔۔

"چلو سدرہ جی آپ کی فلائیٹ کینسل۔۔۔البتہ تم لوگ ارجنٹ شاپنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔نعمان کو فون کردیتا ہوں۔وہ تم لوگوں کو جہاں سے چاہو گی شاپنگ کروادے گا۔ادھر سے دن کے وقت ڈرائیور لے جائے گا۔"

"اور پھوپھو پھر پرسوں کا دن پکا ہے۔میں تو اب آرام کرتا ہوں۔صبح انتظامات وغیرہ دیکھ لونگا۔اماں اور نوشی پھوپھو کو بھی بتا دیجیے گا۔"

اتنی نجی گفتگو ژالے بس خوشی سے اپنا کافی کا کپ ختم کرنے میں مصروف رہی۔

سردار کمرے سے چلا گیا۔سدرہ چونکے زینی کے کمرے میں رکی ہوئی تھی۔وہ بھی سونے کے لیے چلی گئی۔

اب پھر وہ چاروں رہ گئیں۔

"پھوپھو ویسے اتنی ایمرجنسی نافذ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔شادی اگلے سال تک کردیتے۔"

زینی کے کہنے پر پھوپھو نے اسکی پیشانی چوم لی۔

"تمہاری شادی جب تک نہ کرلی۔وہ خواپنے لیے کبھی سنجیدہ نہیں ہوگا۔اور بیٹے جانا تو ایک دن اپنے ہی گھر ہے۔ایک سال پہلے کیا تو بعد میں کیا۔اچھا ہے جا کر سیٹ ہو جاؤ۔میاں تمہیں اتنا سلجھا ہوا مل رہا ہے۔"

"پھوپھو وہ بیچارہ تو اس سے ڈرتا ہے"

حاجرہ کی بات پر وہ ہنسنے لگیں۔۔۔

"شادی سے پہلے ہی مرد ایسے ڈرامے دکھاتا ہے۔جب لڑکی بیوی بن جاتی ہے۔تو وہ شوہر بن کر آنکھیں دکھاتا ہے۔"

"ایک نے اگر ایسے رنگ بدلا تو میں اس چائینہ میڈ کی پسلیاں توڑ دوں گی۔۔"

زبردست قہقہہ پڑا۔ اپنا کپ میز پر رکھتے ہوئے ژالے نے پوچھا۔

"پھوپھو کیا آپ کے بچوں کی شادیاں ہو گئیں ہیں۔"

"بیٹا میرے بچے یہ ہی ہیں۔ غازان اور زینی۔۔۔ اصل میں، میں پانچ ماہ کی پریگنٹ تھی۔ جب ہماری فیملی میں وفات ہوئی تھی۔ جوان موت تھی۔ صدمہ اور شاک اس قدر لگا۔ میرا حمل ضائع ہو گیا تھا۔ اسکے بعد دوبارہ اللہ نے کرم نہیں کیا۔"

"اوہ۔۔۔ پھوپھو یقین مانیے مجھے آپکے دکھ کا اندازہ بھی ہوتا۔ تو یہ سوال کرتی ہی نہیں۔"

"ارے بچے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم۔ تو خود دکھی ہو۔"

"خواتین براہ مہربانی یہاں برسات سے گریز کیا جائے۔ پھوپھو کو تو بس بہانہ چاہیے۔ اور ژالے سدھر جاؤ یہ نہ ہو مجھے تمہیں جہیز میں ساتھ لیکر جانا پڑے۔"

"ایک تو جہیز کی لسٹ میں چیزوں کی بجائے انسانوں کے نام ہی آ رہے ہیں۔ اللہ میرے بھائی ایک پر رحم کریں۔۔"

حاجرہ کے کہنے پر سب سے اونچا آمین زینب کی جانب سے ہی آیا تھا۔

جواب لائٹ بند کر کے لیٹ گئی تھی۔

☆......☆......☆

دو دن بعد غازان نے ایک اور زینی کی شادی اور ورشے، شیر بخت کا ولیمہ بڑی دھوم دھام سے کیا تھا۔

سب سے مزے کی بات تب ہوئی جب ورشے کے میکے سے دو تین ٹرک سامان کے لدے آئے۔ ساتھ میں نئے ماڈل کی ہونڈا کار۔۔۔۔۔۔۔ پورے علاقے میں یہ بات گھوم گئی۔

ورشے کی چھوٹی بہن اور ماں باپ بھی ساتھ آئے تھے۔ اتنی جلدی میں آنے کے باوجود وہ شیر بخت اور اسکی ماں کے لیئے کئی جوڑے لیکر آئے تھے۔

سب مہمانوں کے درمیان ورشے کے بابا نے ژالے کو اپنے پاس کھڑا کیا اور سب کو بتایا۔

''یہ میری بیٹی اگر بروقت مجھے نہ جھنجھوڑتی تو میری ورشے مجھ سے ساری عمر کے لیے چھوٹ جاتی۔''

ژالے نے جتاتی ہوئی نظروں سے غازان کو دیکھا۔جواب میں وہ دھیرے سے مسکرادیا۔

وہ خاص طور پر ژالے کے لیے گفٹ لائے۔جنہیں لینے سے اس نے انکار کرنا چاہا تو انہوں نے پیار سے ٹوک دیا۔۔۔

''بچے تم تو آج سے میری ورشے کی طرح ہی میری بیٹی ہو۔جب بھی کسی چیز کی ضرورت ہو۔کوئی کام ہو اپنے اس باپ کو آواز دینا۔میں جس قابل بھی ہوا۔اپنا حصہ ضرور ڈالونگا۔اور دوسری جانب تم شیر بخت کی بہن بھی ہو۔اب تو زندگی کا ساتھ ہے۔''

ورشے کے چہرے پر سچی خوشی کا نور اترا ہوا تھا۔شیر بخت چوری چوری اسکو دیکھ لیتا۔پھر دل ہی دل میں مسکراتا رہتا۔

زینی کے بھائی نے کوئی کسر چھوڑی ہی نہیں تھی ہر چیز ہر بات کا خاص خیال رکھا۔رخصتی کے وقت زینی نے ثابت کردیا کہ آخر وہ ایک لڑکی ہی تھی۔خود بھی روتی رہی۔اپنے ساتھ سب کو رلایا بھی خوب۔۔

شادی والے دن ہی دونوں شام کی فلائیٹ سے چین چلے گئے تھے۔جہاں اگلا ایک ہفتہ انہوں نے ایک کی ماں کے ساتھ گزارنا تھا۔جس نے خاص بلاوا دیکر دونوں کو اپنے پاس بلایا تھا۔

ورشے اور شیر بخت کی زندگی جیسی تھی۔وہیں سے دوبارہ سٹارٹ ہوگئی۔

وہ صبح ورشے کو ساتھ لیکر گھر سے نکلتا۔اسکو اسکے کالج چھوڑتا۔خود ژالے کے ساتھ کلینک جاتا واپسی پر ژالے کو ہاسٹل چھوڑ کر ورشے کے ساتھ گھر آجاتا۔

پری زاد کو بیٹے کی شادی کے اتنے فائدے ملے تھے۔کہ ان کے بدلے میں وہ ان دونوں کو دو وقت کھانا بنا دیتی تھی باقی کے سارے کام دونوں نے آپس میں بانٹ لیے تھے۔صبح کا ناشتہ ورشے بناتی۔برتن شیر بخت دھوتا۔کپڑے بھی اپنے وہ خود ہی استری کرلیتا۔

سسرال کی جانب سے اتنا کچھ ملنے کے بعد بھی۔شیر بخت کی طبیعت میں رتی بھر فرق نہ آیا۔جیسا سادہ مزاج وہ تھا۔دو ہفتے گزر جانے کے بعد بھی ویسا ہی تھا۔اسکی اس بات نے ورشے کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا۔جب وہ

بڑے مزے سے چہرے پر الجھن اور تھکاوٹ لیے ریاضی کی کتاب لیکر ورشے کے پاس بیٹھ کر کہتا۔
"تم سمجھا دو ناں میرے تو کچھ پلے نہیں پڑ رہا۔"
ورشے کو اسکی شکل دیکھ کر ہی گدگدی ہونے لگتی۔
مسلسل ہو نیہو نے والی بارشوں کا نتیجہ سامنے بہت بڑے سیلاب کی شکل میں آیا تھا۔کئی گاؤں ڈوب گئے تھے۔مگر یہ علاقہ چونکے اونچائی پر ہونے کی وجہ سے بچا ہوا تھا۔اب یہاں سے متاثرہ لوگوں کے لیے مدد بھیجی جا رہی تھی۔کچھ لوگ اپنے طور پر کر رہے تھے۔کچھ فوج کے ذریعے اپنا سامان وغیرہ بھیج رہے تھے۔
ژالے مالی امداد تو اتنی نہ کر پائی پر آرمی کا نوائے کے ساتھ خود ہی آ گئی۔ان کی ڈاکٹروں کی ٹیم کے ساتھ کام کرتے اسکو پورا ہفتہ گزر گیا تھا۔یہاں فون وغیرہ کی سہولت کوئی نہیں تھی۔جو ایک موبائل اسکے پاس موجود تھا۔اسکی ویسے ہی بیٹری ختم تھی۔اسلیے آج کل اس کا کسی کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں تھا۔سارا دن متاثرین کے مختلف کیمپوں میں ڈیوٹی دیتے گزرتا۔بڑے تو جیسے تیسے گزارا کر ہی رہے تھے۔مگر زیادہ برا حال بچوں کا تھا۔ایک تو بیماریاں اوپر سے خوراک کی کمی ماحول کی حبس سب پہلول کر مشکلات پیدا کر رہے تھے۔پاک فوج ہمیشہ کی طرح اپنی خدمات احسن طریقے سے پیش کر رہی تھی۔کئی ایسے علاقے جہاں سڑکیں بہہ جانے کی وجہ زمینی رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔وہاں ہیلی کاپٹرز کے ذریعے خوراک پھینکی جا رہی تھی۔لینڈنگ کی جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ژالے اور دو اور ڈاکٹر آج ہی ادھر ہیلی کاپٹر کے ذریعے اتارے گئے تھے۔صبح سات بجے وہ لوگ آئے تھے۔اب شام کے پانچ ہو رہے تھے۔تمام ایمرجنسی مدد دینے کے بعد ان تینوں کو اب تھوڑا فری وقت ملا تھا۔گاؤں والوں نے انکے لیے دال چاول تیار کیے تھے۔ہاتھ دھو کر وہ لوگ کھانے کو بیٹھے۔۔۔ژالے کے ساتھ ایک آدمی جبکہ ایک خاتون ڈاکٹر ہی تھیں۔تینوں نے اپنے بھاری بیگ خود اٹھائے تھے۔جس میں پانی، پروٹین بار، ایمرجنسی کے لیے کپڑوں کا ایک ایک جوڑا اور ڈھیر ساری دوائیں۔
زیادہ لوگوں کو ڈائیریا کا مسئلہ ہو رہا تھا۔کئی ایک کو چوٹیں آئیں تھیں۔انکی ڈریسنگ کرتے۔ٹیٹنس کے ٹیکے لگاتے۔اسی طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیے جاتے۔
ژالے نے پچھلے دو دن سے جینز اور کرتا پہن رکھا تھا۔سر پر سکارف کے اوپر کیپ ڈال رکھی تھی۔جینز کا

فائدہ یہ تھا۔ یہاں اتنا وقت اور انتظام نہیں تھا جہاں آپ صبح شام نہا دھو کر لباس تبدیل کرتے پھریں۔ اس صورت میں جینز اتنی جلدی گندی نظر نہیں آتی تھی۔

اس نے پیٹ بھر کر دال چاول کھائے۔ چائے کا کپ دیا گیا۔ جسے پکڑ کر وہ ایک منڈھیر پر آ بیٹھی۔ جہاں سے ارد گرد کا سارا علاقہ پانی میں ڈوبا نظر آ رہا تھا۔ کئی گھروں میں پانی آ جانے کی وجہ سے گاؤں والوں نے سرکاری سکول کی عمارت میں پناہ لی ہوئی تھی۔ وہیں اکٹھا کھانا پکتا سب کھا لیتے۔ ڈاکٹروں کی ٹیم بھی وہیں رکی ہوئی تھی۔

یہاں یوں اکیلے بیٹھ کر ژالے پر ایک دم اپنے اندر ڈھیری اداسی اترتی محسوس ہوئی۔ کچھ اثر شائد ڈوبتے سورج کے منظر کا تھا۔ مگر اپنی ساری زندگی ایک مذاق ہی معلوم ہو رہی تھی۔ کہاں سے چل کر کہاں پہنچی تھی۔ اب نہ جانے اور کہاں جانا تھا۔ کالیا کی جانب سے مسلسل خاموشی نے اسکو اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔

کیونکہ وہ لاشعوری طور پر ہر وقت اسکی منتظر رہتی۔ آتے جاتے راستوں میں کھوج سے ارد گرد دیکھتی۔ شائد وہ کہیں بیٹھ کر اسکو دیکھ رہا ہو۔ آج کل یہ سوچ بھی دماغ میں گھر بنا رہی تھی۔ کیا اسکو کالیا سے طلاق لیکر آگے بڑھ جانا چاہیے؟ کبھی یہ احساس شدت سے ہوتا کہ خود کو شادی شدہ بتا کر بڑی غلطی کی ہے۔ کیونکہ اب اگر طلاق بھی لی وہ بھی ایک بڑی خبر بن کر پھیلے گی۔ جتنے منہ ہونگے اتنی باتیں نکلیں گی۔

اپنا نام پکارے جانے پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ سامنے ایک انجان شکل وصورت کا نوجوان کھڑا تھا۔

"کیا آپ ہی ڈاکٹر ژالے ہیں؟۔"

وہ حیرت کے زیر اثر اپنی جگہ سے اٹھی۔

"جی میں ہی ہوں۔ کیا کوئی ایمرجنسی ہے۔؟"

پہلا خیال یہی آیا دوسرے ڈاکٹروں نے بلایا ہوگا۔ پر وہ دونوں ابھی تک کھانے پینے میں مصروف نظر آئے۔

"میم میرا نام کاشف ہے۔ میں کالیا کا بندہ ہوں۔ مجھے خوشی محمد صاحب نے یہاں آپکو لینے کے لیے بھیجا ہے۔"

وہ آنکھیں پھاڑ کر اسکو ایسے دیکھے گئی۔ جیسے اس نے کسی فارن زبان میں کچھ کہا ہو۔ جو اسکی سمجھ سے باہر ہے۔ کاشف کو دوبارہ بولنا پڑا۔

"میم پلیز ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ سورج ڈوبنے سے پہلے ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔۔"

بڑی مشکل سے سانس کھینچی اور خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"کیا کالیا کو کچھ ہوا ہے؟۔۔"

"میم میں معذرت کے ساتھ کہتا ہوں۔ ابھی میں آپکو کچھ نہیں بتا سکتا۔ آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"تم نے مجھے کیسے ڈھونڈا ہے؟ تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں؟۔۔"

"آپ کے پاس ایک فون ہے۔ اسی سے آپکی موجودہ لوکیشن ٹریس کی گئی ہے۔"

"میرا فون تو بند ہے۔ اور بند فون کا جی پی ایس ٹریس نہیں ہوتا۔"

"جی بالکل درست کہہ رہی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم نے آپکے فون کے جی پی ایس سے نہیں بلکہ آپکے فون سے اٹیچڈ جی پی ایس ڈیوائس سے آپکو پکڑا ہے۔ اب کیا ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں؟ باقی آپکے جو بھی سوال ہونگے میں راستے میں انکا جواب دے دونگا۔"

"مجھے اپنے کولیگز کو بتانا پڑے گا۔"

"وہ میں بتا چکا ہوں۔"

اب ژالے کے پاس بظاہر کوئی جواز نہ بچا تھا۔ اسلیے اسکے ساتھ چل پڑی۔۔۔۔ سکول کی عمارت سے نکلتے ہی تھوڑی دور کھیتوں میں ایک آدمی ربڑ بوٹ لیے موجود تھا۔

وہ لوگ اس پر سوار ہوئے۔ تو وہ ہوا سے باتیں کرتی ایک جانب کو چل پڑی۔۔۔۔ دور سے ژالے کو ایسا ہی لگا جیسے پانی کے اوپر چھوٹا سا جہاز کھڑا ہو۔ مگر جوں جوں وہ لوگ قریب آئے تو کھلا وہ جہاز پانی کیا و پر نہیں بلکہ پانی کے اندر سے ایک کلومیٹر لمبا سڑک کا ٹکڑا سر اٹھائے باہر نکلا ہوا تھا۔ اور وہ جہاز اسی سڑک پر اتارا گیا ہوا تھا۔

بوٹ سے اتر کر وہ کاشف کی ہمراہی میں اسی جہاز میں سوار ہوئی۔ جس میں پائیلٹ کے بعد صرف چار لوگوں کی جگہ نکلتی تھی۔

ڈالے کے ہاتھ پیر بے جان ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔آنے والے لمحات کی دہشت سے اسکی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔

''کیا جو ایک نام کا حوالہ تھا وہ بھی ختم ہوا''

''وہ لوگوں کو مارتا ہے۔یہ اسکا کام ہے۔تو کیا ایک گولی اسکے نام کی بھی تھی۔کیا وہ اپنے انجام کو پا گیا؟۔۔

''' مجھے کس لیے بلایا گیا ہے۔تا کہ آ کر اسکی جھنڈے میں لپٹی لاش لے سکوں یا پھر بے نام انسان کی لاش ہوگی۔ جس کو خاموشی سے بغیر توپوں کی سلامی دیئے دفنایا جائے گا۔؟

''کالیا میں تو یہ بھی نہیں جانتی ہوں۔تم کوئی غنڈے موالی ہو یار کھوالے۔۔۔

''کیا میں ایک ایسے شخص کی بیوہ بننے جا رہی ہوں۔جس کی میں بیوی نہیں بن سکی۔۔۔''

کاشف کی آواز نے اسکو سوچ کے جبل سے باہر نکالا۔۔۔

''دو دن پہلے یہ لوگ ایک مشن پر گئے تھے۔ایک بڑے نامور بزنس مین کے جوان بیٹے کی موت جعلی ٹیکا لگنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔اس نے انکوائری کے لیے کہا۔بلال نے ساری تفتیش کی تھی۔کالیا اور سر کا کام ان فیکٹریوں سے تیار ہو کر نکلنے والے نئے مال کو تباہ کرنے تھا۔تا کہ دس ٹن دوائیاں جو سارے ملک میں پھیل کر نہ جانے کتنے لوگوں کی جان لینے والی تھیں۔انکو روکا جاتا۔

انکو آگے سے شدید مزاحمت کا سامنا ہوا ہے۔یہ دو لوگ تھے۔اور دوسری طرف پچاس آدمی۔۔۔۔''

ڈالے نے ہاتھ اٹھا کر اسکو روک دیا۔

گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے کو تیار آنسوؤں کو روکنا چاہا پھر بولی۔۔۔

''مجھے صرف اتنا بتا دو۔کیا کالیا ایک برا آدمی ہے۔؟۔۔''

کاشف زخمی سی مسکراہٹ دیکھا کر بولا۔

''میم اگر کالیا برا انسان ہے۔تو اللہ میرے ملک کے ہر جوان کو اس جیسا برا آدمی بنا دے۔''

ڈالے نے نظریں جھکا کر آنسو چھپانے چاہے۔۔۔اور بولی۔

''میں جانتی ہوں۔وہ بندے مارتا ہے۔کیا وہ بے قصور لوگوں کی جان لیتا ہے؟۔۔''

"میم زندگی اور موت کسی انسان کے نہیں اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ہاں کالیا کی یہ بات ہے۔بے قصوروں کو وہ چھیڑتا نہیں اور قصورواروں کو چھوڑتا نہیں ہے۔"

ژالے کتنی دیر خاموش رہی۔۔۔باہر سورج پوری طرح سے ڈوب چکا تھا۔

"کالیا اور خوشی محمد کا آپس میں کیا تعلق ہے؟۔۔"

"میم میرا ساتھ ان لوگوں کے سے کچھ زیادہ پرانا تو نہیں ہے۔پر پچھلے تین ماہ سے جو میں نے دیکھا ہے۔کسی وقت میں ان دونوں کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے۔کہ دونوں باپ بیٹا ہیں۔کبھی ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔جیسے بڑے گہرے جگری یار ہیں۔دونوں ایک دوسرے کی نس نس سے واقف ہیں۔اور کبھی بس یوں لگتا ہے۔جیسے ایک افسر اور ماتحت کا تعلق ہے۔اصل رشتہ دونوں کا کیا ہے۔اس سے میں لاعلم ہوں۔"

اسکے آگے دونوں کو بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔پائیلٹ نے کاشف کو متوجہ کیا۔شائد وہ منزل کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔

ژالے نم ذہن کے ساتھ نیچے جھلملاتی روشنیوں کو دیکھتی رہتی۔جو کبھی بالکل ختم ہو جاتیں۔کبھی تاروں سے سجے آسمان کی طرح نظر آتیں۔فرق صرف اتنا تھا۔تارے سفید دیکھتے ہیں۔یہ روشنیاں پیلی نظر آ رہی تھیں۔

ایک گھنٹے کی فلائیٹ کے بعد وہ لوگ زمین کو چھو چکے تو جہاز انکو اتارنے کے بعد واپس فضا میں بلند ہو گیا۔

جبکہ کاشف اسکو لیکر ایک گاڑی تک آیا۔اسکے لیے پچھلا دروازہ کھول کر خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

پندرہ منٹ کے بعد گاڑی جس عمارت کے سامنے رکی اس پر کوئی سائن بورڈ نہیں تھا۔مگر لگ ایسا ہی رہا تھا۔جیسے کوئی ہسپتال ہو۔

وہ کاشف کے پیچھے لمبا کاریڈور عبور کر کے لفٹ کے ذریعے دوسری منزل پر آ گئی۔اپنے دل کی دھڑکن اسکو کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

کاشف ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔

"آپ اندر جائیں خوشی محمد صاحب آپ کے منتظر ہیں۔۔۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر ژالے کے لیے دروازہ بھی کھول دیا۔مگر ژالے کے قدم من من کے بھاری ہو رہے

تھے۔کتنے سیکنڈ وہ خالی نظروں سے دروازے کو دیکھتی رہی۔

پھر بڑی ہمت سے قدم اٹھایا۔ایک دو اور تین۔۔۔۔کمرے میں صرف ایک بیڈ تھا۔جس پر پڑا وجود مختلف مشینوں کی مدد سے سانس لے رہا تھا۔

ژالے کی نظر اس چہرے پر پڑی تو پلٹنا بھول گئی۔

سر پر گھنے گرے بال' کشادہ پیشانی' زردی مائل گندمی رنگ' آنکھیں بند تھیں۔مگر وہ ان آنکھوں کے رنگ سے اچھی طرح واقف تھی۔لمبی مضبوط ٹانگیں۔جو کہ مریض کے بیٹھے ہونے کے باوجود بیڈ کی پائنتی کو چھو رہی تھیں۔چوڑے شانے۔۔۔عمر کے اس حصے میں بھی وہ کئی جوان لڑکوں کو پیچھے چھوڑتا وجود تھا۔مگر چہرے پر آکسیجن ماسک لگا ہوا تھا۔

ژالے وہیں کھڑے کھڑے صدیوں کا سفر کر گئی۔منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی سسکیوں کو روکنا چاہا۔تب ہی پیچھے سے دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا۔اسکے کندھے کے گرد ہاتھ ڈال کر تسلی دی۔

''گوہر ہمت کرو۔۔۔بہادر لوگ روتے نہیں ہیں۔''

وہ آواز پہچان گئی تھی۔پر اس وقت وہ پہلے ہی اتنے بڑے شاک میں تھی۔کہ مزید کوئی نئی بات کیا حیران کرتی۔سرگوشی میں بولی۔۔۔

''نعمان بھائی یہ میرے ماموں ہیں۔اور انکا نام خوشی محمد نہیں ہے۔انکا نام ولی اللہ ہے۔''

وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔اگر نعمان نے اسکو تھام نہ رکھا ہوتا۔تو وہ کب کی فرش پر گر گئی ہوتی۔

''گوہر جان ہمت۔۔۔ہمت کرو۔۔۔انکے پاس جا کر بیٹھو بات کرو۔۔۔وہ تم سے بڑی محبت کرتے ہیں۔

مگر ژالے کو لگا آج ساری ہمتیں جواب دے گئی ہیں۔اس چہرے کو دنیا کی بھیڑ میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ تو کب کی صبر کر چکی تھی۔کوئی کہتا ماما تمہارا غدار تھا۔ملک چھوڑ کر بھاگ گیا ہوا ہے۔کوئی کہتا مر گیا ہے۔

اور وہ آج اس حالت میں اسکے سامنے تھے۔نہ ہنس سکتی تھی۔نہ رو سکتی تھی۔

موسم بدلا رت گدلائی اہلِ جنوں بے باک ہوئے
فصلِ بہار کے آتے آتے کتنے گریباں چاک ہوئے

دل کے غم نے دردِ جہاں سے مل کر بڑا بے چین کیا
پہلے پلکیں پرنم تھیں 'اب عارض بھی نمناک ہوئے
کتنے الہڑ سپنے تھے دورِ سحر میں ٹوٹ گئے
کتنے ہنس مکھ چہرے فصلِ بہاراں میں غمناک ہوئے
برقِ زمانہ دور تھی لیکن مشعلِ خانہ دور نہ تھی
ہم تو ظہیرا پنے ہی گھر کی آگ میں جل کر خاک ہوئے۔۔۔

دھیرے دھیرے چلتی ہوئی بیڈ کے قریب آئی۔ بار بار آنکھوں کے سامنے دھند چھا جاتی۔ جسے وہ پلکیں جھپک کر دور کرتی۔ کانپتی ہوئی انگلیوں سے انکے پیشانی پر آئے بال ہٹائے۔ انکے سرنجوں میں جکڑے ہاتھ پر انگلی پھیری۔۔۔ سائیڈ پر رکھی انکی فائل اٹھا کر کھولی۔۔۔۔۔۔

اندر درج انکی رپورٹ پڑھ کر وہیں بڑے سٹول پر ڈھے گئی۔

فائل ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے جا گری تھی۔ جسے نعمان نے اٹھا کر واپس سائیڈ دراز پر رکھ دیا۔

وہ انکے بازو پر سر رکھ کر اونچی اونچی ہچکیوں سے رونے لگی۔

ولی اللہ نے آنکھیں کھولیں تو پہلی نظر نعمان پر پڑی۔۔۔

''بلال۔۔۔ کیا کالیا اور ژالے نہیں آئے۔۔؟''

ان کی سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ ہر سانس اندر کھینچنا بڑا تکلیف دہ عمل ثابت ہو رہا تھا۔

''سر کالیا سے ابھی رابطہ ممکن ہوا ہے۔ وہ پہنچ رہا ہے۔ اور ژالے آپکے پاس بیٹھی ہیں۔۔''

ولی اللہ نے چونک کر پہلے اپنی دائیں جانب نظر ڈالی ادھر کسی کو نہ پا کر اپنے بائیں جانب دیکھا۔

اسکے بال پونی سے نکل کر چہرے کےگرد بکھرے ہوئے تھے۔ گلے میں سکارف مفلر کی طرح پڑا تھا۔ آنسوؤں کے نشان ابھی تازہ تھے۔ مزید بہنے کو تیار اسکے نینوں کی دہلیز پر بیٹھے تھے۔

ولی اللہ کو یوں لگا جیسے وہی چار پانچ سالہ ژالے انکے سامنے بیٹھی ہے۔ جو کسی بات پر ناراض ہو کر منہ بسورتے ہوئے رویا کرتی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا۔ تب اسکے رونے کی آواز میں اتنا درد نہیں ہوتا تھا۔ آج اسکی

آواز درد سے پھٹ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا۔ گولیوں نے ولی اللہ کی بجائے ژالے کا جگر چھلنی کر دیا تھا۔

''کیا ضرورت تھی؟ آج بھی مجھ سے ملنے کی کیا ضرورت تھی؟ ساری زندگی مجھ سے بھاگتے رہی ہیں۔ آج مجھے کیوں بلایا؟ آپ جانتے ہیں۔ آپ کو اچھی طرح علم ہے ناں میں نے اپنے دو جان سے پیارے لوگوں کی لاشیں اٹھتی دیکھی ہیں۔ کیا میرے مقدر میں صرف لاشیں دیکھنا ہی لکھا ہے؟ میں آپ کو مرتے دیکھنا نہیں چاہتی ہوں۔ ماموں میرے ساتھ ایسا تو نہ کریں۔۔۔''

''سارے لوگوں کی مدد کو آتے رہے اور مجھے ہی اکیلا چھوڑ دیا۔۔۔!! میں کس کس غم کو روؤں؟ مجھے تڑپتا سسکتا دیکھ کر بھی آپ میرے پاس نہیں آئے۔ اور آج میں آپکو اس طرح سے کیسے دیکھ لوں۔۔۔ آپ میری ماں کی شکل وصورت ہیں۔ آپ وہ ہیں جن سے انہوں نے اپنی جان سے زیادہ محبت کی ہے۔ ان کے آخری وقت میں آپ انکے پاس نہیں تھے۔ تب بھی میں اکیلی وہاں تھی۔ جانتے ہیں مرتے وقت لوگ کلمہ پڑھتے ہیں۔ آپ کی بہن نے اپنی آخری سانسوں میں صرف آپکا نام لیا تھا۔ ان کو انکے شوہر نے دھوکا دیا۔ وہ خاموشی سے چلی گئیں۔۔ میرے بارے میں نہیں سوچا میرا کیا ہوگا؟ ذرا سوچیں زرمین کی جان سے پیاری گڑیا وہ کس کے حوالے کر کے جاتیں۔۔۔ آپ کے حوالے کرتیں۔۔۔ وہ مجھے آپکے حوالے کر کے گئیں تھیں۔ آپ گھر آئے اور مجھے ملے بغیر چلے گئے۔ پھر بابا کی لاش آگئی۔ انکو مارتے وقت آپکو یہ خیال کیوں نہ آیا وہ شخص زرمین کا قاتل ہی سہی ژالے کا تو باپ تھا۔ کیسے پانچ سال کی ژالے دونوں کو مٹی کے نیچے جاتے دیکھے گی۔ اگر انکو چھیننا ہی تھا۔ تو اسکے بعد مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں رکھا؟؟

وہ آنسوؤں کے دوران بولے چلی جا رہی تھی۔

ولی اللہ بڑی ہمت سے سب کچھ سنتے رہے۔ آنکھوں کی جلن مٹانے کو بار بار جھپکتے جا رہے تھے۔

''اب آپ نے مجھے بلایا۔ جب خود جا رہے ہیں۔ ایسا تو کوئی دشمن بھی نہیں کرتا ماموں آپ کو کیوں لگا کہ آپکی ژالے آپکو منوں مٹی تلے جاتے بڑے حوصلے سے دیکھ لے گی۔ ابھی سے دو گھنٹے پہلے میں بڑی باہمت تھی۔ میں سوچ رہی تھی۔ آپ کے کالیا سے طلاق لیکر آگے بڑھ جاؤنگی۔ پر آپ نے تو مجھے توڑ دیا ہے۔ میری ساری ہمت نچوڑ لی ہے۔ اپنے اللہ سے کہیں وہ میری ماں کو لے گئے۔ ٹھیک ہے۔ باپ بھی انہیں واپس دے

دیا۔ کم از کم مجھ سے ولی ماموں کو تو نہ چھینیں۔۔۔ میں اپنے سارے غم بھول جاؤنگی۔۔ ماموں ایک دفعہ آپ ٹھیک ہو جائیں۔ کیوں مجھے اس دن فون پر سچ نہ بتایا؟ کیوں خوشی محمد بن کر بات کی۔۔۔ کیوں؟۔۔۔ مجھے بتایا کیوں نہیں کہ ژالی تمہارا ولی ماموں بول رہا ہوں۔ آپکا کیا چلا جاتا؟ کم از کم کچھ وقت میں آپکے ساتھ گزار لیتی۔۔۔" وہ جو انکا ہاتھ اپنے دونوں میں لیے بیٹھی تھی۔ دروازے سے اندر آتے آدمی کو دیکھ کر اسکے آنسو پل بھر کو تھم گئے۔

کالی لونگ نیک کی بازوں والی شرٹ' جو بالکل اسکے جسم کے ساتھ فکس تھی۔ کالا ہی ٹراوزر' کہنیوں اور گھٹنوں پر کالے پیڈ بندھے تھے۔ کالے بھاری بوٹ سر پر کالی اونی ٹوپی۔۔۔ ہاتھ اور چہرہ بھی کالا۔۔۔ اسکا سارا حلیہ کمانڈوز والا تھا۔ جیسے ابھی ابھی فیلڈ سے اٹھ کر آ رہا ہو۔ تھا بھی ایسا وہ تو ساری نئی پیدا ہونے والی صورتحال سے ایک گھنٹہ پہلے تک لاعلم تھا۔ تندہی سے اپنے اگلے مشن میں مصروف تھا۔

اسے دیکھتے ہی ژالے کے اندر نفرت و غصہ امڈ کر آیا۔ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر اسکی جانب بڑھی۔ وہ اسکو یوں سامنے دیکھ کر ایک پل کو تو بوکھلا کر رہ گیا۔ جس نے چھوٹتے ہی اسکے چہرے پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔

"تم جانتے تھے۔ سارا وقت یہ تمہارے ساتھ موجود تھے۔ اور تم نے مجھے لاعلم رکھا۔ تم کون ہو؟ کیا لگتے ہو انکے؟ یہ میرے ماموں ہیں۔ سب سے زیادہ حق ان پر میرا تھا۔ بڑا میرے پر احسان کرتے رہے ہو۔ تف ہے تمہاری مردانگی پر اور تف ہے تم پر۔۔۔ آجاؤ ان سے آخری دفعہ مل لو۔۔۔ اور یہ یاد رکھنا میں تمہیں کبھی معاف نہیں کرونگی۔"

اب تک وہ اپنے حواس بحال کر چکا تھا۔ بڑی آسانی سے ژالے کے دونوں ہاتھ اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ لیے "ہر دفعہ ملنے پر میری پٹائی کرنا کوئی تمہارا فرض بنا ہوا ہے؟۔۔"

وہی باریک آواز۔۔۔

"اور دوسری بات تم کان کھول کر سن لو۔ کوئی کہیں نہیں جا رہا۔ یہ جو حضرت بیڈ پر بیمار بن کر پڑے نظر آ رہے ہیں۔ انکو تم نہیں جانتی ہو۔ میں نے انکو حفظ کیا ہوا ہے۔ یقین مانو تمہیں یہاں بلا کر میری بینڈ بجانے کے علاوہ

اور کوئی مقصد نہیں ہونا۔۔"

پھر اسی طرح اسکے ہاتھ تھامے بیڈ کے قریب پیروں کی جانب کھڑا ہو گیا۔

"ہو گئی تسلی۔۔؟ پورے تین تھپڑ پڑے ہیں۔اب شرافت سے اٹھ کر یہ ڈرامہ ختم کریں۔حد ہو گئی ہے۔ کہاں سے میں نے دوڑ لگائی۔ایک تو اس کاشف کی چھٹی لگنے والی ہے۔ایک ہی بات کہے جا رہا تھا۔ایمرجنسی ہو گئی ہے۔فوراً پہنچیں۔۔۔"

پیچھے سے نعمان نے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسکو متوجہ کیا۔کالیا نے گردن موڑی۔۔۔دونوں کی نظریں ملیں اور کتنے ہی پل ایک دوسرے کی آنکھوں میں سنجیدگی سے دیکھتے رہے۔نعمان نے نفی میں سر ہلایا۔کالیا کی گرفت ژالے کے ہاتھوں پر ڈھیلی پڑ گئی۔

اب کے اس نے گہری نظروں سے ولی اللہ کا جائزہ لیا۔ پیلا رنگ۔۔۔ سانس کی نالی۔۔۔ چہرے پر مجروح سی مسکراہٹ۔۔۔وہ الٹے قدموں کمرے سے نکل گیا۔

اس سب کے دوران ولی اللہ پہلی دفعہ بولے۔۔۔

"بلال جاؤ یار ڈاکٹر کی سختی آئی ہے۔"

وہ "یس سر" کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔ژالے دھیرے سے چلتی دروازے تک آئی۔سر باہر نکال کر دیکھا۔

کوریڈور کے اینڈ پر ریسیپشن کے پاس کالیا نے ڈاکٹر کو روک لیا تھا۔

ڈاکٹر بول رہا تھا۔۔اور وہ منہ کھولے اسے سن رہا تھا۔۔پھر اس نے کچھ کہا تھا۔جس پر ڈاکٹر نے نفی میں سر ہلا کر اسکے کندھے پر تھپکی دی۔اس نے غصے سے ڈاکٹر کا ہاتھ جھٹک دیا۔اور اسکو گریبان سے پکڑ کر دو چار جھٹکے دے ڈالے۔۔نعمان نے اسکو بازو سے پکڑ کر اپنی جانب کھینچا تھا۔

ڈاکٹر کو اسکی گرفت سے چھڑوایا۔۔۔جو ایک طرف ہو کر گھبرایا سا اپنی ٹائی دوبارہ سے سیٹ کر رہا تھا۔۔۔ نعمان اسکو اسی طرح پورے زور سے کھینچ کر اپنے ساتھ ویٹنگ روم میں لے گیا۔دونوں ہی اونچی آواز میں بول رہے تھے۔۔پر ژالے کی سماعت تک انکی آواز نہیں آ رہی تھی۔

وہ چلتی ہوئی دروازے نکل کر ویٹنگ روم تک آئی دروازہ کھولا۔۔

''تم کیا سمجھتے ہو اگر کوئی راہ نکل رہی ہوتی تو میں اب تک انکو یہاں ہی رکھتا؟ پچھلے دو دن سے ہم لوگ تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور اب تم آکر الٹا ڈاکٹروں کے گریبان پکڑ رہے ہو۔ یہی ڈاکٹر انکو آرام دہ رکھنے کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔''

''خاک کوشش کر رہے ہیں۔ ابھی وہ ڈاکٹر کیا بک رہا تھا۔ کمینہ کہتا ہے۔ مریض کا بچنا مشکل ہے۔ اور تم کہہ رہے ہو۔ یہ لوگ سر توڑ کوشش کر رہے ہیں۔ تم انتظامات کرواؤ میں انکو کسی بہتر جگہ لے جانا چاہتا ہوں۔۔''

ژالے کی آواز پر دونوں نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔

''جو کچھ نعمان بھائی نے کہا اور جو ڈاکٹر کہتا ہے۔ یہی سچ ہے۔ میں نے انکی رپورٹ پڑھی ہے۔ ماموں کے جسم میں کل گیارہ گولیاں لگیں تھیں۔ آپریشن کے ذریعے دو گولیاں نکالی گئی ہیں۔ باقی کی نو گولیاں ابھی بھی انکے جسم میں موجود ہے۔ ساری کی ساری گولیاں انکی ریڑھ کی ہڈی میں لگی ہیں۔ جہاں سے نکالنا ناممکن ہے۔ اگر ڈاکٹر ریسک لیتا بھی ہے۔ تو کامیاب نہیں ہوگا۔ انکے جسم کا خون پہلے ہی بہت نکل چکا ہے۔ اس وقت بھی انکو خون لگایا گیا ہوا ہے۔ کیونکہ مسلسل انکا خون ضائع ہو رہا ہے۔ گولیوں کا زہر جونہی پھیلنا شروع ہوا۔ انکا وقت ختم ہو جائے گا۔ ابھی بھی یہ انکی ول پاور ہے۔ جس کے سر پر بیٹھ کر باتیں کر رہے ہیں۔ اس وقت وہ اس قدر تکلیف میں ہیں ان کے لیے لیٹنا بھی ممکن نہیں ہے۔ انکو یہاں سے کہیں نہیں لے جایا جا سکتا۔''

اپنی بات مکمل کر کے جیسے آئی تھی۔ ویسے ہی مڑ گئی۔

اپنے اندر کا غبار نکال کر وہ کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو رہی تھی۔ اب کی دفعہ انکے پاس آئی۔ سب سے پہلے ماتھے پر لمبا سا بوسہ لیا۔

پھر انکا ہاتھ پکڑ کر بھیگی آنکھوں سے مسکراتی ہوئی انکے پاس بیٹھ گئی۔

''ژالے میں ایک دن۔۔۔ بھی۔۔۔ تمہارے وجود سے بے نیاز نہیں ہوا۔۔۔ تمہارے تایا نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔ وہ تمہارا خیال رکھے گا۔۔۔ وہ تمہیں میرے حوالے کرنے پر راضی نہیں ہوا تھا۔ مگر اس نے مجھ سے کیا ہوا یہ وعدہ تو پورا کیا کہ وہ تمہیں تعلیم کے معاملے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔ اگر تمہارے نمبر اچھے آگئے تو وہ تمہیں میڈیکل میں داخلہ دلوا دے گا۔ اس نے مجھ پر پابندی لگا دی تھی۔ کہ کبھی بھی میں تمہارے قریب

نہیں آسکتا۔۔۔مگر تم تو جانتی ہو میں نے کبھی بھی تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا ہے۔تمہاری ہر سالگرہ پر گفٹ بھیجا' تمہارے پاس ہونے پر مبارکباد کا تحفہ بھیجا ہے۔ژالے تم تو میری زرمینے کی نشانی ہو۔تمہیں کیسے بھول جاتا۔"

وہ کب کا آکران کے بیڈ پر سر جھکا کر بیٹھا انکو سن رہا تھا۔بلآخر بول اٹھا۔

"ڈاکٹر نے آپکو زیادہ بولنے سے منع کیا ہوا ہے۔۔"

"یار آج تو مجھ پر پابندیاں نہ لگاؤ میری بیٹی آئی ہوئی ہے۔تم اٹھ کر اپنا منہ ہاتھ دھوکر آؤ تاکہ میں اپنی زندگی میں ہی امانت کو اسکے اصل مالک کے حوالے کروں۔۔۔"

"سر میں یہاں سے نہیں ہٹ رہا ہوں۔۔۔"

"اؤ یار میں تمہیں کونسا کراچی بھیج رہا ہوں۔یہ سامنے واش روم ہے۔۔"

وہ جانتا تھا۔اب جب تک منہ دھوکر نہیں آئے گا۔وہ بات چھوڑیں گے نہیں۔انکی تکلیف کا سوچ کر پہلے اس نے اپنے گلے کے گرد لگی ڈیوائس کو اتار کر میز پر رکھا۔پھر اپنے گھٹنوں کے پیڈ کھولے اسکے بعد کہنیوں کے پیڈ بھی اتار کر میز پر رکھے۔ٹوپی اتار کر بھی وہیں رکھ دی۔۔۔بازو فولڈ کرتا ہوا واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

"ژالے۔۔؟۔"

"جی ماموں۔۔؟

"یہ جو تمہارا کالیا ہے ناں۔۔۔اصل میں یہ میرا غازی ہے۔"

وہ ناسمجھی سے انکو دیکھ رہی تھی۔جبکہ انہوں نے واش روم سے نکلتے شخص کی جانب اشارہ کیا۔

وہ کوئی اور نہیں سردار غازان خان تھا۔۔۔

تولیے سے چہرہ صاف کرتا آکر پھر انکے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ژالے کی جانب اسکی پشت تھی۔اور ژالے کے تمام الفاظ اسکا ساتھ چھوڑ گئے۔۔۔۔۔وہ خشک آنکھوں سے اسکی چوڑی پشت کو دیکھے گئی۔۔۔

"ژالے؟؟۔"

"جی۔۔۔ماموں۔۔؟؟۔"

"غازی کے ساتھ تمہارا نکاح میری مرضی سے ہوا تھا۔"

اب کے ژالے کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔"جی ماموں۔۔"

"غازی سردار احمد یار کا بیٹا ہے۔ پر میرا بیٹا نہ ہونے کے باوجود غازی میرا دل ہے۔ بھی سوچ کر اسکی ہر خطا کو معاف کر دینا۔۔"

ایک ہچکی بھری گئی۔۔۔

"جی ماموں۔۔۔"

"غازی۔۔؟؟۔"

"جی سر؟۔۔"

"ژالے میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔۔"

"میں جانتا ہوں سر۔۔۔"

"غازی۔۔"

"جی سر۔۔"

"یہ تمہاری بیوی ہے۔۔"

"جانتا ہوں سر۔۔۔"

"تمہاری ذمہ داری ہے۔۔"

"مانتا ہوں سر۔۔"

"اسکا بہت خیال رکھنا ہے۔۔"

"انشااللہ سر۔۔"

"ژالے؟؟۔۔"

"جی ماموں۔۔"

"بیٹے تم اور میں ساتھ نہیں رہے۔ میرا جانا تمہیں اتنا محسوس نہیں ہونا۔ پر غازی کو سنبھال لینا۔ اسکو میں بڑا یاد آونگا۔ اور میرا ایک چھوٹا بیٹا ہے۔ ایک وہ میں تم دونوں کے حوالے کر رہا ہوں۔ وہ بڑا احساس ہے۔ غازی

اسکو ٹوٹنے مت دینا یار۔۔۔۔۔ وہ مجھے بڑا عزیز ہے۔ کل کو تم اسکے بچوں کے ماموں ہو گے۔ تو ثانیہ انکی پھوپھی ہو گی۔۔۔"

وہ آنے والے خوبصورت دنوں کے تصور میں مسکرا رہے تھے۔ اور وہ ان کے بازو پر سر رکھ کر سسکیاں دبا رہی تھی۔ جبکہ غازی خاموشی سے سن رہا تھا۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم
اے درد بتا کچھ تو ہی پتہ' ہم سے تو معمہ حل نہ ہوا
ہم میں ہے دل بیتاب نہاں' یا آپ دل بیتاب ہیں ہم
میں حیرت وحسرت کا مارا' خاموش کھڑا ہوں ساحل پر
دریائے محبت کہتا ہے' آ کچھ بھی نہیں پایاب ہیں ہم
لاکھوں ہی مسافر چلتے ہیں' منزل پر پہنچتے ہیں دو ایک
اے اہلِ زمانہ قدر کرو' نایاب نہ ہوں کم یاب ہیں ہم
مرغانِ قفس کو پھولوں نے اے شاد یہ کہلا بھیجا ہے
آ جاؤ جو تم کو آنا ہو ایسے میں' ابھی شاداب ہیں ہم۔۔۔

ایک کے لیے وہ ایک گھنا سایہ دار درخت تھا۔ جس کی ٹھنڈی گوڑی چھاؤں نے اسکو زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر پھل دار درخت بنا دیا۔ ایک کا ہی نہیں ہر اس انسان کا دل صدمے سے چور تھا۔ جس نے اس انسان کے ساتھ وقت گزارا اسے جانا تھا۔

ایک گم نام ہیرو کی نمازِ جنازہ بعد از نمازِ جمعہ بادشاہی مسجد میں ہزاروں لوگوں نے ادا کی۔۔ اور اسکو اسکی وصیت کے مطابق اسکی زرمین کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ایک محبت کا باب ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ مگر وہ اپنے پیچھے کئی کونپلیں چھوڑ گیا تھا۔ جن کی بنیاد محبت پر نہیں رکھی گئی ہوئی تھی۔ مگر ان کو پروان محبت کا پانی پلا کر چڑھایا گیا تھا۔ اس شخص نے نہ شادی کی نہ بچے ہوئے۔ وہ جو کہتے ہیں۔ جنکی اولاد نہ ہو۔ انکا نام آگے نہیں

چلتا۔ کاش وہ ولی اللہ جیسے لوگوں سے واقف ہوتے۔ جو اپنا خون دیکر دیئے جلاتے ہیں۔ بغیر کسی لالچ کے۔ محبت بانٹتے ہیں۔ آج اسکو رونے والوں کے آنسو خشک ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

☆......☆......☆

زرمین کے دسویں والے دن ساحرہ اور ابراہیم ساہی کے درمیان موجود تمام دیواریں گر گئی تھیں۔ دونوں نے پورا ایک ہفتہ مری میں ایک دوسرے کی ہمراہی میں گزار کر اپنی زندگی کی ہر تشنگی مٹائی تھی۔ دونوں ہی انتہائی خوش تھے۔ مگر لاہور سے آنے والی کال نے مزا کر کرا کر دیا تھا۔

کال ساحرہ کی خاص ملازمہ کی تھی۔ جس کے مطابق احمد یار خان دبئی سے واپس آ گیا تھا۔ ساحرہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ملازمہ نے بتایا تھا۔ بیگم صاحبہ اپنی دوست کی شادی میں شرکت کے لیے کراچی گئی ہوئیں ہیں۔

ساحرہ کو یہ ڈر نہیں تھا۔ کہ احمد یار فوراً سے اسکی تلاش میں کراچی نہ نکل جائے۔ مگر ابھی وہ ابراہیم سے اپنی ملاقات کو چھپانا چاہ رہی تھی۔ کم از کم جب تک وہ احمد یار سے طلاق کے پیپر سائن نہ کروالیتی۔۔ تا کہ اپنی ماں سے حلال حرام کا لیکچر سننا نہ پڑتا۔۔۔ ابراہیم ساحرہ کی اچانک واپسی سے بڑا بدمزا ہوا تھا۔ مگر ایک خوشی یہ بھی تھی۔ اب صرف چند دنوں کی دوری کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے اسکے ساتھ ہوگی۔

اس نے ساحرہ کی اسلام آباد سے لاہور کی ٹکٹ کروا کر خود اسکوائر پورٹ پر چھوڑا تھا۔

دوسری جانب اسکا ڈرائیور اسکوائیر پورٹ پر لینے کو موجود تھا۔ جسکے ساتھ وہ گھر آ گئی۔ طبیعت میں عجیب سی سرشاری تھی۔ بات بات پر یونہی لب مسکرائے جا رہے تھے۔۔ گھر پر صرف غازی باپ بیٹا موجود تھے۔ گڑیا دادی کی طرف ہی تھی۔

جس وقت وہ اپنا ہینڈ بیگ تھامے' اپنی ہیل کی ٹک ٹک فرش پر جگاتی اندر آئی۔۔ پہلا سامنا احمد یار سے ہوا۔۔

غازی کو دیکھ کر اس نے پوچھا۔۔۔

"ہیلو غازی تم نے تو ابھی ایک ہفتہ مزید وہاں رکنا تھا۔"

"پپا کی طبیعت خراب ہوگئی تھی۔اس لیے آنا پڑا۔۔۔"

"اوہ۔۔۔"

اب وہ احمد یار کی جانب متوجہ ہوئی۔ جو جن نظروں سے ساحری کو دیکھ رہا تھا۔ایک لمحے کو ساحرہ کا دل کانپا۔۔ پر پھر خود کو تسلی دی۔ بھلا یہ کیسے کچھ جان سکتا ہے۔ یہ تو تھا ہی ملک سے باہر۔۔۔

"احمد اب کیسی طبیعت ہے۔۔؟۔۔"

احمد نے اسکو جواب دینے کی بجائے۔۔ غازی کو وہاں سے جانے کا بولا۔۔۔اس کے جاتے ہی احمد یار نے اپنے پہلو سے ایک خاکی لفافہ نکال کر ساحرہ کی جانب پھینکا۔۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟اس میں کیا ہے؟"

"تمہارا اعمال نامہ ہے۔اٹھا کر دیکھ لو۔۔"

ساحرہ نے ایک نفرت بھری نظر احمد یار پر ڈالی اور جھک کر لفافہ اٹھا کر چاک کیا۔مگر اندر سے جو چیز برآمد ہوئی۔ساحرہ کے قدموں تلے سے زمین نکالنے کو کافی ثابت ہوئی۔۔

وہ اسکی حالیہ تصویریں تھیں۔ ہر تصویر میں ابراہیم ساہی اسکے ساتھ تھا۔سب کی سب تصویریں مری کی تھیں۔

"غور سے دیکھو ساحرہ اور بتاؤ ذرا دو بچوں کی ماں زنا کرنے کے بعد اپنے شناسا کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر چلتی ہوئی کیسی لگ رہی ہے؟؟۔۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو؟ میں نے کوئی زنا نہیں کیا۔۔"

"ساحرہ یاد رکھو میں ایک وکیل ہوں۔ثبوت اور گواہوں کے بغیر بات نہیں کرتا ہوں۔تم اتنا بتا دو۔۔کہاں تک دیکھ سکنے کی سکت ہے۔ میں تمہیں تمہارے ایک ایک پل کی رپورٹ دینے کو تیار ہوں۔"

"میں نے تم سے کیا مانگا تھا؟ فقط ایک وفاداری اور تم وہ بھی نہ دے سکیں۔۔"

"تم نے میرے ساتھ جو کیا ہے۔وہ میں معاف کر بھی دوں۔تب بھی جو تم نے میرے بچوں کے ساتھ کیا ہے۔وہ معاف نہیں کر سکتا ہوں۔"

"مجھے اتنا بتا دو ایک مرد کی جانب کھینچنے والی شہوت میں اتنا اثر ہوتا ہے۔کہ عورت اپنا مقام ہی بھول جائے؟

اپنی اولاد ہی بھول جائے؟"

"تمہارے دل میں، تمہارے وجود میں، میرے ساتھ وفاداری موجود نہیں تھی۔تو تم نے کیوں ناں پہلے دن مجھے ہر بات سچ بتا دی؟۔۔۔جب میں پاگلوں کی گرح تمہارے آگے پیچھے پھرتا تھا۔مجھے تب کیوں نہ کہا کہ کتے میرے سے دور رہو۔۔"

"میں نے کتنی دفعہ تم سے پوچھا تم نے ہر دفعہ اپنی ذہنی بیماری کا بہانہ بنا کر مجھے ٹال دیا۔اور آج تمہارے میں اتنی جرات ہے۔تم اتنا بڑا گل کھلا کر گھر آئی ہو۔میرے گھر۔۔۔۔

"ساحرہ کاش میں نے تم سے محبت نہ کی ہوتی۔کاش میں نے ان سب لوگوں کی بات پر عمل کر لیا ہوتا جو مجھتے تھے۔میں تمہارے ساتھ حد سے زیادہ نرمی سے پیش آتا ہوں۔یہ تو میرا اخلاق تھا۔یہ تو میرا اپنی بیوی کو عزت دینے کا معیار تھا۔"

"جانتی ہو یہ تصویریں مجھے کون دیکر گیا ہے؟۔۔

تمہارا بوڑھا باپ۔۔۔اور وہ میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ کر گئے ہیں۔انہیں لگتا ہے۔میرے بچوں کا نقصان انکی خاموشی کی وجہ سے ہوا ہے۔"

ساحرہ بت بنی سب سن رہی تھی۔کیونکہ اپنے سامنے موت رقص کرتی دکھائی دے رہی تھی۔

"جانتی ہو مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔مجھے خود سے شکوہ ہے۔میں کیوں نہ بھیڑ کی کھال میں چھپ بیٹھے بھیڑیے کو پہچان سکا۔۔۔۔

دنیاوی رشتوں میں ماں باپ کا رشتہ سب سے افضل اور قابل احترام ہے۔جو انسان اپنے ماں باپ کا دل دکھا سکتا ہے۔اسکے سامنے میری کیا حیثیت ہے۔ماں باپ کے بعد اولاد آتی ہے۔ان کو بھی تم نے سوالیہ نشان بنا دیا۔"

"ساحرہ بیگم ایک غیر شادی شدہ لڑکی اگر بدکاری کرتی ہے۔تو اسکی سزا اسی کوڑے ہیں۔مگر جب ایک شادی شدہ عورت بدکاری کرے۔سزا اتنی سخت ہے۔کہ اسکو اس وقت تک مارو یہاں تک کہ جان نکل جائے۔میرے پاس پورا ثبوت ہے۔کیمرے میں تمہارا اور اس آدمی کا چہرہ بالکل صاف نظر آرہا ہے۔گیلانی صاحب

کے بندے نے تمہارا ہر ہر پوز کیمرے کی آنکھ سے قید کیا ہے۔تمہارے محبوب کے بیڈروم تک میں کیمرے فکس تھے۔''

''داد دو ہم مردوں کو جو اتنی بے غیرتی دیکھ کر بھی ابھی تک تمہارے ساتھ تہذیب سے پیش آرہے ہیں۔ ورنہ تمہارے والد مجھے پوری آزادی دیکر گئے ہیں۔میں جیسے چاہوں جو چاہے سلوک تمہارے ساتھ کروں۔''

احمد یار کی آنکھوں کا جنونی پن ساحرہ کے لیے بالکل نیا تھا۔اس نے اس مرد کو ہمیشہ تحمل و نرمی سے بات کرتے دیکھا ہوا تھا۔میز کے اوپر پڑا پسٹل دیکھ کر ساحرہ کی جان حلق میں آگئی۔

تب ہی باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی۔۔تھوڑی دیر بعد ہال کا دروازہ کھول کر محمد یار اندر آیا۔اسکی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ساحرہ پر نظر پڑتے ہی۔وہ آپے سے باہر ہوگیا۔۔

''یہ یہاں کیا کر رہی ہے؟ کیا ہمیں نامرد سمجھا ہوا ہے کتیا کہ تم جہاں چاہے منہ مار کر واپس ہماری چھت تلے چھپوگی۔''

اس سے پہلے کہ محمد آگے آتا۔احمد یار تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا۔۔آگے بڑھ کر اپنے بھائی کو پکڑا۔۔جو غصے سے ساحرہ کی جانب مارنے کے لیے لپک رہا تھا۔

''بھائی آج نہیں۔۔۔!! آج اسکو مت بچاؤ یہ ہم سب کو کھا گئی ہے۔میں آپ سے کہتا تھا۔اسکو اپنی زندگی سے دفعہ کر دیں۔جس عورت کا اپنے میاں کو دیکھ کر موڈ خراب ہو جائے۔وہ بیمار ہو جائے۔دوسرے لوگوں کے ساتھ قہقہے مارتی رہے۔بیماری کا نام ونشان بھی نہ رہے۔ایسی مکار عورت کو بیچ چوراہے کے لٹکانا چاہیے۔''

احمد یار نے بھائی کو مضبوطی سے اپنی گرفت میں جکڑا ہوا تھا۔ساحرہ پر دھاڑا۔

''یہاں کھڑے ہو کر تماشہ کیا دیکھ رہی ہو۔اپنے کمرے میں دفعہ ہو جاؤ۔۔۔!!!۔۔۔''

خود وہ کسی طرح محمد یار کو قابو کر کے گھر سے باہر لے گیا۔گاڑی میں بیٹھا کر خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا۔۔ اگلے پل گاڑی ڈرائیوے سے نکل کر سڑک پر جا رہی تھی۔

''یہ میری آگ ہے۔اسے میں خود ٹھنڈا کرونگا۔میں پہلے ہی اس خاندان کی بدنامی کا باعث بن گیا ہوں۔ اب میرے کندھوں پر یہ بوجھ نہ ڈالو کہ میرا بھائی میرے گناہوں کی سزا میں جیل کی سلاخوں کے پیچھے جائے۔۔

میں وعدہ کرتا ہوں۔ ساحرہ کو معاف نہیں کرونگا۔۔۔تم بھی وعدہ کرو۔کوئی الٹی حرکت کر کے اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مارو گے۔''

وہ محمد کو باپ کے پاس آفس لے جاتے ہوئے سارا راستہ سمجھاتا گیا تھا۔

محمد نم آنکھوں سے صبر وہمت کے اس پہاڑ کو دیکھتا گیا۔آخر چیخ اٹھا۔۔

''تم میں کہاں سے اتنا ظرف آگیا ہے۔اس نے تمہاری زندگی جہنم بنادی۔تمہاری عزت کو نالام کر کے آرہی ہے۔اورتم ابھی تک سمجھداری سے کام لے رہے ہو۔اسکو دیکھتے ہی گولی کیوں نہیں ماری۔اگراتنی ہمت نہیں ہے۔تو مجھے ہی مارنے دیتے۔۔''

''میرا بیٹا ادھر گھر پر موجود ہے۔اس کے سامنے اسکی ماں کو مار کر میں ساری زندگی کے لیے اسے ذہنی طور پر معذور کرنا نہیں چاہتا ہوں۔''

''جب اسکی ماں نے کوئی حد نہیں چھوڑی تو تم کب تک اسے اس زہر کی تاثیر سے بچا سکو گے۔۔''

''جب تک ایسا ہو سکے۔۔۔''

سارا راستہ دونوں لڑتے گئے۔

باپ اور بھائی کے بہت سمجھانے پر کہیں جا کر محمد کا غصہ تھوڑا قابو میں ہوا تھا۔آغا جان نے کہا۔سزا دینے کا واحد طریقہ موت ہی تو نہیں ہے۔خواہشوں کے غلام کی آزادی کھینچ لو خود بخود مر جائے گا۔

مگر تینوں باپ بیٹا اس بات سے ناواقف تھے۔کہ جس عورت سے انکا واسطہ پڑا ہوا ہے۔اسکا زہر سانپ سے بھی زیادہ طاقت ور ہے۔

واپسی پر ٹریفک لائٹ پر گاڑی رکی اندر محمد یار گاڑی چلا رہا تھا۔جبکہ احمد یار اور آغا جی پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے۔گاڑی کی دونوں جانب دو دو موٹر سائیکل سوار آ کر رکے۔۔۔دن کے ایک بجے سارا علاقہ فائرنگ سے لرز اٹھا۔۔۔۔۔۔۔۔

موت جیت گئی' زندگی ہار گئی' نفرت نے فتح کے جھنڈے گاڑھے۔۔۔اور محبت نے ششدر ہو کر اپنا چہرہ ہمیشہ کے لیے چھپا لیا۔۔

جس کان نے سنا وہ حیرت سے سکتے میں آ گیا۔جس آنکھ نے دیکھا۔وہ جھپکنا بھول گئی۔

اس دن سردار ہاؤس پر قیامت ٹوٹی تھی۔

رحمت بی بی گڑیا کے ساتھ مصروف تھیں۔جب پورچ میں ایک ساتھ تین ایمبولینس آ کر رکیں۔۔ان کے سائیرن کی آواز آج تک انکے کانوں میں گونجتی ہے۔

شیر جیسے جوان دو بیٹوں اور شوہر کا وجود سر سے پیر تک لہوں میں ڈوبا ہوا تھا۔بہنیں غش کھا کھا کر گرتیں' ماں تو جیسے حواس ہی کھو بیٹھی تھی۔زینب نہ جانے کس رشتے دار خاتون کی گود میں چڑھی خاموش نظروں اور نہ سمجھی سے سب دیکھے جا رہی تھی۔اسکو اپنے اوپر ٹوٹنے والے صدمے کا شعور نہ تھا۔

مگر اسکو تھا۔جو کبھی باپ کے سرہانے بیٹھتا سرگوشیوں میں ان سے درخواست کرتا۔

''پپا پلیز اٹھ جائیں۔۔مجھے ڈر لگ رہا ہے پپا۔۔۔

پپا اتنے سارے لوگ رو رہے ہیں۔ان کے درمیان میں اکیلا کھڑا ہوں۔پلیز آپ نے تو ہمیشہ میری مدد کی ہے۔پپا آپکا غازی آپکے بغیر کیا کرے؟''

''پپا میں سب کچھ جان گیا ہوں۔وہ ہم میں سے کسی سے بھی محبت نہیں کرتی ہیں۔پپا چاچو کو ہی بول دیں وہ اٹھ جائیں۔۔۔''

وہ نرمی سے باپ کی بند آنکھوں کو کبھی چومتا کبھی ان پر اپنا چہرہ رکھ دیتا۔

پھوپھیاں یہ منظر دیکھ کر یوں تڑپ رہی تھیں۔جیسے کسی نے شاہ رگ کاٹ دی ہو۔نوشابہ نے اسکو اپنی آغوش میں بھر کر منہ چوما۔۔۔

''غازی میری جان پاپا چلے گئے۔۔ہائے ظالموں تمہیں اس معصوم پر بھی رحم نہ آیا۔''

ہر آنکھ روئی یہاں تک کے جب جنازہ اٹھا ساحرہ کی آنکھوں میں بھی سچے آنسو تھے۔مگر غازی کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ گرا۔۔۔

کبھی باپ کا منہ چومتا کبھی چاچو کا کبھی آغا جی کا۔۔۔وہ اپنے رویے سے دیکھنے والوں کو مزید رلاتا رہا۔

جب احمد یار کو قبر میں اتارا جانے لگا تو وہ سب کو روک کر اپنے باپ کے چہرے پر جھک گیا۔والہانہ چومتا اور

سرگوشیاں کرتا جاتا۔۔۔۔

سنے کون قصہء دردِ غم' میرا غمگسار چلا گیا

جسے آشناؤں کا پاس تھا' وہ وفا شعار چلا گیا

وہی بزم ہے' وہی دھوم ہے' وہی عاشقوں کا ہجوم ہے

ہے کمی تو بس میرے چاند کی۔۔۔۔۔۔

جو تہہ مزار چلا گیا۔۔۔۔

تینوں باپ بیٹوں کو رات کے وقت دفنایا گیا تھا۔ وہ ساری رات غازی نے قبرستان میں انکے سرہانے بیٹھ کر گزاری تھی۔ یہاں ولی اللہ نے پہلی دفعہ اسکو دیکھا تھا۔

اس وقت ولی اللہ کے اپنے زخم ابھی تازہ تھے۔ وہ غازی کی تکلیف سمجھ سکتا تھا۔ مگر وہ اس تیرہ چودہ سالہ بچے کی برداشت پر حیران رہ گیا تھا۔ جس کی آنکھ سے ایک آنسو بھی نہ بہا تھا۔

وہ ابراہیم اور ساحرہ کے بارے میں جان گیا ہوا تھا۔ مگر پچھلے کچھ دنوں سے اسکو اپنے کیس کے سلسلے میں مصروف رہنا پڑا۔ اس پر لگا الزام غلط ثابت ہو چکا تھا۔ نوکری واپس بحال کر دی گئی۔ پر جس کام میں وہ پڑ چکا تھا۔ اسکے لیے نوکری کرنا اب ممکن نہ رہا تھا۔ اسلیے وہ اپنا استعفٰی دیکر آ گیا تھا۔

غازی کا پھوپھا اس کے ساتھ قبرستان میں موجود تھا۔ پر ولی اللہ نے خود کو احمد یار کا دوست بتا کر غازی کے پاس رکنے کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے انکو گھر بھیج دیا۔

ولی اللہ خاموشی سے اسکے ساتھ بیٹھا رہا۔ پھر اپنے بیگ میں سے قرآن نکال کر با آوازِ بلند تلاوت کرنے لگا۔ یہاں تک کہ دن چڑھ گیا۔ ولی اللہ نے سوئے ہوئے غازی کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھ ہوا تھا۔ جو اپنے باپ اور دادا کی قبر کے درمیان سو گیا تھا۔

اسکی بوسکی شلوار قمیض ساری بری طرح سے خاک آلود تھی۔ ولی اللہ نے اپنی لائٹ سی جینز کی جیکٹ اسکے اوپر ڈال رکھی تھی۔

یہ ان دونوں کی پہلی ملاقات بغیر کسی گفتگو کے گئی۔

ولی اللہ اپنا ہر کام بھول کر غازی کا سایہ بن گیا۔ اور غازی خاموشی کی بکل مار کر ماں کا سایہ بن گیا۔ سب نے یہی جانا سمجھتے رہے۔ وہ باپ کیجانے کے غم میں ماں کے قریب ہو گیا ہے۔ ساحرہ کا رویہ بھی قدرے نرم تھا۔ رات کو اسکے پاس سونے کی ضد کرتا وہ سلا لیتی۔

ساحرہ کو بھی ایک دھچکا لگا۔ جب جمال گیلانی نے احمد یار کی موت کے ایک ہفتے بعد خود کو گولی مار لی۔ سکینہ اور غازی کے نام خط میں انہوں نے لکھا تھا۔ وہ سردار خاندان کے مردوں کے قتل کا ذمہ دار خود کو سمجھتے ہیں۔ وہ اس ذہنی بوجھ کے ساتھ نہیں جی سکتے۔

زینب کو ابھی اپنے گرد ہونے والی تبدیلیوں کی سمجھ نہیں تھی۔ وہ بس وقت بے وقت باپ کو یاد کر کے روتی تھی۔ باپ کے سینے پر سر رکھ کر سونے والی زینب کو باپ کہیں نظر نہ آتا۔ جس وجہ سے رو رو کر اسکی صحت پر بڑا اثر پڑا تھا۔ ساحرہ سے وہ نہ سنبھلتی صرف ایک دادی کی گود میں رہ کر پرسکون رہتی۔ اس سے یہ فائدہ ہوا۔ رحمت بی بی کو سنبھلنے میں مدد ملی۔ زینب کی بیماری نے انکو سوگ سے نکال کر زندگی کی طرف مائل کیا۔ وہ اسکو لیے ڈاکٹروں کے پاس پھرتیں۔۔۔ مگر ہجر کے مرض کا علاج تو آج تک کہیں ایجاد ہی نہیں ہوا۔

غازی کا دوست اسکا باپ تھا۔ یار چچا تھا۔ اسکا فین اسکا دادا تھا۔ انکے جانے کے بعد ایک امید نانا کی شکل میں بچی تھی۔ وہ بھی چلے گئے۔ نانی ساحرہ کے ساتھ ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر کے بیٹے کے پاس چلی گئیں۔ دادی کو زینب نے سنبھالا ہوا تھا۔ غازی اکیلا ہو گیا۔ اس تنہائی نے اسکی شخصیت میں وہ تباہی برپا کی جس سے نکلنے میں اسکو زمانے لگے۔ غازی اپنے خول میں بند ہو گیا۔

جو ہر وقت کسی نہ کسی موضوع کو پڑھ کر اسکے بارے میں دوسروں کو بتانا پسند کرتا تھا۔ سننے والے کان ڈھونڈتا تھا۔ اب وہی کان اسکی آواز سننے کو ترستے تھے۔

ساحرہ نے کچھ عرصہ سفید چادر اوڑھ کر گزارا مگر جو بات آپ کی فطرت میں ہی نہ ہو۔ وہ رات کے رات پیدا نہیں ہو سکتی۔

دوسری طرف ابراہیم اس سے ملنے کو بے قرار تھا۔ دونوں کو جب بھی وقت ملتا فون پر گفتگو کر لیتے۔۔ پر یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا جب ساحرہ باپ کے خالی پڑے گھر میں شفٹ ہو گئی۔ زینب تو دادی کو چھوڑ کر نہ آئی۔ پر غازی

ماں کے ساتھ ہی آیا۔

ابراہیم ساہی کو بھی کھلا راہ مل گیا۔ جب چاہے آتا جب چاہے جاتا۔۔۔

ساحرہ نے یہ غور کرنے کی کوشش ہی نہ کی آخر غازی سکول کیوں نہیں جاتا۔ دن بہ دن اسکی آنکھوں کے گرد حلقے کیوں بڑھتے جا رہے ہیں۔ وہ راتوں کو سوتا کیوں نہیں ہے؟ اتنے ماہ گزر جانے کے باوجود وہ اپنے باپ کے مرنے پر رویا کیوں نہیں ہے؟ کیا وہ انکو یاد نہیں کرتا؟ یا اتنا یاد کرتا ہے کہ خود اپنا آپ کہیں کھوتا جا رہا ہے۔

ساحرہ کو ایک نئی آنے والی زندگی نے مگن کر دیا۔ پہلے بچوں کو نا قابل توجہ جاننے والی اس دفعہ ایک ایک بات نوٹ کر رہی تھی۔

غازی نانا کے کمرے سے نکل کر سیٹنگ روم کی طرف آیا۔ تو وہاں سے آنے والی آوازوں نے اسکے قدم روک دیئے۔۔۔

''مجھے تو ایسا لگتا ہے۔ میں پہلی دفعہ ماں بن رہی ہوں۔''

''یقین مانوں تم آج کل اتنی حسین ہو گئی ہو۔ میرا جی نہیں چاہتا تمہارے پاس سے اٹھ کر جانے کا۔ میں تو کہتا ہوں۔ غازی کو بھی اسکی دادی کے حوالے کرو۔ تاکہ ہم لوگ اپنی رہائش میں شفٹ ہوں۔ وہ ان لوگوں کا خون ہیں۔ ہمارے کبھی نہیں بن سکتے۔ ہماری اولاد یہی ہے۔ جواب آ رہی ہے۔''

غازی کی رگوں میں لاوا دوڑ گیا۔ اندر جو شخص اسکی ماں کے پہلو میں لگا بیٹھا تھا۔ وہ ہی غازی کی برداشت سے باہر تھا۔ اور وہ ایک اور کی آمد کا ذکر کر رہا تھا۔

غازی دبے پاؤں وہاں سے ہٹ گیا۔

گیٹ سے نکلتے وقت اسکو اس بات کا اندازہ نہیں تھا۔ اس کے پیچھے ایک گاڑی آ رہی تھی۔

وہ گیٹ سے نکلا اور بھاگنے لگا۔ دس پندرہ منٹ تک تیز تیز بھاگنے کے بعد وہ کسی چیز کی ٹھوکر لگنے سے راہداری میں منہ کے بل گرا تھا۔

وہیں اندھیرے میں لیٹ کر درد سے کراہتا رہا۔ چہرے پر یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے کسی نے تیزاب پھینک دیا ہو۔

گاڑی والا نکل کر بڑے بڑے ڈگ بھرتا اسکی جانب آیا تھا۔

قریب آ کر غازی کے اوپر جھکا۔

"تم ٹھیک ہو؟۔۔"

غازی نے ایک آنکھ تھوڑی سی کھول کر سامنے موجود آدمی کو دیکھا۔مگر آنکھ کے اوپر چھا جانے والی سرخ چادر نے چہرہ واضح نہ ہونے دیا۔

"تمہیں چوٹ آئی ہے غازی چلو میرے ساتھ۔۔"

"میں اجنبی لوگوں کیساتھ کہیں بھی جانا پسند نہیں کرتا ہوں۔"

"میں اجنبی نہیں ہوں۔ میں تمہارے پاپا کا دوست ہوں۔ میں نے تمہارے نانا کے لیے بھی کام کیا ہوا ہے۔ مجھے اپنا دوست سمجھو۔چلو آؤ ڈاکٹر کے پاس چلیں تمہارے ماتھے سے خون نکل رہا ہے۔"

"باپ اور نانا کا حوالہ سن کر وہ اسکے ساتھ ہو لیا۔

ڈاکٹر نے کٹ صاف کر کے ٹانکے لگائے۔۔۔چہرے کی ایک سائیڈ بری طرح چھیلی گئی تھی۔اس کے اوپر مرہم لگا کر ٹیٹنس کا ٹیکا لگایا۔ساتھ میں درد کے لیے دوا دی۔

وہ لوگ وہاں سے نکلے ہی تھے۔جب غازی نے بڑے مضبوط لہجے میں استفسار کیا۔

"میں اپنے پاپا کے سب دوستوں سے واقف ہوں۔ میں نے کبھی بھی آپکو انکے ساتھ نہیں دیکھا۔نہ کبھی انکی زندگی میں آپ ہمارے گھر آئے۔پہلی دفعہ آپکو میں نے اپنے پپا اور۔۔۔" آگے وہ چپ کر گیا۔

"غازی کھانا کب کا کھایا ہوا ہے؟۔۔"

"مجھے یاد نہیں ہے۔آپکو کیا؟۔۔میں کھانا کھاؤں یا نہ کھاؤں آپ ہوچھنے والے کون ہوتے ہیں؟ آپ ہیں کون؟؟"

"میں ایک بھٹکا ہوا انسان ہوں۔کبھی میرا بھی ایک گھر تھا۔ایک بڑی پیاری سی بہن تھی۔نوکری تھی۔پھر کسی نے سب کچھ چھین لیا ہے۔تمہاری ماں اور اسکے نئے شوہر نے میری بہن کا قتل کیا ہے۔میں تو ابراہیم ساہی کے پیچھے تھا۔مگر آگے سے تم سامنے آ گئے ہو۔اب مجھے لگتا ہے۔تمہارے غم کے سامنے میرا غم بڑا چھوٹا ہے۔"

"میں جانتا ہوں میرے گھر والوں کا قتل کس نے کیا ہے۔ میں اپنے باپ کے قتل کا بدلا لینا چاہتا ہوں۔"

"تم بہت چھوٹے ہو غازی اور بچے ایسی باتیں نہیں کرتے۔ تمہارے پھوپھا لوگوں نے نامعلوم افراد کے خلاف پرچہ کروادیا ہے۔ پولیس تفتیش کر رہی ہے۔ بہت جلد قاتل پکڑے جائیں گے۔"

غازی استہزائیہ ہنسا۔۔۔۔

"پولیس تفتیش کریگی بھی تو انکو نہیں پکڑے گی۔ جنہوں نے یہ سب کروایا۔ گولی چلانے والوں کو پکڑ بھی لیں۔ تو میرا کوئی فائدہ نہیں کرنے والے۔ باپ میرا گیا ہے۔ دادا میرا گیا ہے۔ میرا چاچو مجھ سے چھینا گیا ہے۔ اور مجھے تفتیش کیے بغیر ہی اپنے دشمن کا چہرہ ازبر ہے۔ میں اسکو چھوڑونگا نہیں۔۔۔"

"غازی تمہاری ہر بات سچی ہے۔ پر یار اس وقت اپنی دادی اور بہن کو سنبھالو۔ اپنا سکول واپس شروع کرو۔ بدلا لینا ہے ناں تو میں تمہارا بدلا لے لونگا۔ جیسے اس نے ہمارے بندے مروائے ہیں۔ کہوں گے تو میں انکے خاندان کا ہر فرد ختم کر دونگا۔ مگر تم میرے ساتھ وعدہ کرو۔ تم کوئی غلط قدم نہیں اٹھاؤ گے۔۔۔"

غازی بڑی دیر تک اسکی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلادیا۔

اس کے کہنے پر ولی اللہ نے اسکو واپس گھر پر اتار دیا۔

غازی اندر آیا۔ ساحرہ اور ابراہیم بیڈروم میں جا چکے تھے۔ وہ خاموشی سے نانا والے کمرے میں آ گیا۔

کمرہ اندر سے لاک کیا۔ نانا کی الماری کھولی انکا پسٹل نکالا۔ گولیوں کا باکس نکالا اینڈ پر نانا کا آخری خط نکال کر سب کچھ ترتیب سے بیڈ پر رکھا۔

اس نے میگزین کھول کر ایک ایک کر کے اسکو گولیوں سے بھرا۔

ذہن میں یہ تصویر چل رہی تھی۔ کیسے نانا نے خود کو گولی ماری؟ اس نے میگزین لگا کر گولی چڑھائی اور پسٹل کی نالی عین اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھی۔ آنکھیں زور سے میچ لیں۔۔

آنکھیں بند کرتے ہی پردے کے پیچھے اسکے باپ کا چہرہ نظر آیا۔ جاندار ہنستا جاگتا۔۔۔ بیٹے کی کامیابیوں پر فخر سے اسکو دیکھتے ہوئے۔ گڑیا کو گود میں اٹھا کر پیار کرتے ہوئے۔۔ ڈنر کی میز پر ساحرہ کی بے نیازیوں کو اپنے ہلکے پھلکے لطیفوں سے چھپاتے ہوئے۔ اس نے جیب میں سے باپ کی گھڑی نکال کر اپنے بازو پر باندھی۔

بازو پتلا اور گھڑی کھلی تھی۔

اسکی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔ پسٹل دوبارہ ٹھوڑی کے نیچے رکھ لیا۔ کیونکہ پولیس رپورٹ کے مطابق نانا نے خود کو گولی اسی زاویے سے ماری تھی۔

اب اس کے چہرے پر بلا کا کرب تھا۔ سامنے پردے پر محمد یار کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ کرکٹ کھیلتے ہوئے' باغیچے میں ریس لگاتے ہوئے' ٹاپ گیئر دیکھتے ہوئے۔ پھر محمد یار کا چہرہ آغا جی کے چہرے میں بدل گیا۔

شفیق سے آغا جی محبت کرنے والے۔ گھنٹوں بیٹھ کر غازی سے اسکی پسند کے موضوع سننے والے۔ بے جی کے سامنے بچوں کو ڈانٹ کر بے جی چڑانے والے۔۔۔ پھر نانا جی آئے۔۔ اداس پریشان۔۔۔ روتے ہوئے۔ جیسے وہ احمد یار کی وفات پر روئے تھے۔ جیسے انکا جوان بیٹا چلا گیا ہو۔

دو تین گھنٹے اسکو یونہی بیٹھے بیت گئے۔

جب گھڑی کی سوئیوں نے رات کے دو بجائے تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی قمیض کی جیب میں چابی کی تصدیق کر کے دبے پاؤں ماں کے بیڈ روم کی جانب بڑھ گیا۔

بغیر کوئی آواز پیدا کیے اس نے لاک کھولا۔ دروازہ ہلکا سا کھلا چھوڑ کر بیڈ کے قریب آیا۔

ابراہیم ساہی ساحرہ کے وجود کو بانہوں میں بھر کر ہلکے ہلکے خراٹے بھر رہا تھا۔ غازی نے پوری نفرت سے اسے دیکھتے ہوئے۔ پسٹل کی سرنالی اسکے ماتھے پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔

ساحرہ کو یوں لگا جیسے کان کے پردے پھٹ گئے ہوں۔۔ کتنی دیر تو سمجھ ہی نہ آیا۔ ہوا کیا ہے۔ جب غازی نے مین لائٹ روشن کی۔۔۔ تو ساحرہ نے پھٹی آنکھوں سے بیٹے کی لال آنکھوں کو دیکھا۔ پھر اسکے ہاتھ میں پسٹل دیکھا۔ جیسے ہی اپنے برابر پڑے بے جان وجود پر توجہ گئی۔۔ ساحرہ کہ چیخوں سے سارا گھر بھر گیا۔ وہ ہزیانی انداز میں چیختے ہوئے گرتی پڑتی بیڈ پر سے اتر کر کارپٹ پر بیٹھ کر کانپنے لگی۔

''غازی یہ تم نے کیا کر دیا۔۔۔!! تم ایسا کیسے کر سکتے ہو۔۔!! تم نے ابراہیم کو مار دیا۔''

''اپنی ناپاک زبان سے میرا نام مت لیں۔ میرے پاپا نے میرا نام غازان رکھا ہے۔ اسکا مطلب جانتی ہیں کیا ہے؟ مجاہد۔۔۔ حق کے لیے لڑنے والا۔۔۔ اور یہ جو لاش دیکھ رہی ہیں ناں۔۔۔ یہ میں نے اپنے باپ

کے خون کا بدلا لیا ہے۔"

"کیا تم پاگل یو گئے ہو ابراہیم نے تمہارے باپ کو نہیں مارا ہے۔ وہ تو تم سے بڑی محبت کرتا ہے۔ پلیز ڈاکٹر کو فون کرو غازی نہیں تو یہ یہاں خون بہنے سے مر جائے گا۔"

نوکر بھاگتے ہوئے آئے تھے۔ جنہیں غازی نے وہیں سے پلٹ جانے کا حکم دیا۔ ولی اللہ نے اپنی گاڑی میں فائر کی آواز سنی تو نکل کر اندھا دھند بھاگتا ہوا انکے گھر کی جانب آیا۔

"یہ مر جائے گا نہیں مر چکا ہے۔ اور یہ آپ کہہ رہی ہیں کہ قتل ابراہیم نے نہیں کیا۔ یقیناً سچ ہی کہا ہے کیونکہ قتل ابراہیم نے نہیں ابراہیم کے بڑے بھائی کے آدمیوں نے کیئے تھے۔ اور یہ سب آپ کے کہنے پر ہوا تھا۔ آپ اس دن اس آدمی کو فون پر رو رو کر یہ بتاتے ہوئے کہ احمد یار آپکو مارنے لگا ہے۔ ابراہیم کچھ کرو۔ یہ لوگ مجھے مار دینے والے ہیں کیونکہ میں نے زنا کیا ہے۔ اور آپ کے وفادار کتے ابراہیم نے میرے گھر کے تمام مرد ختم کر دیئے۔ کیا ملا آپکو مجھ سے میرا باپ چھین کر؟ اپنا باپ مار کر؟ آج آپ میرے سامنے اس آدمی کی ہونے والی اولاد لیے پھر رہی ہیں۔ اتنے لوگوں کی زندگی سے کھیل کر آپ رات کو اتنی پر سکون سو کیسے جاتی ہیں؟ آپ کو ڈر نہیں لگتا؟ آپ کو شرم نہیں آئی؟۔ آپ جو کچھ مرضی کرتیں ایک چھوڑ دس آدمیوں کے ساتھ تعلق قائم کرتیں۔ پر مجھ سے میرا باپ تو نہ چھینتیں۔"

"بابا کی چارپائی کے نیچے انکے جسم سے بہنے والے خون کی ایک چھپڑی لگی تھی۔ وہ تازہ خون میری آنکھوں کے سامنے سے نہیں جاتا۔ وہ خون میرا مذاق اڑاتا ہے۔ کہتا ہے غازی تیری ماں نے تیرے باپ کو اسکے باپ اور بھائی سمیت مروا دیا۔ آج کے بعد آپ میری ماں نہیں ہیں۔ قیامت والے دن میں اللہ سے پوچھونگا مجھے ایسی عورت کے بطن سے پیدا کیوں کیا۔ جس میں وفاداری ہی نہ تھی۔ مجھے ایسی گالی جیسی ماں کیوں دی۔ جو ایک مرد کے نکاح میں رہتے ہوئے دوسرے مرد کا بچہ لیے پھر رہی ہے۔"

"آپ نے ایک چودہ سالہ غازی کے ہاتھ سے کتابیں چھڑوا کر بندوق پکڑنے پر مجبور کر دیا۔ میرے کندھے تو بستے کا بوجھ اٹھانے کے لیے بنے تھے۔ آپ نے میرے کندھوں پر خون کا بوجھ ڈال دیا۔ میرا بچپن چھین لیا۔ مجھے بوڑھا کر دیا۔"

"عدالتیں آپ کو دس بار بھی پھانسی دے دیتیں۔میرے اندر کی آگ نہیں بجھ سکتی تھی۔جب تک میں اپنے ہاتھوں سے اپنوں کے خون کا بدلا نہ لیتا۔۔۔"

"غازی۔۔!!یہ کیا کر دیا ہے؟۔اب رک جاؤ۔لاؤ پسٹل میرے حوالے کر دو۔"

ولی پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ وہاں پہنچا تھا۔غازی کی جانب بڑھا ہی تھا۔جب اس نے پسٹل کا رخ ولی کی طرف موڑ دیا۔

"یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔آپ یہاں سے جا سکتے ہیں۔اگر ایک قدم بھی میری جانب بڑھایا۔میں خود کو گولی مار لونگا۔"

وہ سرخ خون ابلتی آنکھوں سے پسٹل اپنی کنپٹی پر رکھ کر چیخا تھا۔ولی بے اختیار چار قدم پیچھے ہٹ گیا۔دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر غازی کو روکنا چاہا۔

"غازی۔۔۔پلیز یار میری بات سن لو۔۔۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا آپ اس عورت کو پیپر پین دیں۔تا کہ یہ اپنا بیان لکھ سکے۔۔۔"

ولی نے اپنی جیب سے پین برآمد کیا۔اور نوکر کاپی لے آیا۔۔۔

"غازی کسی نہ کسی نے پولیس کو فون کر دیا ہوگا۔میری بات مان لو پسٹل مجھے دیکر یہاں سے چلے جاؤ۔۔"

"آپ میرا وقت ضائع کر رہے ہیں۔اگر مزید ایک لفظ بھی بولے تو میں اپنے آپ کو شوٹ کر دونگا۔میری بات کو مذاق مت سمجھنا۔۔۔"

اسکے بعد ولی بے بسی سے اسکو دیکھتا رہا۔اس نے ساحرہ سے بیان لکھوایا۔

"میں ساحرہ جمال اپنے بقائی ہوش و حواس میں یہ اعتراف کرتی ہوں۔میرا ابراہیم ساہی کے ساتھ ناجائز رشتہ تھا۔جس کی خبر میرے شوہر کو ہوگئی۔جب مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مجھے میری حرکت پر جان سے مار دیگا۔میں نے ابراہیم ساہی سے کہہ کر اسکو اور اسکے بھائی باپ کو مروا دیا۔میرے والد کو یہ سچ معلوم ہو چکا تھا۔اسلیے انہوں نے اپنی جان لی۔میں اتنے سارے قتل کرنے اور چار خاندان تباہ کرنے کے بعد خود کو بھی سزا دے رہی ہوں۔میں نے ابراہیم کو گولی مارنے کے بعد اپنی جان لی ہے۔۔۔"

ساحرہ نے روتے ہوئے کانپتے ہاتھوں سے لکھنا مکمل ہی کیا تھا۔ جب دور سے پولیس سائرن کی آواز آنے پر ساحرہ کے چہرے پر امید جاگی۔۔۔ پر اگلے پل پسٹل سے نکلنے والے شعلے نے سب امیدیں توڑ دیں۔۔۔ ساحرہ کا بے جان وجود اور غازی کی بے جان ہوتی انگلیوں سے پسٹل چھوٹ کر ایک ساتھ ہی کارپٹ پر گرے تھے۔۔۔۔۔

ولی اللہ کو امید نہ تھی۔ وہ اتنی جلدی فائر کر بھی دے گا۔ مگر سارا کھیل ختم ہو چکا تھا۔

پولیس کی گاڑیوں کی آواز نزدیک آتی جا رہی تھی۔

ولی کا دماغ کام کرنے لگا اس نے پسٹل اٹھا کر صاف کرنے کے بعد ساحرہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ غازی کو بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا کمرے سے باہر لایا۔ باہر کی جانب دورازے میں لگی چابی نکال کر ہینڈل کو اندر باہر دونوں جانب سے صاف کر کے۔۔ غازی کو کھینچتا ہوا لیکر گھر سے باہر نکلنے سے پہلے نوکروں پر دھاڑا "تم میں سے کوئی بھی غازی کا نام نہیں لے گا۔۔ سنا تم نے غازی یہاں تھا ہی نہیں۔۔۔ وہ کل کا اپنی دادی کے پاس ہے۔"

تقریباً غازی کو گھسیٹتے ہوئے وہ گاڑی تک لایا۔ اسکو اندر بیٹھانے کے بعد سیکنڈوں میں گاڑی وہاں سے نکال لے گیا۔۔۔ اس رات کا دن نکلنے سے پہلے ولی اللہ' رحمت بی بی کو انکے پوتے پوتی سمیت لاہور سے بڑی دور لے گیا تھا۔ رحمت بی بی کے پاس اب یہ دو بچے ہی رہ گئے تھے۔ جنکو دنیا سے بچا کر اپنے پروں کے نیچے چھپا کر وہ اپنی ننھیال میں آگئیں۔

یہاں پر فدا حسین مری جو کہ نعمان کے والد بھی ہیں۔ وہ رحمت بی بی کے ماموں زاد بھائی کا بیٹا بھی ہے۔ اوپر سے ولی اللہ کے خاص دوست انہوں نے اس لٹے پٹے قافلے کو سمیٹ لیا۔

رحمت بی بی کو لگا تھا۔ نئی جگہ پر آ کر غازی بھی نارمل زندگی کی طرف مائل ہو جائے گا۔ یہی سوچ کر اسکا داخلہ نعمان والے سکول میں ہی کروا دیا۔

مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ غازی میں سے نرمی' تحمل' برداشت جیسی چیزیں کہیں غائب ہو چکی تھیں۔ وہ ہر بات پر جھگڑنے کے مواقع ڈھونڈتا۔ دو دفعہ سکول میں لڑکے کو مار کر ایک دفعہ اگلے کی ناک توڑ دی۔ دوسری دفعہ

سر پھوڑ دیا۔ تیری دفعہ کی نوبت آنے سے پہلے ہی پرنسپل نے سکول سے اسکا نام خارج کر دیا۔

دوسرا اسکول بدلا۔۔ پھر تیسرا۔۔ ہر دفعہ یہ اتنی لمبی شکایات کی شیٹ آتی۔ پڑھائی میں وہ صفر تھا۔ کلاس میں بیٹھ کر سگریٹ پیتا۔۔۔ استادوں کو آگے سے گالیاں دے دیتا۔ رحمت بی بی کو اب کوئی امید نہ رہی تھی۔ وہ پرانا غازی بھی اپنے باپ دادا کے ساتھ ختم ہو گیا تھا۔

نئے غازی کو عورت کے نام سے نفرت تھی۔ اپنی چھ سات سال بہن پر پابندیاں لگاتا کہ وہ باہر نہیں جائے گی۔ سکول نہیں پڑھے گی۔

ولی اللہ فدا حسین سے ملنے کے لیے آیا۔ اتفاق سے غازی کے خیالات اپنے کانوں سے سن لیے جوان دنوں پڑھائی مکمل طور پر چھوڑ کر گھر میں بیٹھا ہوا تھا۔

ولی اللہ نے رحمت بی بی سے اجازت لی۔ وہ بھلا ولی کو نہ کیسے کہتیں۔ اسی کی کوششوں. کی وجہ سے غازی ماں کے قتل کے الزام میں حالات کی. بجائے باہر آزاد زندگی گزار رہا تھا۔ اور اس دنیا سے روٹھے بچے کو زبردستی اپنے ساتھ اپنی دنیا میں لے آیا۔

پہلے پہل تو غازی نے جان چھڑوانے کی کوشش کی۔۔ مگر جب دیکھا کہ یہاں سے بھاگ کر بھی کہیں نہیں جایا جا سکتا۔ اس نے ضد چھوڑ دی۔ ولی اللہ نے اسکو جسمانی مشقت سے متعارف کروا کر اپنے اندر کے غصے اور نفرت کو قابو کرنا سکھایا۔ کشتی کرواتا' جوڈو کراٹے ہوتے' ہر روز اسکے ساتھ مقابلے پر دوڑ لگاتا' اسکی خوراک پر خاص توجہ دی' جو جو مشقت اپنے کمانڈو بننے کے دوران ولی اللہ نے اٹھائی تھی۔ اس نے غازی کو بھی پر اسی بھٹی سے گزارا۔۔ دن کو وہ مختلف ٹریننگ سٹنٹ کرتا۔ رات کو پڑھتا۔۔ کتابیں پڑھنے کا تو وہ شروع سے جنونی تھا۔ مگر پہلے جہاں وہ صرف سائنس پڑھتا تھا۔ اب ولی اللہ نے پہلے اسکو قرآن کا ترجمہ شروع کروایا۔ اور ساتھ میں ہر روز کوئی دس مختلف آرٹیکل پڑھنے کو دیتا۔ جو کہ ہر موضوع پر ہوتے۔ دنیا کے سیاسی حالات' جنگی حالات' مالی حالات' کس ملک کو کس پالیسی سے فائدہ ہو رہا ہے۔ کس کا کہاں کیسے نقصان ہوا۔ کیسے لوگوں کی نظروں کو اپنی جانب متوجہ کیے بغیر عام لوگوں میں گھوم پھر کر اپنی مطلوبہ معلومات لینی ہے۔ اپنا ٹارگٹ لینا ہے۔

ہر قسم کے ہتھیار سے لیس ہو کر لڑنا۔۔۔ چاقو سے اپنا دفاع کرنا۔ اپنے اندرونی جذبات کو اپنی جگہ پر رکھ کر

کام کرنا۔کبھی بھی کسی بے قصور کو پسنے نہیں دینا۔۔۔اور ایسی بہت سی باتیں اسکے گھٹی میں ڈال دی گئیں۔پورے دو سال وہ گھر سے دور رہا تھا۔اور دو سالوں بعد واپس آیا تو رحمت بی بی کو یوں لگا جیسے ایک طویل رات گزر جانے کے بعد روشن سویرا طلوع ہوا ہو۔۔۔

☆......☆......☆

''غازی۔۔؟۔''

''جی پھوپھو۔۔۔''

''تو اسکا مطلب ہے۔میں یہ سمجھوں کہ تم اسکو ڈھونڈنے میں ناکام ہو گئے ہو۔''

غازی نے مسکراتے ہوئے اپنی چھوٹی پھوپھی کو دیکھا۔جن کے چہرے پر شرارت رقم تھی۔

''نہیں ناکام تو نہیں ہوا ہوں۔بس یہ کہہ سکتی ہیں کہ وہ ابھی مجھے ملی نہیں ہے۔''

''بیٹا جی بات تو ایک ہی ہوئی۔''

''ایک ہی نہیں ہے ناں۔ویسے آپ میرے ساتھ ہیں۔یا میرے دشمنوں کے ساتھ۔؟۔۔''

''ہائے اللہ رحم کریں ادھر تو سارے تمہارے گھر کے لوگ موجود ہیں۔دشمن تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

''ارے میری بھولی ماں یہ سارے کے سارے میری بیوی کو میرے خلاف ورغلا کر دور کرنے والے ہیں۔اور نہیں تو یہ اپنی بھتیجی سے پوچھ لیں۔اسکو علم ہے وہ کدھر ہے۔پر مجال ہے جو مسز ایک کو شرم آ جائے۔''

''ایکسکیوزمی مسٹر غازان خان بے شرموں کے منہ پر شرم کی بات ذرا جچتی نہیں ہے۔''پاس بیٹھی زینی نے ادھر ہی حساب بے باک کر دیا۔

''بڑے بھائی کے ساتھ زبان درازی خود کرتی ہو۔اور پھر بے شرم بھی میں ٹھہرا۔۔۔واہ تمہارے کیا کہنے ہیں۔''

''میرا بھائی؟ کونسا بھائی؟ میرا بھائی جو ہے۔اسکو میں نے وقتی طور پر چھوڑ دیا ہوا ہے۔جب تک کہ وہ میری بھابھی سے معافی مانگ کر اسکو منا نہیں لیتا۔تب تک وہ میرا بھائی نہیں ہے۔''

''دیکھ رہی ہیں پھوپھو میرے خلاف یہ سازش چل رہی ہے۔یہ چاہتی ہے۔میں مرد ہو کر ایک عورت کے

سامنے اپنی ناک رگڑ روں۔۔ ویسے زینی آپس کی بات ہے۔تم اس پنک فراک میں بالکل گڑیا لگ رہی ہو۔ تمہارا تو آج کل اسکے ساتھ روز کا رابطہ ہے۔اس کے پاس نمبر کونسا ہے؟ ملکی یا کوئی غیر ملکی؟؟۔''

اس کی بات پر زینب اور پھوپھو کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''مسٹر چارمنگ تم چاہے جتنے مرضی مسکے لگا لو۔اسکا نمبر میں تمہیں کبھی نہیں دونگی۔تم نے ہم سب کو پاگل بنایا۔سب سے سچ چھپایا۔تمہاری وجہ سے اس نے ہم سب کو چھوڑ دیا۔کیونکہ وہ سمجھتی رہی ہم لوگ جانتے تھے۔ اب میرے شوہر نے سب کی جانب سے صفائیاں دے دیکر اسکا دل صاف کیا ہے۔تب کہیں جا کر اس نے مجھ سے بات کی تھی۔تمہاری وجہ سے میری اتنی پیاری دوست بچھڑتے بچی ہے۔''

''یار بچھڑ کر بھی اس نے کہاں جانا ہے۔آنکھیں بند کر کے آتیں اس نے میرے ساتھ ہی ہونا تھا۔اب تم لوگوں نے اسکو شیر کر دیا ہے۔میرے کنٹرول سے باہر ہوئی پڑی ہے۔''

''تمہارا علاج ہی یہی ہے۔اچھا ہو رہا ہے۔بہت ہی اچھا ہو رہا ہے۔''

ایک ہاتھ میں فروٹ چاٹ کی پلیٹ لیکر آیا۔جو زینی کو پکڑا دی۔غازی کو تو تپ ہی چڑھ گئی۔

''نو ماہ ہوئے ہیں تمہاری شادی کو اور تم نے اپنی بیوی کو کھانے کھلا کھلا کر موٹا کو پا بنا دیا ہوا ہے۔کچھ اسکا قد ویسے ہی چھوٹا ہے۔ورک آوٹ کرتے بھی میں نے اسکو ایک دفعہ نہیں دیکھا۔پوری گیند بنی ہوئی ہے۔''

زینی مزے سے چمچ بھر کر منہ میں رکھتے ہوئے بولی۔

''اے اجنبی انسان ہمارے گھر کے معاملات میں دخل دینے سے گریز کرو اور خبردار جو میرے شوہر کو انڈر پریشر کرنے کی کوشش کی ویسے بھی لمبا ہو کر میری عقل تمہاری طرح گھٹنوں میں ہی جانی تھی۔''

''زینی تم نے مجھ سے پٹنا ہے۔''

''ہاتھ بھی لگا کر دیکھو۔۔۔تمہاری بیوی میرے شوہر کی بہن ہے۔ہم اپنی لڑکی واپس بلوا لیں گے۔''

''بی بی جی لڑکی میرے حوالے کرو گے تو واپس کروں ناں۔۔۔''

''اوہ میں بھول گئی۔۔۔وہ تو خود ہی تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔''

''اس کی تو ایسی کی تیسی۔۔۔''

”پھر تم اپنے سالے کے سامنے اسکی بہن کو ایسے بول رہے ہو۔“

”ایک کیا تم میرے سالے ہو؟۔۔“

”جی سر۔۔“

”سر کس کو بول رہے ہو نا معقول۔۔“

”آپ کو سر۔۔۔اور سر میری مسز بالکل بھی موٹی نہیں ہیں۔وہ دراصل آپ ماموں بننے والے ہیں۔“

زینب نے اپنا سر پیٹ لیا۔پھوپھو ہنس ہنس کر دہری ہو رہی تھیں۔جبکہ غازان سوالیہ نظروں سے کبھی زینب کو دیکھتا کبھی پھوپھو کو۔۔۔

”کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟۔“

”تو اور کیا جھوٹ کہے گا۔کیا تم پہلے سے نہیں جانتے ہو؟۔“

پھوپھو کے کہنے پر اس نے منہ بنایا۔۔

”بس دیکھ لیں۔میری کیا حیثیت ہے۔اکلوتا ماما ہوں۔اور مجھے ہی کسی نے نہیں بتایا۔“

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ایبک کو گلے لگا کر مبارکباد دی۔تو وہ معصومیت سے بولا۔

”سر اب تو چند دن ہی رہ گئے ہیں۔پھر اپنے بھانجے کو لائیو پکڑ کر ہی مبارکباد دے دیجیے گا۔“

وہ خوشی سے سر ہلاتے بولا۔۔۔

”یہ بھی کر لیں گے یار۔۔۔بھانجے کو آنے تو دو ذرا۔۔۔“

آگے بڑھ کر بہن کی پیشانی چوم کر دعا دی۔

زینب کی آنکھیں بھر آگئیں۔

”میرا بیٹا سب سے پہلے اپنی اکلوتی مامی کو دیکھنا چاہتا ہے۔لہٰذا ان کو ڈھونڈ کر لائیں۔“

”یہ تم سے تمہارے بیٹے نے کہا ہے؟۔۔“

”کوئی شک ہے؟۔۔“

”نہیں بھئی آخر تمہارا بیٹا ہے۔کچھ بھی کہہ اور کر سکتا ہے۔“

''جی بالکل۔۔۔اور اب اگر یاد آجائے کہ ہم لوگ سدرہ باجی کی شادی پر موجود ہیں۔تو کیا خیال ہے۔ چل کر سٹیج پر انکو شادی کا تحفہ ہی دے آئیں۔یا صرف کھانا کھانے آئے تھے۔''

''اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے نظر اٹھا کر سٹیج کی جانب دیکھا۔جہاں سدرہ اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ارد گرد اسکے بہن بھائی امی ابو اور سسرالی موجود تھے۔فوٹو گرافر شوٹ لینے میں مصروف تھے۔

''سدرہ کو اسکا تحفہ میں نے پہلے ہی دے دیا ہے۔پھوپھی کو اس شادی پر راضی کر کے۔مزید کی گنجائش نہیں ہے۔کیوں پھوپھو۔۔؟۔۔''

اس نے دلکشی سے مسکراتے ہوئے اپنے ساتھ بیٹھی چھوٹی پھوپھو کا ہاتھ تھاما۔۔۔

''یہ بات سچ ہے۔غازی بیچ میں نہیں آتا۔تو نوشابہ آپا نے کبھی بھی سدرہ کی شادی اسکے کولیگ نہیں کرنی تھی۔حالانکہ ماضی میں وبرادری کی شادیوں کے ہم نے اتنے بڑے بھگتان بھگتے ہوئے ہیں۔پر آپا کی سوئی آج کے دور میں بھی ادھر ہی پھنسی ہوئی ہے۔بیٹی کی شادی بھتیجے سے ہی کرنا چاہتی تھیں۔۔چاہے بعد میں دونوں ہی ساری عمر ایک دوسرے سے بھاگتے رہتے۔بچوں کی شادیاں انکی رضا سے ہی کرنی چاہیں۔میرے غازی کو تو اتنی پیاری بیوی ملی ہوئی ہے۔ژالے کو دیکھ کر جو پہلی سوچ میرے دماغ میں آئی تھی۔اللہ نے وہی سچ کر دی۔ غازی تم اس رشتے سے راضی تو ہوناں؟۔۔''

جواب غازی کی بجائے رحمت بی بی کی جانب سے آیا تھا۔جو ابھی آکر ان لوگوں کے میز پر بیٹھی تھیں۔

''بھلا اب اس سوال کی کیا تک بنتی ہے۔اگر یہ خوش نہیں تھا۔تو نکاح ہی نہ کرتا۔پہلے ہی اس نے میری بیٹی کو اتنا تنگ کیا ہے۔اب مزید کوئی غلط بات برداشت نہیں کرونگی۔مرد کا فرض ہے عورت کو محبت ' عزت ' تحفظ دینا۔اگر یہ سب نہیں کر سکتا تو اسکو چھوڑ دے۔میں اسکے لیے کوئی قابل لڑکا ڈھونڈ لونگی۔۔۔''

غازی سنجیدگی سے سر جھکا کر خاموش بیٹھا رہا۔جبکہ رحمت بی بی کی اپنی بیٹی بولیں۔۔۔

''اماں یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ آپکے دشمن کی بیٹی ہے۔آپ اسکو غازی پر اہمیت دے رہی ہیں۔''

''اس بیچاری نے کونسا ماں یا باپ کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔میرے لیے وہ میرے ولی اللہ کی بیٹی ہے۔ اگر غازی آج ہمارے ساتھ زندہ سلامت بیٹھا ہوا ہے۔تو یہ ولی اللہ شہید کی وجہ سے ہے۔ورنہ جس قسم کی غازی

کی سوچ ہوگئی تھی۔ ہمارا خاندان آج کہیں پر بھی نہ ہوتا۔ اس اللہ کی نیک روح نے نہ جانے کتنے ڈوبتے ہوؤں کو تیرنا سکھایا ہے۔ اسکی نیکی کا بدلا میں تو کبھی بھی اس صورت میں نہ دوں گی کہ جس بچی کو وہ سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ میں اسے کسی قسم کی اذیت دوں۔ ژالے میری بہو ہے۔ اسکو وہی عزت و مقام ملے گا۔ جو اسکا حق ہے۔

کیوں غازی کیا تمہیں میری کسی بات سے اختلاف ہے۔''

غازی نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔''میری بھلا اتنی جرات۔''

ساتھ ہی زینی سے مخاطب ہوا۔

''مسز ایبک ذرا اپنا فون تو دو سب موجود ہیں ایک یادگاری سیلفی ہو جائے۔ تمہارے فون کا رزلٹ سب سے اچھا ہے۔

زینب نے بیگ میں سے فون نکال کر اسکے حوالے کیا۔ سکرین آن کرنے کے بعد کیمرہ کھولا۔

دو چار گروپ سیلفیاں لیکر فون زینب کو واپس کر دیا۔

اپنی گھڑی کی جانب ایک نظر ڈال کر بولا۔

''اچھا جی مجھے اجازت شام کو یا پھر کل گھر پر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔''

وہ چلا گیا۔ پر ایبک زینب کی جانب دیکھ کر مسلسل مسکرا رہا تھا۔ زینب نے نوٹ کرنے کے بعد وجہ پوچھی تو ایبک نے مسکراتے ہوئے کہا گھر جا کر بتاؤں گا۔ کیونکہ اب وہ زینب کو بتاتا کہ تمہارا بھائی سیلفی لینے کے بہانے تمہارا فون لیکر بدلے میں کوئی اور فون دے گیا ہے۔

جبکہ بہت جلد زینب کو خود ہی پتا لگ جانا تھا۔ یہ اسکا فون نہیں ہے۔

☆......☆......☆

''کاشف تم گھر گئے ہوئے تھے۔''

''جی سر۔''

''تمہارے والدین خیریت سے تھے؟۔''

''جی سر سب خیر ہے۔ نئی جگہ پر وہ اچھے سیٹ ہو گئے ہیں۔ میری والدہ کہہ رہی تھیں۔ ایک دو رشتہ کروانے

والوں سے رابطہ کیا ہے۔ بہنوں کہ شادی جلد کردینا چاہتی ہیں۔ اور مجھے دوبارہ سے اپنی ٹانگوں پر چلتا دیکھ کر انکو یقین نہیں آیا تھا۔ آپ لوگوں کو بہت دعا دیتے ہیں۔"

"انکی مہربانی ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ آگے کیا کرنا ہے؟۔۔"

"سر میں آپکے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ مجھے کہیں اور نہیں جانا ہے۔"

"یہاں ہر وقت جان ہتھیلی پر رکھ کر چلنا پڑتا ہے سکندر یہ کام آسان نہیں ہے۔"

"میں دیکھ چکا ہوں سر مجھے قبول ہے۔"

تبھی نعمان اندر آیا اور غازی کے برابر بیٹھتے ہوئے ایک فائل اسکی جانب بڑھائی۔۔۔

"تمہارے ساتھ دل تو کرتا ہے۔ پکا والا ناراض رہوں پر کام کے لیے بلانا پڑتا ہے۔"

غازی نے ہنستے ہوئے فائل تھامی۔۔۔

"دانت مت نکالو انتہائی فضول لگ رہے ہو۔ کمینے میرے سامنے کیسے ڈرامہ کرتا رہا۔" بہن ہو گی تیری میری تو نہیں ہے۔" مجھے تب ہی سمجھ جانا چاہیے تھا۔ اتنا بڑا ایکٹر ہمارے گھر میں ہے۔"

"مجھے علم ہے تمہیں غصہ میرے پر نہیں اپنے آپ پر ہے۔ کہ کیوں نہ تم میرا جھوٹ پکڑ سکے۔۔ بیٹا رشتے میں ہم تمہارے باپ ہوتے ہیں۔۔۔"

نعمان نے کشن اٹھا کر اسکو مارنا شروع کر دیا۔ جو فل موڈ میں ہنسے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

"سر میں آج کل ایک بات پر غور کر رہا ہوں۔"

گاڑی گاؤں سے دور کھڑی کر کے کھیتوں کی پگڈنڈیوں سے ہوتے ہوئے اس وقت وہ دونوں لمبی لمبی گھاس میں سے پیدل چلتے ہوئے جا رہے تھے۔ گھر نزدیک آ گئے تھے۔

"کس بات پر۔۔؟"

"دیکھیے وہاں پر میں اکیلا تو نہیں تھا۔"

"کہاں پر؟۔"

''ادھر ہی راحیل کے گھر پر۔۔''

''او اچھا اچھا تمہاری سسرال۔۔''

''فار گاڈ سیک سر وہ میری سسرال ہرگز بھی نہیں ہے۔''

''پر یار تم نے انکے لڑکی سے شادی کی ہے۔''

''شادی نہیں نکاح کیا ہے۔وہ بھی اگر آپ میری پوری بات سن لیں۔تو میں عرض کر رہا تھا۔''

آگے خاموشی چھا گئی۔۔۔

تھوڑے وقفے کے بعد بولا۔۔۔

''ادھر معاملہ کیا ہے؟۔''

''معاملہ بڑا سیدھا ہے۔چوہدری عنایت نے پندرہ سال پہلے جب اسکے بچے چھوٹے تھے اور وہ خود شہر میں نوکری کرتا تھا۔تب ان نے اپنی پچیس ایکڑ زمین اپنے چچا کے بیٹے کو ٹھیکے پر دی ہوئی تھی۔جو پہلے پہل ٹھیکا دیتا رہا ہے۔اسکے ساتھ مخلص بھی تھا۔مگر جب اسکے چار بیٹے جوان ہوئے ہیں۔انہوں نے ٹھیکہ دینا بند کیا۔جب عنایت نے اپنی زمین واپس مانگی انہوں نے کہا زمین کے مالک تم نہیں ہم ہیں۔جعلی کاغذات تک لا کر دکھا دیئے۔اب عنایت نے اپنے اصلی کاغذات دکھا کر وکیل سے مشورہ کر کے ان لوگوں پر کیس کر دیا تھا۔اسکے بعد انہوں نے اسکو دھمکی دی ہے۔کیس واپس لیکر زمین ہمیشہ کے لیے ہمارے نام لکھ دو ورنہ اپنی بیٹی کی عزت بھول جاؤ۔ایک ہفتے کا نوٹس دیا ہے۔اگر انکی بات نہ مانی گئی تو وہ اسکی بیٹی کو اٹھا کر لے جائیں گے۔عنایت کے بیٹے ابھی چھوٹے ہیں۔بیٹیاں بڑی ہیں۔وہ شریف آدمی نوکری سے ریٹائرڈ ہوا تو یہ تسلی تھی۔زمین اپنی ہے۔گزارا ہو جائے گا۔زمین تو جا ہی رہی تھی۔اب عزت سنبھالنی بھی مشکل ہو گئی ہے۔دوسری پارٹی اپنے آپ کو بہت بڑا بدمعاش گردانتی ہے۔ہمیں بس انکی پہلوانی دیکھ کر آنی ہے۔اور اوقات یاد کروانی ہے۔۔''

''کیا ہڈیاں وغیرہ سینکنی ہیں؟''

''فی الحال ٹریلر دیکھا کر سمجھانا ہے۔اگر بات دماغ میں نہ بیٹھی تو پھر جو بھی کرنا ہوا کریں گے۔''

''یعنی بڑا مزا آنے والا ہے۔''

''ہاں کہہ سکتے ہو۔''

مطلوبہ مقام پر پہنچ کر دو نقاب پوش لوگوں نے دیوار پھلانگ کر انٹری ماری۔ مختلف کمروں میں سوئے ہوئے پانچ افراد کی تصدیق کرنے کے بعد انکو ایک کمرے میں جمع کیا۔

دونوجوانوں نے سرہانے رکھا اسلحہ نکالنا چاہا۔ مگر وہاں پرزہ پرزہ کھلا ملا۔ جس نے آگے سے گالیاں دینی شروع کیں۔ دو الٹے ہاتھ کے لپڑ اسکی بولتی بند کروا گئے۔ وہ لوگ جتنے بھی ہوشیار بنتے یا خود کو سمجھتے۔۔ ٹرینڈ لوگوں کی پھرتی اور مہارت تو نہیں رکھتے تھے۔

غازی اپنا کام کر چکا تو ولی اللہ نے بولنا شروع کیا۔

''میں گھما پھرا کر بات کر کے تم لوگوں کا اور اپنا قیمتی وقت برباد کرنا نہیں چاہوں گا۔ عنایت علی کی زمین چھوڑ دو۔ اور اگر آج کے بعد اس کی بیٹیوں پر گندی نظر ڈالی یا دھمکی دی تو یاد رکھنا اسی کمرے میں تم پانچوں باپ بیٹوں کے ختنے دوبارہ سے کر کے جاؤنگا۔ اسکے بعد کسی عورت سے تو دور، خود اپنے آپ سے نظر ملاتے شرماؤ گے۔ اور یہ بھی مت بھولنا بیٹیاں تمہارے گھر پر بھی موجود ہیں۔''

دس منٹ کے اندر اندر وہ لوگ وہاں سے نکل آئے تھے۔ گاڑی کے قریب آ کر ولی اللہ نے ٹارچ آن کر کے کھیت پر ڈالی۔ اور اگلے ہی پل خوشی کا اظہار کیا۔

''غازی یار ہم تو خربوزوں کے پاس سے گزر رہے ہیں۔ تب ہی میں کہوں اتنی پیاری خوشبو کہاں سے آرہی ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی ٹانگ پر بندھا چاقو کھول کر ایک خربوزہ بیل سے کاٹ کر ہاتھ میں پکڑ لیا۔

''سر آپکا اور کھانے پینے کا کوئی بڑا ہی گہرا تعلق ہے۔ مجھے آج تک یاد نہیں پڑتا کہ ہم کہیں گئے ہوں۔ اور آگے کھانے والی کوئی چیز نہ ملی ہو۔''

''یہ اللہ کی طرف سے اشارہ ملتا ہے۔ کہ ہم نے اچھا کام کیا ہے۔ باقی باتیں چھوڑو بس یہ کھا کر دیکھو ذرا کھکھڑی تو انت میٹھی ہے۔''

انہوں نے ایک پیس کاٹ کر اسکی طرف بڑھایا۔

''آپ ہر دفعہ اپنے غلط کام میں زبردستی مجھے گھسیٹتے کرتے ہیں۔ خربوزے والا تو یہی سمجھے گا۔ میں نے شوق

سے یہاں ہاتھ صاف کیے ہیں۔"

"یار ایک تو تم آف ڈیوٹی نہیں ہوتے۔اچھا وہ جاتے ہوئے کیا بات کر رہے تھے۔"

دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔حسب معمول ڈرائیونگ پر غازی ہی تھا۔

"اوہ ہاں وہ میں یہ کہنا چاہ رہا تھا۔مجھے کچھ شک سا ہو رہا ہے۔اس مائی نے مجھے ہی کیوں کہا کہ میں انکی لڑکی سے نکاح پڑھ لوں۔یقین مانیے نہ میری شکل' نہ عقل' اور وہ مائی منتیں کیے گئی۔اب سوچتا ہوں تو نہ جانے کیوں یقین سا ہوتا جا رہا ہے۔ہو نہ ہو اس کارنامے کے پیچھے آپکا ہی ہاتھ ہے۔"

ولی اللہ نے زبردست قہقہہ مارا۔۔۔

"تو تم کیا سمجھتے رہے۔ہماری لڑکی سے تمہاری شادی ہوگی۔اور ہم ہی لاعلم ہونگے۔ویسے آپس کی بات ہے۔مجھے امید نہیں تھی۔کہ تم کو علم نہ ہوگا۔ژالے کی تم سے شادی کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔یار جب ژالے کی بات آئے مجھے تم سے زیادہ موزوں انسان اور کوئی نہیں لگا۔ورنہ یقین جانو میرا اپنا بیٹا بھی برا نہیں ہے۔"

"اوہ یس اور آپکا اپنا بیٹا کہیں پر سینگ پھنسا کر بیٹھا ہوا ہے۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔اس نے مجھ سے اجازت مانگی تھی۔میں نے بڑی خوشی سے اجازت دی ہے۔بلاشبہ اسکی پسند زینب لاجواب ہے۔"

"آپ نے ایک کو حق دے دیا پسند کا مجھ پر کیوں مرضی تھوپی ہے؟"

"بس یار کچھ بچے آپکو اتنے عزیز ہوتے ہیں۔آپ انکی زندگی کے ہر معاملے میں ناک ڈالنا پسند کرتے ہو۔پھر انکی سعادت مندی کا بھی یقین ہوتا ہے۔جہاں تک ایک کی بات ہے۔اس نے ایک ہی خواہش کی تھی۔تو پوری کیوں نہ کرتا۔۔۔تمہارے بارے میں بھی اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم اپنی مرضی سے کہیں شادی کرو گے۔تو یہ سب نہ کرتا۔"

"سر پر مجھے یقین نہیں تھا۔آپ مجھے اتنے اوکھے پینڈے میں ڈالیں گے۔"

"غازی زندگی کا کوئی پینڈا اوکھا نہیں ہے۔بلآخر اس نے ختم ہی ہونا ہے۔"

"یہ تو آپ اب فلسفے کے ذریعے مجھے منانا چاہ رہے ہیں۔"

''تم مان چکے ہو۔اب منانے کی کوشش بیکار ہے۔''

''سر انسان مان کر بھی مکر جاتا ہے۔''

''جانتا ہوں۔مگر تم انسانوں کی اس قسم سے تعلق نہیں رکھتے ہو جو مکر جانے والی ہے۔تم اہلِ زبان والے ہو۔جو یہ کہتے ہیں۔جان جاتی ہے تو جائے پر مان نہ جائے۔۔''

''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں۔کاش ویسی زندگی نہ جی ہوتی جیسی جی رہا ہوں۔''

''پھر تم بھی وہ نہ ہوتے جو آج ہو۔یاد رکھو ہماری زندگی کے حالات ہی ہمارا مستقبل بناتے ہیں۔اگر آسانیاں ہی کل سرمایہ ہوں۔تو اللہ کا قرب کیسے ملے؟اگر انسان کو سب کچھ دنیا میں ہی میسر آجائے تو کل کی تمنا میں راتوں کو کون جاگے؟''

''شائد آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

وہ اپنی اور ولی اللہ کی آخری سے پہلی ملاقات کو سوچنے میں اس قدر کھویا ہوا تھا۔جب نعمان نے گاڑی ساہی ہاؤس کے باہر روکی تو باقاعدہ غازان کا کندھا ہلا کر اسکو متوجہ کیا۔

''کہاں کھوئے ہوئے ہو؟''

''کچھ نہیں یار بس ایسے ہی کوئی بات یاد آگئی تھی۔''

''غازی مجھے نہیں لگتا تمہارا افراہیم ساہی سے ملنے جانا کوئی عقل مندی ہے۔وہ بھی یوں اکیلے۔میں ساتھ چلتا ہوں۔''

غازی نے سر گھما کر نعمان کی آنکھوں میں دیکھا۔

''یہ بہت ضروری ہے۔خاص کر ژالے کے لیے۔۔''

اسکے ساتھ ہی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اسکو دیکھتے ہی چوکیدار آگے آیا۔

''جی سر کس سے ملنا ہے؟۔''

''اندر پیغام بھیجو ژالے ابراہیم کا شوہر سردار غازان خان افراہیم ساہی سے ملنے آیا ہے۔''

چوکیدار اپنے کیبن میں لگے انٹرکام کی جانب گیا۔ دو منٹ بعد واپس آیا۔۔

"جائیں جی آپکو اندر بلایا گیا ہے۔ مگر پہلے آپکی تلاشی لینی ہوگی۔"

غازی نے اپنے دونوں بازو تھوڑے کھول کر تلاشی دینے کا اشارہ کیا۔۔

چوکیدار نے اسکی تلاشی لینے کے بعد اندر بھیج دیا۔

لمبی راہداری سے ہو کر وہ آگے آیا تو سامنے ایک چونتیس پینتیس سالہ خاتون کو اپنا منتظر پایا۔

غازی رک گیا۔ سلام میں پہل کی۔۔۔

"وعلیکم اسلام میں سعدیہ ہوں۔"

"جی میں جانتا ہوں۔ آپ ساہی صاحب کی بڑی بیٹی ہیں۔"

سعدیہ نے اپنے سے قد آور انسان کو سر تا پیر غور سے دیکھا۔

ہلکی ہلکی داڑھی، سفید کلف شدہ شلوار قمیض، کالے جوتوں پر ہلکی سی گرد کی تہہ تھی۔ وہ اس گزرے وقت میں ژالے کے حوالے سے اس شخص کو ہزاروں کوسنے دے چکی تھیں۔ پر آج یوں سامنے دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں۔ سعدیہ کو اسکے وجود سے ایک ان دیکھی سی کشش نکلتی محسوس ہوئی۔ اس کو تو آج سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ ژالے کو کہاں پر ملا؟ سنبھل کر سوال کیا۔۔۔

"کیا ژالے ساتھ نہیں آئی؟۔"

"جی نہیں اور نہ ہی اسکو میری یہاں موجودگی کا علم ہے۔ کیا میں ساہی صاحب سے مل سکتا ہوں؟۔"

"آ جائیں میں ابو کے پاس لے چلتی ہوں۔"

مختلف راہداریوں سے ہو کر وہ لوگ ایک بیڈ روم تک پہنچے۔۔

"ژالے کی مہربانی نے ابو کو بیڈ تک محدود کر دیا ہوا ہے۔ پر اللہ کا شکر ہے۔ اب ڈاکٹروں کی کوشش سے خود سے اٹھ کر کھانا وغیرہ کھا لیتے ہیں۔"

اسکو اپنی طرف سے غازی کو شرمندہ کرنا چاہا۔ پر اس نے کوئی ردِ عمل ظاہر نہ کیا۔

"ابو یہ ژالے کا میاں ہے۔ آپ سے ملنے آیا ہے۔"

کمرے میں اس وقت اور لوگ بھی موجود تھے۔ ژالے کا نام سنتے ہی افراہیم کے چہرے پر صدمے کے بعد غصہ ابھرا۔۔۔۔

''میرا ژالے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس آدمی کی وجہ سے اس نے میرے بیٹے کو مروا دیا۔ اسکا شوہر میرے پاس کیوں آیا؟۔۔'' ٹھہر ٹھہر کر بولتے ہوئے افراہیم نے نفرت سے کہا۔

''اسلام علیکم ساہی صاحب آپکے بیٹے کی موت کے پیچھے ژالے کا کوئی لین دین نہیں ہے۔ یہی بتانے کو آج میں خود چل کر آیا ہوں۔''

بولنے کے ساتھ اس نے کرسی کھینچ کر بیڈ کر قریب کی اور کسی کے کہے بغیر ہی افراہیم ساہی کے سامنے تسلی سے بیٹھ گیا۔

''اگر آپ بہتر سمجھیں تو کیا ہم لوگ تنہائی میں بات کر سکتے ہیں؟۔۔''

''تم تنہائی مانگ رہے ہو۔ شکر کرو میرے گھر پر آنے کے بعد ابھی بھی زندہ بیٹھے ہو۔ جو کہنا ہے سب کے سامنے بولو اور جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ میرے آدمی تمہیں اللہ کے پاس بھیجیں۔۔''

وہ افراہیم کی بات پر یوں ہنسا جیسے بچے نے لطیفہ سنایا ہو۔

''جیسے آپ کی مرضی ساہی صاحب۔۔۔تو پھر غور سے سنیں۔۔۔میرا نام سردار غازان خان ہے۔ میں سردار احمد یار خان کا بیٹا ہوں۔ اسی احمد یار کا جسکو آپ نے اپنے بھائی کے کہنے پر قتل کروایا تھا۔ نا صرف میرے والد کو بلکہ میرے چچا اور دادا کو بھی گولیاں ماری گئیں۔ یاد آ گیا ہے؟۔۔''

''آپ کے چہرے کا اڑتا ہوا رنگ اس بات کی گواہی ہے کہ آپ کی یادداشت اچھی ہے۔ غور سے دیکھ لیں۔ میں سردار خاندان کا خون ہوں۔ جس خاندان کے سبھی مرد آج سے پندرہ سال پہلے آپ نے دن دہاڑے مروا دیئے۔۔''

''میں وہ بچہ ہوں۔ جس کے بے قصور باپ کو اس سے چھین لیا گیا۔ اور چھیننے والے آپ تھے۔ یقین مانیے ساہی صاحب اگر آپ کو اس میں حصہ نہ ہوتا۔ تو ابراہیم کو مار دینے کے بعد میرے اندر کہ آگ بجھ جاتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس وقت میں کمزور تھا۔ آپ طاقتور تھے۔ اسلئے مجھے بڑے سال صبر کرنا پڑا۔ تا کہ آپ کا بیٹا جوان

ہو۔تو میں اسکو مار کر آپ سے پوچھوں کہ اب تمہیں احساس ہوا۔ جب زندہ سانس لیتے ہوئے انسان کی رگیں کاٹ دی جاتی ہیں۔تو وہ کس تکلیف سے گزرتا ہے۔''

''ت تمہارے باپ کو میں نے نہیں مروایا تھا۔''

افراہیم کی شکل ہارے ہوئے سپاہی سی تھی۔اور کمرے میں موجود دوسرے لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

''میں جب یہ کہوں ساہی صاحب تو میرا یقین کریں۔اگر آپ کا اس معاملے سے تعلق نہ ہوتا۔میں آپکا بال بھی بیکا نہ کرتا۔آپ کے آدمیوں نے سب سچ بتا دیا تھا۔''

''وہ کیا ہے ناں ساہی صاحب لالچ بڑی بری بلا ہے۔زر اور زن ہمیشہ تباہی کا ہی سامان بنی ہے۔''

''تمہاری دشمنی مجھ سے تھی۔پھر مجھے مارتے میرے بیٹے کو کیوں مارا؟۔۔''

''کیا آپ اپنے کو اس وقت زندوں میں شمار کر رہے ہیں؟۔۔''

''نہیں ناں؟۔۔بالکل ایسا ہی میرے ساتھ ہوا تھا۔میں آج بھی جب ہر صبح اٹھتا ہوں۔تو مجھے ایسے ہی درد ہوتا ہے۔جیسے آج ہی میں یتیم کیا گیا ہوں۔پندرہ سال گزر جانے کے باوجود میرے زخم بالکل ہرے ہیں۔جن سے آج بھی خون رستا ہے۔آگ لگانا بڑا آسان ہے' ساہی صاحب' مگر اسکی آگ کو ٹھنڈا کرنے میں نسلیں ضائع ہو جاتی ہیں۔''

''اب آتے ہیں اس لڑکی کی طرف جس کی وجہ سے میں یہاں ہوں۔میں نہ تو قرآن پر ہاتھ رکھوں گا نہ بڑی بڑی قسمیں کھاؤنگا۔اگر آپ کو یقین نہیں کرنا تو نہ کریں۔مگر حقیقت یہی ہے۔ژالے اور میرا نکاح سے پہلے کیا نکاح کے بعد بھی آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ رشتہ صرف و صرف ولی اللہ صاحب کی خواہش کا نتیجہ ہے۔ژالے کا ماموں ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اپنا حق استعمال کیا ہے۔اب اگر آپکو ژالے کو نقصان پہنچانے کا سوچ کر اسکی تلاش میں نکلنا ہے۔تو یاد رہے وہ میری ذمہ داری ہے۔اور وہ بے قصور ہے۔''

''پچھلے حساب برابر ہوئے ساہی صاحب مگر یہ جنگ آگے بڑھانے کی خواہش جاگی تو ایک سو ایک دفعہ سوچئے گا۔میرے پاس تو کھونے کو کچھ بھی نہیں ہے۔جو خزانہ تھا۔اسے تو سالوں پہلے گنوا چکا ہوں۔اب میں نڈر اور بے باک ہوں۔اور جو رشتے میرے ذمہ ہیں۔انکی حفاظت کرنا بھی جانتا ہوں۔''

"آپکو خیر سگالی کے طور پر اپنی طرف سے ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں۔"

"آپ کے بیٹے نے ایک خفیہ شادی کر رکھی تھی۔"

اس نے جیب میں سے ایک چٹ نکال کر ساہی کے سامنے بیڈ پر رکھی۔

"یہ گلبرگ میں موجود اس گھر کا پتہ اور فون نمبر ہے۔ جہاں راحیل کی بیوہ اور بیٹی رہتی ہیں۔ اس عورت کے خاندان پر نہ جایئے گا۔ بلکہ اپنے بیٹے کی اولاد کو سنبھال لیں۔ یہی بہت ہے۔"

اپنی جگہ سے اٹھا۔۔۔ "مجھے اگر مارنا ہوا تو پیٹھ کے پیچھے سے وار نہ کرنا ساہی اس دفعہ مرد بن کر سامنے سے آنا۔۔۔ اللہ حافظ۔۔"

وہ کمرے کی بوجھل فضا میں موجود افراد کو ساکت کھڑا چھوڑ کر وہاں سے نکل آیا۔۔۔۔

☆......☆......☆

وہ غصے اور الجھن سے بیٹھا سکرین کو گھور رہا تھا۔ جہاں وائبر آن تھا۔ کال جا رہی تھی۔ مگر دوسری جانب سے پچھلی چار کوششوں کے جواب کی طرح اب بھی کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔

اس کی آنکھوں میں تھکن اور نیند ہونے کے باوجود وہ ابھی بھی اس امید سے سونے سے انکاری تھا ہو سکتا ہے اس دفعہ ورشے کال اٹھا لے۔

اور امید آخر بھر آئی تھی۔

لیپ ٹاپ کی سکرین کا منظر بدلتے ہی شیر بخت کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ جلدی سے الرٹ ہو کر سکرین پر جھکا۔۔۔ "ہیلو۔۔؟۔۔"

دوسری جانب سے ورشے کی کمزور سی آواز آئی۔

"ورشے خدا کا نام ہے۔ اپنی طرف سے وڈیو آن کرو۔۔۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔۔"

"کیوں؟ اور تمہاری طبیعت کو کیا ہوا ہے؟ کل سے کال پر کال کر رہا ہوں۔ تم فون کیوں نہیں اٹھاتی ہو۔ ماث کہہ رہی تھی۔ تم ٹھیک نہیں ہو۔ کیا ہوا ہے؟۔۔"

''کچھ نہیں ہوا۔ بس ذرا معدہ خراب ہے۔ قے بہت آتی ہے۔ اسکی وجہ سے کمزوری ہو رہی ہے۔''

''ورشے۔۔!!''

''جی؟''

''ویڈیو آن کرو۔۔۔''

''نہیں کرونگی۔۔''

''کیا تم پر مجھ سے ناراض ہو؟۔۔''

''نہیں تو۔۔''

''پھر ویڈیو آن کیوں نہیں کر رہی ہو۔''

''کیونکہ اس وقت میری حالت اتنی خراب ہے۔ میری شکل ایسی ہو رہی ہے کہ خود کو آئینے میں دیکھ کر ڈر رہی ہوں۔''

''تم ویڈیو آن کر رہی ہو یا میں واپس آؤں؟۔۔''

''پاگل ہوئے ہو۔ اگلے ماہ تمہارے پیپر ہیں۔ اور ابھی تم کو یہاں سے گئے ہوئے ایک ماہ بھی نہیں ہوا۔ واپس آنے کی بات کی ناں تو اپنی اماں اور میرے ابا سے جوتے ہی کھاؤ گے۔۔''

''تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟ کل سے پاگل پھر رہا ہوں۔ یہی سننے کو مل رہا ہے۔ ورشے ٹھیک نہیں ہے۔ خود تم اپنی شکل تک نہیں دیکھا رہی ہو۔''

''ہاں تو اسکا مطلب یہ تھوڑی ہے۔ تم بھاگے واپس آؤ۔۔''

پیچھے سے کچھ اور آوازیں آئیں۔

''کیا کوئی مہمان آیا ہوا ہے۔؟۔''

''ہاں میری امی اور بھابھی آئے ہیں۔''

ساتھ ہی نہ صرف سکرین روشن ہوئی بلکہ ورشے کی بھابھی کا چہرہ دکھائی دیا۔ مگر شیر بخت کا سارا دھیان بیک گراؤنڈ میں نظر آتے اپنے بیڈروم کے منظر پر تھی۔ اور سکرین کے ایک کونے میں ورشے کا ایک کندھا نظر آ رہا

تھا۔"اسلام علیکم بھابھی آپ کیسی ہیں؟۔۔"

"وعلیکم اسلام شیر بخت بھئی تم لوگ تو بڑے تھوڑے وقت میں بڑی بڑی ترقی کر رہے ہو۔تمہاری اردو تو اتنے سے عرصے میں بالکل کلیر ہو گئی ہے۔"

"شکریہ بھابھی۔۔اور گھر پر سب خیریت ہے؟"

"ہاں سب اچھا ہے۔ورشے کا سنا تو ہم ماں بیٹی سے رکا نہیں گیا۔اسی وقت بھاگے آئے۔"

شیر بخت سنجیدہ ہو گیا۔۔۔

"کیا اسکی طبیعت زیادہ خراب ہے؟ڈاکٹر کو دکھایا؟۔۔۔"

"نہیں بھئی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔اللہ کا کرم ہوا ہے۔اب شروع کے دنوں میں ایسا تو ہوتا رہے گا۔"

شیر بخت ہونق بنا سکرین کو دیکھ رہا تھا۔

"بھابھی میں آپکی بات نہیں سمجھا۔کونسے شروع کے دن؟۔۔"

"کیا ورشے نے یا تمہاری امی نے نہیں بتایا؟۔۔"

اس سے پہلے شیر بخت کچھ کہتا ورشے کی دھیمی سی آواز آئی۔۔۔

"بھابھی اسکو علم نہیں ہے۔"

"ہا۔۔لو جسکو سب سے پہلے بتانا چاہیے تھا۔وہی اب تک لاعلم ہے۔اور باقی سارے پاکستان کو پتہ چل گیا ہوا ہے۔شیر بخت مبارک ہو اللہ نے تمہارے گھر خوشی کا سامان کیا ہے۔"

ایک تو تھکاوٹ دوسری نیند تیسرا ورشے کا اجتناب اوپر سے بھابھی کا پہیلیاں بجھوانا۔۔۔سب اس کے سر پر سے گزر گیا۔

اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر دوسری طرف بھابھی اور ورشے کی ہنسی گونج گئی۔ساتھ ہی کال آف ہو گئی۔ایک لمحے کو تو شیر بخت کا جی چاہا لیپ ٹاپ اٹھا کر سامنے دیوار پر مارے۔۔۔پڑھائی پر دو حرف بھیج کر واپس چلا جائے۔

ابھی سوچ ہی رہا تھا۔جب میسج ملا۔۔۔

''زیادہ غصہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بالکل بھی تمہیں نظر انداز نہیں کر رہی ہوں۔ بلکہ آج کل تمہیں بہت زیادہ سوچتی ہوں۔ اور آنے والی زندگی کے ہر پل تمہیں نہیں سوچ سکوں گی۔ کیونکہ کسی کی نیپی بدلنی ہو گی۔ فیڈر بنا بنا کر دینا ہو گا۔ تمہارے ساتھ ساتھ تمہارے بچے کے بھی نخرے دیکھنے پڑیں گے۔''

شیر بخت نے سوچا بچے کا ذکر کہاں سے آ گیا۔

اس نے ٹائپ کرنا شروع کیا۔۔۔

''اگر چاہتی ہو کہ میں پرسکون ہو کر دو گھنٹے کی نیند لے سکوں۔ تو پلیز اپنی شکل دیکھا دو۔ مجھے فکر ہو رہی ہے۔ اور یہ بچے کا ذکر یہاں پر کیا معنٰی رکھتا ہے؟۔۔''

کچھ سوچ کر ورشے نے دوبارہ کال ملائی۔۔۔

اسکو سامنے دیکھ کر شیر بخت کی جیسے جان میں جان آئی۔ جذبات کی زیادتی سے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ورشے کی جان پر بن آئی۔۔۔۔

''کیا اتنی بری لگ رہی ہوں۔ دیکھتے ہی رونے بیٹھ گئے۔۔۔۔؟''

آستین سے چہرہ رگڑتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔۔۔

''تو پھر۔۔۔؟''

''ورشے مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ بڑی شدید والی۔۔۔ تمہیں دیکھے بغیر، تم سے بات کیے بغیر ایک دن تک گزارنا دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر تم ابھی کال نہ کرتیں تو صبح میں نے گھر کے دروازے پر ملنا تھا۔''

''جانتے ہو ایسے ڈائیلاگز فلموں میں ہیرو مارتے ہیں''

''میں فلمیں نہیں دیکھتا ہوں۔ میں تو صرف وہ بتا رہا ہوں۔ جو محسوس کرتا ہوں۔ اور سنو پیٹ خراب ہونے کی دوا میں لکھ دیتا ہوں۔ کل سٹور پر کسی کو بھیج کر منگوا لینا۔''

''بخت مانتی ہوں۔ میڈیکل سٹور پر جاب کرنے سے خود کو ڈاکٹر سمجھنے لگ گئے ہو۔ میں نے اپنے میسج میں تمہیں کچھ بتانے کی کوشش کی ہے۔ تمہیں سمجھ کیوں نہیں آئی؟۔۔''

ورشے کا چہرہ لال ٹماٹر ہو رہا تھا۔ اور بے بسی سی بے بسی سی۔۔۔

”کیا لکھا تھا۔میں نے زیادہ غور سے نہیں پڑھا پھر بتا دو۔“

”اسطرح نہیں بتا سکتی ہوں۔تم ماث سے پوچھ لینا۔۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“

”اچھا اب میں سونے لگی ہوں۔تم بھی سو جاؤ۔کتنے تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔کیا تم نے کھانا کھایا ہے؟“

بخت نے جمائی لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔۔۔۔

”ابھی مت جاؤ تھوڑی دیر اور رک جاؤ۔۔۔“

ورشے ہنستے ہوئے بولی۔۔۔”تم ایسے بولتے ہو جیسے میں تمہارے پاس سے اٹھ کر کہیں جا رہی ہوں۔“

”مجھے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔۔“

”پیپروں کی تیاری کیسی ہے؟۔۔“

”اف مت ذکر کرو ناں 'بڑھاپے میں پڑھائی عذاب بنی ہوئی ہے۔اوپر سے ایک نے رکھوا بھی سائنس دی ہے۔پیریوڈیک ٹیبل یاد کیا ہے۔اب ایلمنٹس کے ماس اور آٹامک نمبر یاد کرنے ہیں۔سر کہہ رہا تھا۔انکے بغیر اگلی کلاسوں میں دال گلنی مشکل ہو گی۔بیٹا ابھی سے رٹ لو۔۔۔۔“

بتاتے ہوئے وہ اپنی آنکھوں کو انگلیوں سے مسل رہا تھا۔

”بخت۔۔“

”ہوں۔۔“

”تم بہت اچھے باپ ہو گے۔“

وہ چونک کر سیدھا ہوا۔”یہ باپ بچے کا ذکر آج دوبار آیا ہے۔پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا۔“

”کیونکہ پہلے کوئی بچہ آنے والا نہیں تھا۔“

”کیا اب ہمارا بچہ آ رہا ہے؟۔۔“

”شکر ہے۔ورنہ مجھے ایسا لگ رہا تھا۔تمہیں اتنی سی بات سمجھانے کے لیے ریاضی کی کتاب کھولنی پڑے گی۔“

''بخت۔۔''

''ہوں۔۔''

''تم ایک دم سے پریشان نظر کیوں آرہے ہو۔۔؟۔''

''کیونکہ تمہاری بتائی خبر نے مجھے پریشان ہی کر دیا ہے۔''

اب کے ورشے بھی خاموش ہوگئی۔۔۔دونوں ایک دوسرے کو دیکھے جارہے تھے۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔''

''میں تم سے دو سال بڑی ہوں بخت۔۔''

''دیکھو میرے پاس نہ ابھی نوکری ہے۔نہ کوئی تعلیم ہے۔پارٹ ٹائم کام کر کے ہاسٹل کا خرچ چلاتا ہوں۔ تمہارا خرچ تمہارے ابا اٹھا رہے ہیں۔میرا خیال ہے۔عقل مندی یہی ہے۔ہم ابھی بچے کے چکر میں نہ ہی پڑیں۔۔۔''

''بخت۔۔۔مجھے تمہاری بات سے اتفاق نہیں ہے۔''

آنسو ورشے کا چہرہ بھگونے لگے۔۔

''ورشے تم ماں جیسے رول کے لیے ابھی چھوٹی ہو۔پڑھ رہی ہو۔کل کو تعلیم مکمل کرو گی۔ہوسکتا ہے کوئی بڑی اچھی نوکری مل جائے۔نوکری کرنے کے بعد تمہارا اس پینڈو سے شوہر سے دل بھر جائے یا اکتا جاؤ تو اس بچے کا کیا بنے گا؟۔۔''

''تم سمجھتے ہو میں تمہیں چھوڑ دوں گی؟۔۔''

''ورشے مجھے غلط نہ سمجھو مگر میرے میں کوئی ایسی بات بھی تو نہیں ہے۔جو تمہیں ساری عمر کے لیے میرے ساتھ باندھے رکھے۔اسلیے کل تم ماث کے ساتھ شہر آجاؤ میں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا۔''

''ڈاکٹر کے پاس کس مقصد کے لیے لے جاؤ گے۔۔۔''

''تم جب سمجھ گئی ہو۔تو کیوں میرے سے وہ الفاظ کہلوانا چاہ رہی ہو۔''

''میں تمہارے منہ سے سن کر یقین کرنا چاہتی ہوں۔کہ واقعی تم یہ چاہ رہے ہو۔کہ میں اپنے اندر پیدا ہونے

والی زندگی کو ختم کر دوں۔''

بخت نے لب کاٹتے ہوئے چہرہ جھکا لیا۔تا کہ ورشے اسکے آنسو نہ دیکھ سکے۔۔۔

''تم نے کہا تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔میں نے تمہارے لفظوں پر یقین کر لیا۔پر یہ کیسی محبت ہے بخت جس میں تمہیں میرا اعتبار ہی نہیں ہے۔چلو آج شادی کے اتنے ماہ بعد ہی تمہارے منہ سے آخر کار سچ سن ہی لیا۔ تمہیں مجھ پر لگنے والے الزام سچ ہی لگتے ہونگے۔تبھی آج اتنی بڑی بات کہہ دی۔''

''خدا کا نام ہے۔میری بات کا الٹ مطلب مت نکالو۔۔۔''

''میں کتنی پاگل ہوں۔میں ایک ایک پل تمہیں سوچتی ہوں۔کمرے کی الماری میں تمہارے وہ کپڑے پڑے ہوئے ہیں۔جو تم جانے سے پہلے اتار کر گئے تھے۔میں نے اس شرٹ کو دھویا نہیں ہے۔کیونکہ اس میں سے تمہارے جسم کی خوشبو آتی ہے۔تمہاری وہ گل بدن اتنا گند ڈالتی ہے۔پھر بھی اسکو نہیں بیچا کیونکہ وہ تمہاری لاڈلی ہے۔مجھے تم اتنے پیارے لگتے ہو۔تمہاری ماں تمہیں گالیاں دے رہی ہوتی ہے۔تم سر جھکا کر سن لیتے ہو۔میں دل ہی دل میں سوچتی ہوں۔اگر بخت ایسا ہے۔تو اسکا بیٹا بھی اسی کی طرح کا ہوگا۔کیونکہ بیٹے اپنے باپ پر ہی جاتے ہیں۔''

''نہیں جاتے ہیں۔پلیز کہو ضروری نہیں ہے۔جیسا باپ نے کیا ہو۔بیٹا بھی ویسا ہی کرے۔تو شائد میں بچ جاؤں۔تم جو سوچ رہی ہو۔اللہ کی قسم میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔مجھے اپنے سے زیادہ تمہارا یقین ہے۔پر مجھے حالات کا یقین نہیں ہے۔میں تمہارے سامنے ہوں ورشے۔۔۔میرا باپ وجود سے انکاری ہے۔''

''بخت تم اب مزید ایک لفظ نہیں بولو گے۔اور میری بات کان کھول کر سن لو۔تمہارے اندر لاتعداد خوبیاں ہیں۔اور اگر نہ بھی ہوتیں۔تب بھی میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتی۔مجھے تو تم سے محبت ہے۔بخت پلیز ایسی خوفزدہ باتیں آئندہ مت کرنا۔جو تمہارے ماں باپ کے درمیان ہوا۔اسکی سزا تم اپنے بچے کو کیوں دینا چاہتے ہو؟ میں تمہاری کوئی ایسی بات نہیں مان رہی ہوں۔خاص طور پر جب مجھے علم ہے۔دل سے تم خود بھی ایسا کچھ نہیں چاہتے۔''

''میں اس وقت صرف تمہیں دعا دے سکتا ہوں ورشے کہ اللہ کرے تمہارے سارے خواب سچ ثابت

ہوں۔میری زندگی میں ہمیشہ تم میرے ساتھ رہو۔جتنی خوبصورت تم اس وقت لگ رہی ہو۔کاش میں تمہارے پاس ہوتا۔تو عملی طور پر تعریف کر کے بتاتا۔۔"

شیر بخت کی بات پر ورشے کے چہرے پر خوف کی پر چھائیوں میں سے مسکراہٹ یوں نکلی جیسے کالی رات میں بادلوں کا سینہ چیر کا چاند نکلا ہو۔۔۔

"ورشے نئی صبح مبارک ہو۔۔۔۔"

"بخت میرے نئی صبح تم ہو۔اور میں چاہتی ہوں اس صبح کی کبھی شام نہ آئے۔تم اس ہفتے چھٹی پر چاہے ایک دن کیلیے ہی پر گھر کا چکر لگا کر جاؤ۔کیونکہ تمہاری باتوں نے مجھے ڈرا دیا ہے۔"

"ورشے جی میں جب تک یہ امتحان نہ دے لوں۔گھر کا چکر نہیں لگاؤنگا۔تم تو مجھے فیل کرنے کے تمام سامان سے لیس ہو۔تمہیں دیکھوں گا۔یا کتابیں۔۔۔ابھی سو جاؤ ایک بج گیا ہے۔"

"تم بھی۔۔۔اللہ حافظ میرے بخت کے روشن ستارے۔۔۔۔"

شیر بخت نے مسکراتے ہوئے ورشے کے چہرے کر سکرین شوٹ لیا۔۔۔

کال بند ہو گئی۔اس نے سکرین شوٹ کھولا۔۔۔اور اسے دیکھتے دیکھتے نیند کی وادی میں اتر گیا۔۔۔۔

☆.......☆.......☆

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔تم کبھی مجھے دھوکا دو گے۔"

"دھوکا میں نے نہیں غازی بھائی نے دیا ہے۔تمہارا فون وہ لیکر گئے ہیں۔"

"ہاں تو تم نے جب دیکھ لیا تھا۔تو مجھے بتا نہیں سکتے تھے۔"

"میرا دل نہیں مانا۔۔۔میں چاہتا ہوں۔غازی بھائی اب ژالے بہن کو منا کر لیں آئیں۔"

"ہاں ہاں تمہارے غازی بھائی کے جانے کی دیر ہے۔ژالے تو جیسے اسکے انتظار میں بیٹھی ہوئی ہے ناں۔۔۔اسکا نام تک سننا پسند نہیں کرتی ہے۔"

"یہ تو اچھی علامت ہے۔"

"ایبک تمہاری ساری ڈکشنری ہی الٹی ہے۔میں کہہ رہی ہوں۔وہ غازی کا نام تک سننا پسند نہیں کرتی اور تم

کہہ رہے ہو یہ اچھی علامت ہے۔"

"بھئی غیروں سے کون ناراض ہوتا ہے۔ جہاں تعلق ہو وہیں ناراضگی دکھائی جاتی ہے۔"

"تم شادی کے بعد سے کچھ زیادہ ہی سیانے نہیں ہو گئے ہو۔"

"میں شادی سے پہلے بھی سیانا ہی تھا۔ بس میڈم نے کبھی غور نہیں کیا۔"

"کونسی میڈم نے؟۔۔"

"میڈم زوجہ نے۔۔۔ اچھا اگر تم اپنے بھائی بھابھی کی فکر سے چند پل کو آزاد ہو تو ذرا مجھے بتا دو۔ بے بی روم میں رنگ کونسا کرنا ہے۔"

"ایک میرا خیال تھا۔ ہم نے بیلو رنگ پر اتفاق کیا ہے۔"

"یار بیلو رنگ لڑکوں والا ہے۔"

زینب میں برداشت کا مادہ آج کل بالکل صفر چل رہا تھا۔

بحث ہی نہیں کمرہ بھی چھوڑ گئی۔ ایک پیچھے پیچھے آیا۔۔۔ وہ اپنے بیڈ روم کی طرف جا رہی تھی۔

"اچھا اب ناراض تو نہ ہو۔ بیلو رنگ ہی کر دیتا ہوں۔"

"نہیں تم بیلو چھوڑو کرو جو بھی پنک 'ہرا' جامنی کرنا ہے۔ مگر میں نے ابھی ابھی یہ فیصلہ کیا ہے۔ میں دادو کی طرف جا رہی ہوں۔ اور ڈلیوری کے دو ماہ بعد گھر واپس آؤنگی۔ کیونکہ یہ سارا وقت میں تمہیں برداشت نہیں کر سکتی۔"

"میں یاد کروا دوں۔ تم پچھلے نو ماہ سے یہ اعلان ایک سو ایک دفعہ کر چکی ہو۔ پر گئیں نہیں۔۔"

"اب میری بات لکھ کر رکھ لو۔ پکا جا رہی ہوں۔"

"مگر آج کل کسی بھی دن تمہیں ہسپتال جانا پڑ سکتا ہے۔ اور گاؤں میں ڈاکٹر سفیان کے علاوہ کوئی ڈاکٹر موجود نہیں ہے۔ ذرا سوچو اگر خون کی ضرورت پڑی یا خدانخواستہ سزیرین کرنا پڑ گیا تو پھر۔۔۔؟"

"دیکھا یہی حال ہوتا ہے۔ جب شوہر پریگنینسی پر لکھی گئی دنیا کی ہر کتاب چھان مارے۔ کیا یہ سب میرا دل دہلانے کو پڑھتے رہے ہو؟۔۔"

’’میں نے تو تمہیں بھی آفر کیا تھا۔ پر تم نے تو آج تک وہ انٹر شپ والی کتاب ہی نہیں پڑھی۔۔۔‘‘

’’بس میاں ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ اگر میرا جانا ممکن نہیں تو چار دن تم ہی کہیں چلے جاؤ۔ سقراط کہیں کے۔‘‘

’’جانے سے یاد آیا۔ چمن سے مہمان آ رہے ہیں۔‘‘

’’کون؟۔۔‘‘

ایک نے آئیں بائیں شائیں کرنے کی کوشش کی۔۔۔ ’’میرے والد کی بیوی۔۔۔۔ اور۔۔۔۔‘‘

’’کیا اور؟۔۔‘‘

زینب کڑی تیوری لیے کھڑی تھی۔

’’وہ ساتھ میں والد کی بیوی کی بھانجی آ رہی ہے۔‘‘ وہ تیز تیز بولتا ایک سانس میں بات کہہ گیا۔

’’اوہ۔۔۔!! تو سیدھی طرح کہو ناں تم پہ ڈورے ڈالنے والی آ رہی ہے۔‘‘

’’دیکھو اس کے ڈورے کونسے کامیاب ہوتے ہیں۔ یا ہو سکتے ہیں۔ یہاں تو دور دور تک امکان ہی نہیں ہے۔ پر ایک بات تو تم مانو گی جب بھی آتی ہے۔ تمہاری اتنی خدمت کرتی ہے۔‘‘

’’تم یہ مسکے کہیں اور جا کر لگاؤ۔ اس دفعہ اگر میرے سامنے کھڑی ہو کر اس نے ٹکٹکی باندھ کر تمہیں دیکھا تو یہاں سے بھینگی ہی واپس جا سکے گی۔ اور تم اس سے سب کے سامنے راکھی بندھواؤ گے۔۔۔‘‘

’’توبہ استغفار یہ تو ہندوؤں کی رسم ہے۔‘‘

’’اچھا تو پھر تم نکاح پڑھوا لینا یہ تو مسلمانوں کی ہی رسم ہے ناں۔۔‘‘

’’ٹھیک ہے سوچونگا۔۔۔۔‘‘

’’کیا کہا۔۔!!‘‘

’’میرا مطلب ہے راکھی کے بارے میں سوچونگا۔۔۔‘‘

’’نہیں تم مت سوچنا مجھے ہی سوچنا پڑے گا۔ ویسے تمہاری ماں کے آنے سے میں خوش ہوں۔ وہ سر کا مساج بہت اچھا کرتی ہیں۔ ادھر وہ میرے سر کو ہاتھ لگاتی ہیں۔ ادھر مجھے نیند آ جاتی ہے۔‘‘

''اب یہ فقرے میری اصل ماں کے سامنے بولنے سے گریز کرنا۔کہیں وہ ناراض ہی نہ ہو جائیں۔۔''

''ارے کیا بات کر رہے ہو۔ بیگم بیگ ایسی نہیں ہیں۔ وہ تو خود رقاشہ کو بول کر ان سے اپنے سر کا مساج کرواتی ہیں۔ ویسے بھی آپس کی بات ہے۔ تمہارا ابا اب اتنا ہینڈسم بھی نہیں کہ بڑھاپے میں آکر عورتیں انکے لیے ایک دوسرے سے لڑیں۔۔۔''

''عورتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ایک سبزی والے سے ریٹ کرتے وقت اتنا لڑ کر آجاتی ہیں۔ یہ تو پھر ایک آدمی کی بات ہے۔''

''اچھا کیا اب ہم ایک نئی فضول سی بحث میں لڑنے بیٹھیں گے؟۔۔''

"بالکل بھی نہیں۔۔۔ بس یہ بتا دو رنگ کونسا کرنا ہے؟ تاکہ میں ابھی جا کر لے آؤں اور کل تک کمرہ تیار ہو جائے گا۔''

''ایبک تمہیں آخر نیلے رنگ سے مسئلہ کیا ہے؟۔۔''

''زینی یہ لڑکوں والا رنگ ہے۔''

''تو کیا تم لڑکے کے کمرے میں پنک رنگ کرنا چاہتے ہو؟۔۔''

''لڑکی بھی تو ہو سکتی ہے۔''ایبک کے لہجے میں امید تھی۔

''لوگ بیٹے مانگتے ہیں۔تمہیں آخر بیٹی کا اتنا شوق کیوں ہے؟۔۔''

ایبک نے محبت بھری نظروں سے زینی کو دیکھا۔

''کیا بتا دوں؟۔۔''

''ہاں جی احسان کریں کنیز پر۔۔''

''وہ اصل میں جس طرح سے میں نے بابا کو زرمینے پھوپھی کے لیے دکھی دیکھا ہے۔اس کے بعد جیسے وہ ژالے کی فکر کیا کرتے تھے۔جب ژالے یا زرمینے کے بارے میں بات بھی کرتے تو ان کے چہرے پر ایک روشنی آجاتی۔آنکھوں کی چمک بڑھ جاتی۔ اس کے بعد میں نے غازی بھائی کو دیکھا ہے۔ جیسے وہ تمہارا خیال کرتے ہیں۔ جس طرح انہوں نے تمہاری تعلیم و تربیت کی ہے۔ان دو لوگوں کو دیکھ کر میں جوان ہوا ہوں۔

دونوں کا میری شخصیت پر گہرا اثر ہے۔ جیسے یہ دونوں عورت کی عزت کرتے تھے۔ مجھے یہ احساس بڑی شدت سے ہوتا۔ ہو نہ ہو عورت اللہ کی کوئی بڑی ہی خاص مخلوق ہے۔ یا پھر بیٹیاں اور بہنیں اللہ کا کوئی انعام ہیں۔ جو انسان کو معتبر کرتی ہیں۔ آپ کا دل گداز کرتی ہیں۔ اس لیے میرا جی چاہتا ہے۔ میری بھی بیٹی ہو۔ جس کی تربیت کر کے میں دنیا کے سامنے فخر سے سر اونچا کر کے بولوں یہ میری بیٹی ہے۔ جیسے غازی بھائی کو تم پر فخر ہے۔ جیسے بابا کو ڈالے پر تھا۔"

زینی نے اسکو دیکھا جو بیڈ سائیڈ سٹول پر بیٹھ کر بڑے جذب سے بول رہا تھا۔

وہ چلتی ہوئی اسکے قریب آئی۔ پیشانی پر رکھے سلکی بال ایک ہاتھ سے اوپر اٹھائے۔ اسکی ہلکی سی بڑھی شیو کو ہاتھ سے محسوس کرتے ہوئے اپنی پیشانی اسکے ماتھے پر رکھی۔

"تم اپنے بیٹے کی بھی تو ایسی تربیت کر سکتے ہو۔ وہ بھی اپنی بیوی کی اتنی ہی عزت کرے۔ اتنا ہی خیال کرے جیسے تم میرا خیال رکھتے ہو۔"

"اس دفعہ تو پکا ہے۔ بیٹی نہیں آ رہی۔ ہو سکتا ہے۔ مستقبل میں اللہ تمہاری خواہش پوری کر دیں۔ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ۔۔۔۔۔"

زینی نے سر واپس اوپر اٹھایا اور الماری کی جانب بڑھ گئی۔ ایبک کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"تو کیا میں اسکا نام اپنی مرضی سے رکھ سکتا ہوں؟۔۔"

"کس کا؟۔۔"

"بیٹے کا اور کس کا۔۔"

"ہاں کیوں نہیں۔۔" وہ الماری میں سے اپنے کپڑے نکال رہی تھی۔

"اگر ولی بلا لوں تو تمہیں اعتراض تو نہ ہو گا؟۔۔"

"میں پاگل ہوں کیا؟۔۔ تمہارا جو جی چاہے بلانا۔۔ میں تو اسکو پاک چائینا ماڈل ویدلو کہوں گی۔۔۔۔"

ایبک کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔۔۔

باہر پنجرے میں بیٹھے مٹھو نے زینی کے آخری فقرے کی گردان شروع کر دی تھی۔

''پاک چائنا ماڈل ویڈلو۔۔۔۔''



وہ جو بجھ گئے شبِ یاد میں' وہ بھی دیئے ہیں عزیز تر
یہ جو چشم و دل کی ہیں نسبتیں' یہی فاصلے ہیں عزیز تر
جو نوشتہ دل و جان تھے' وہ جو منزلوں کے نشان تھے
ہیں متاعِ جان وہی نقشِ پا' وہی آبلے ہیں عزیز تر
تجھے سوچنا' تجھے کھوجنا' سوئے ماہتاب ہی دیکھنا
یہی چشم بھر میری حسرتیں' یہی رتجگے ہیں عزیز تر
لبِ دجلہ تشنہ رہا کبھی' سرِ راہ لٹتا رہا کبھی
وہی سانحے ہیں معتبر' وہی قافلے ہیں عزیز تر
جو ہیں گردشیں ماہ و سال کی' ہیں گواہ بھی میرے حال کی
یہی دائرے مرے آشنا' یہی آئینے ہیں عزیز تر۔ (خیال)

چین کے شہر بیجنگ میں اس وقت دن کے بارہ کا وقت تھا۔ آج اسکی دن کی ڈیوٹی تھی۔ ابھی دوپہر کے کھانے کا وقفہ ہونے پر وہ اپنا بیگ کندھے پر ڈالے سرکاری ہسپتال کے کیفے ٹیریا میں داخل ہوئی۔ گہرے گلابی رنگ کے کاٹن کا بیگی سا ٹراؤزر اور اسی کی ہم رنگ شرٹ سبھی ڈاکٹروں کا ایک سا لباس تھا۔ صرف اس نے سفید سکارف لیا ہوا تھا۔ کندھے کے قریب لٹکتے بیج پر اسکا نام درج تھا۔

لمبے کیو میں کھڑے ہو کر اپنی باری آنے پر چیز سینڈوچ کے ساتھ کافی اور جوس کی بوتل لیکر کونے میں پڑی خالی میز کی جانب بڑھ گئی۔

ہال کی جانب اسکی پشت تھی۔ کھڑکی سے باہر رواں دواں زندگی کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنا سینڈوچ اور جوس ختم کیا۔ کپ ہاتھوں میں تھامے میز کی سطح پر کہنیاں ٹکا کر ہلکے ہلکے سپ لے رہی تھی۔ یہاں اس نے گرمی کا موسم گزارا تھا۔ اب رات کو ہلکی ہلکی ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ پر دن میں ابھی بھی رش والی جگہوں پر حبس ہوتا۔

''اسلام علیکم بیوٹی فل۔۔۔۔''

گرمجوش آواز میں سلامتی بھیجی گئی۔ اور جسکی جانب سے بھیجی گئی۔ وہ میز پر ایک کافی اور دو ڈونٹس رکھ کر ژالے کے بالکل سامنے موجود سیٹ سنبھال چکا تھا۔

منہ کو کپ لیکر جاتا ہاتھ دو پل کو راہ میں ساکت ہوا۔ پھر واپس جھک گیا۔ نظریں ابھی تک سامنے نظر آنے والے چہرے پر جمی تھیں۔ ژالے کے تصور میں وہ پل گھوم گئے۔ جب اس نے پہلی دفعہ اس انسان کو دیکھا تھا۔ اپنی قسمت پر رونا ہی آگیا تھا۔ کیونکہ تب ژالے نے صرف اسکا ظاہر دیکھا تھا۔ آج وہ اپنے ظاہری و باطنی سچ کے ساتھ اسکے سامنے موجود تھا۔ آج نہ سامنے دو دانت باہر جھانک رہے تھے۔ نہ ہی داڑھی مونچھیں موجود تھیں۔ اس نے اسکو سردار کے روپ میں ہمیشہ شلوار قمیض میں ملبوس دیکھا تھا۔ کالیا کے روپ میں سیاہ سلم فِٹ ٹراؤزر شرٹ میں۔۔۔ پر آج وہ ہلکے نیلے رنگ کے ٹو پیس سوٹ کے ساتھ سفید بے شکن شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ جس میں اسکا قد اور جسامت مزید واضح ہو رہی تھی۔ ژالے یک ٹک اسکے چہرے کو دیکھے گئی۔

''مسلمان کے سلام کا جواب دینا چاہیے۔۔''

''میں نے دل میں ہی دے دیا ہے۔''

''تم مجھے یہاں دیکھ کر حیران کیوں نہیں ہوئی ہو؟''

''کیونکہ مجھے علم تھا۔ آپ نے ایک نہ ایک دن ایسے ہی اچانک سے آنا ہے۔''

''کیا تمہیں میرا انتظار تھا؟۔۔''

''نہیں۔۔۔ بس یقین تھا۔۔۔''

''پھر تم نے ہر کسی کو مجھے اپنا پتہ بتانے سے منع کیوں کیا۔؟۔۔''

''اس سے کیا فرق پڑا۔۔۔ آنے والے کو کون روک سکا۔۔''

غازی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھ کر اس سے مخاطب تھا۔ نظریں ژالے کا اک ایک انداز پڑھ رہی تھیں۔

''اس فرار کے پیچھے وجہ کیا تھی؟۔۔''

''میں کچھ وقت اپنے ساتھ تنہا رہنا چاہتی تھی۔''

''وہ کیوں۔۔؟۔''

''مجھے خود سے کچھ سوال پوچھنے تھے۔''

''پوچھ لیے؟۔۔''

''ہاں۔۔''

ژالے کی نظریں کافی کے کپ پر تھیں۔اور غازی کی ژالے کی آنکھوں پر۔۔۔

''جواب ملے۔۔؟۔''

''کچھ سوالوں کے جواب ملے ہیں۔باقی کے اسی طرح موجود ہیں۔''

غازی نے کافی کا سپ لیکر اپنا ڈونٹ اٹھایا۔ایک نوالا لیا۔واپس پلیٹ میں ڈال دیا۔

''اب کیا ارادہ ہے؟۔۔مزید کچھ وقت تنہا چاہیے یا جواب ڈھونڈنے میں مدد چاہیے؟۔۔''

ژالے اب کافی نہیں پی رہی تھی۔

''مجھے جواب ڈھونڈنے میں مدد چاہیے ہے۔''

''سب سے اہم سوال کیا ہے؟۔۔''

''اگر بتا دوں تو آپ کو برا لگے گا۔''

''اس بات کی فکر نہ کرو۔سوال بتاؤ۔۔۔''

چند پل سوچنے کے بعد وہ نظریں جھکائے ہی بولی۔۔''

''سب سے زیادہ جو سوال مجھے تنگ کرتا ہے۔وہ یہ ہے کیا میں اپنے باپ کے قاتل کے ساتھ ساری زندگی گزار سکوں گی؟۔۔''

''بالکل ایسا ہی سوال میں بھی خود سے کرتا رہا ہوں۔کیا میں اپنے باپ کے قاتل کی بیٹی کو بیوی کی حیثیت دے پاؤنگا۔۔؟۔''

غازی کے فوری جواب نے ژالے کو جتا دیا کہ وہ ہر قسم کے سوال کے لیے تیار تھا۔ژالے کا وہاں آکسیجن کی

کمی ہوتی محسوس ہوئی۔

''تو کیا آپکو اپنے سوال کا جواب مل گیا؟۔۔''

اس نے ایک اور سپ لیا اور گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔۔۔

''ژالے بات پتہ کیا ہے؟۔ جہاں محبت نہ ہو۔ وہاں ساری عمر سوال در سوال حائل رہتے ہیں۔ اور جہاں محبت ہو جائے وہاں بڑے سے بڑے سوال کا جواب نکل آتا ہے۔ جیسے میں نے خود کو سمجھایا۔ میرے باپ کا قاتل ژالے کا باپ ہے۔ ژالے نہیں۔ ژالے بے قصور ہے۔۔''

''مگر میں تو ایسا بھی نہیں سوچ سکتی ہوں۔ کیونکہ میرے باپ کا قتل آپ نے ہی کیا ہے۔ اسلیے آپ بے قصور نہیں ہیں۔''

''ہاں میں مانتا ہوں۔ اور یقین مانوں میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ تب میری عمر چھوٹی تھی۔ میں جذباتی انسان تھا۔ اور یہ وہ۔۔۔ میں بالکل بھی اپنی صفائی نہیں دونگا۔ جب میں نے ٹریگر دبایا میں ایک بچہ نہیں ایک بوڑھا انسان تھا۔ بوڑھا انسان جذباتی نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اسکے فیصلے اسکے عمر بھر کے تجربے کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ اگر آج کوئی تمہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ تو میں آنکھ کے بدلے آنکھ' کان کے بدلے کان' اور جان کے بدلے جان ہی لونگا۔ جس کی اجازت مجھے میرا دین دیتا ہے۔''

''اگر یہ بات ہے۔ غازان صاحب تو کیا مجھے بھی پھر اپنے باپ کے قاتل کے سینے میں گولی اتارنے کی اجازت ہے؟۔۔''

غازی نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اسکو دیکھا۔

''میں اس وقت بالکل نہتا ہوں۔ اور تمہارے ہاتھ بالکل نہیں روکونگا۔ جیسے جی چاہے بدلہ لو۔ گولی مار کر یا دل توڑ کر۔۔''

''آپ کے اور میرے درمیان دل نہیں آسکتا ہے۔''

''ہاں میں بھی یہی سمجھتا تھا۔ پر غلط سمجھتا رہا۔ تمہارے اور میرے درمیان دل آسکتا نہیں بلکہ آچکا ہے۔''

''اگر آپ کے اور میرے درمیان دل آسکتا ہے۔ تو ان دو لوگوں کو کیوں صرف اس لیے مار دیا گیا۔ کہ انکو

ایک دوسرے سے محبت تھی۔ انکے درمیان بھی تو دل ہی آ گیا ہوگا۔"

غازی کی نظروں میں سرد تاثر ابھرا۔۔۔۔

"پہلی بات تو یہ ژالے جو لوگ چلے گئے ہیں۔ انکا نامہ اعمال بند ہو چکا ہے۔ نہ جانے اللہ کو انکا کون سا عمل پسند آ گیا ہو۔ اور وہ جنت میں موج منا رہے ہوں۔ میرا نامہ اعمال ابھی جاری و ساری ہے۔ میرے منہ سے نکلنے والے الفاظ کسی کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنیں میرے اپنے لیے ضرور ہونگے۔ اور جو جا چکے ہیں۔ میں انکے کردار کا پوسٹ مارٹم نہیں کرنا چاہتا۔ مگر تم اپنے الفاظ پر غور ضرور کرو۔ تم میری محبت کو ایک تھرڈ کلاس معاشقے سے ملا رہی ہو۔ مرد اور عورت کے درمیان پروان چڑھنے والے فحش جذبات سے ملا رہی ہو۔"

"ہم لوگ فرشتے تو نہیں ہیں غازان صاحب ہم بھی ایک مرد اور عورت ہی ہیں۔ پھر ہمارے جذبات کیوں فحش نہیں۔؟۔"

غازی بڑی دیر اسکو سنجیدہ نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر سوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پیپر نکال کر ژالے کے سامنے میز پر ڈال دیا۔

"یہ کھول کر دیکھو ژالے تمہارا' میرا نکاح نامہ ہے۔ اور یہی سب سے بڑا فرق ہے۔"

ژالے نے اذیت سے پل کے پل آنکھیں موندیں۔۔ کانپتی گرفت سے نکاح نامہ کھول کر دلہا کے نام اور سائن دیکھے۔

دولہے کا نام۔۔۔ غازی احمد یار۔۔۔" البتہ سائن میں سردار غازان خان لکھا تھا۔

ژالے کی آنکھوں کے سامنے دھند چھا گئی۔ جسے اس نے ہاتھ کی پشت کے ساتھ صاف کیا۔

"آپ پہلے اس رشتے سے ہی انکاری تھے۔ تو پھر اچانک یہ تبدیلی کیوں؟۔۔"

"میں نے کسی کو زبان دی ہے۔ اس سے مکرنا میرے لیے موت کے برابر ہے۔"

"ایک وقت میں مجھے بھی تو زبان ہی دی تھی۔ پھر مجھے اکیلا کیوں چھوڑا؟۔۔" بھرائی ہوئی آنکھوں سے اسکی جانب دیکھتے ہوئے ژالے نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔۔۔

غازی ان نظروں میں ڈوبا ابھرا ہاتھ پیر مارنے کو ارد گرد دیکھا۔ پر ژالے کی نظریں دماغ میں فریز ہو گئیں تھیں۔

"ژالے میں نے تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا تھا۔میں تو تمہارے پاس تھا۔"

"مگر رکھا تو خود سے دور ہی۔۔۔۔"

غازی کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھا گئی۔اس نے ژالے کی چیلنج کرتی نگاہوں میں بڑی گہرائی تک دیکھا۔

"ژالے۔۔۔میرے دل پر بڑے داغ ہیں۔جنکو میں ہر روز دھوتا ہوں۔مگر دھلتے نہیں ہیں۔جنکو مٹانے کی کوشش میں خود مٹ چکا ہوں۔مگر یہ داغ جاتے نہیں ہیں۔میں یہی اپنے دل کے داغ چھپانے کی کوشش میں تم سے دور رہا ہوں۔میرے ساتھ کے بدلے میں تمہیں میرا ماضی ہی نظر انداز نہیں کرنا پڑے گا۔بلکہ میرے حال کے ساتھ بھی سمجھوتا کرنا پڑے گا۔میں ایک باغی انسان ہوں ژالے جسکو اسکے اپنوں کی محبت نے باندھ کر رکھا ہوا ہے۔میں ایک وحشی جانور ہوں۔میرے ساتھ زندگی گزارنا آسان نہیں ہوگا۔ہوسکتا ہے۔میں مہینوں تمہیں اپنی شکل ہی نہ دکھاؤں۔میں وہ نو سے پانچ تک نوکری کرنے والا بہترین شوہر کبھی نہیں بن سکوں گا۔جسکو جاتے وقت تم یہ پوچھ سکیں آج رات کو کیا بنانا ہے۔اور وہ اپنی پسند بتا کر نکلے۔واپسی پر بچوں کو سکول سے لیکر آتا ہوا آئے۔"

اس نکاح نامے پر ابھی تک تمہارے سائن ہونا باقی ہیں۔اور میں چاہتا ہوں۔تم اچھی طرح سوچ بچار کر کے فیصلہ کرو۔"

"فیصلہ کرنے سے پہلے اگر میں کوئی مطالبہ کرنا چاہوں تو۔۔۔"

"تمہارا حق ہے۔تم مطالبہ کرو۔اگر میرے اختیار میں ہوا تو پورا کر دونگا۔"

"اگر میں کہوں آپ اپنا کام چھوڑ دیں۔"

"سوچے بغیر ہی بتا سکتا ہوں۔یہ ناممکن ہے۔اور کچھ؟۔۔"

"ولی ماموں کو کھونے کے بعد میں مزید کسی اور کو کھونا نہیں چاہتی ہوں۔"

"موت انسان کے اختیار کی بات ہوتی ژالے تو کوئی بھی نہ مرتا۔ولی بھائی جیسا خوش نصیب میں نہیں ہوں۔وہ تو اللہ کے نیک بندے تھے۔اللہ نے انکو شہادت کا مرتبہ دیا ہے۔"

''آپ کی زندگی میں ولی ماموں کی کیا جگہ ہے؟۔۔''

''وہ میرے استاد ہیں۔رہنما ہیں' میرے محسن ہیں 'بڑے بھائی ہیں۔سر ہیں۔۔۔''

اینڈ والا حوالہ دیتے ہوئے غازی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''انکے جانے کے بعد آپ لوگوں کی ٹیم کیسے چل رہی ہے؟۔''

''ٹیم میں اس وقت میں 'نعمان اور کاشف ہی ہیں۔''

''نعمان بھائی نے بھی کیوں سچ سے آگاہ نہ کیا؟۔۔''

''کیونکہ وہ خود بھی لاعلم تھا۔''

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔جبکہ وہ آپ کے ساتھ کام کرتا ہے۔دن رات کا ساتھ ہو اور ایک دوسرے کے راز پتہ نہ ہوں۔''

''یقین کر سکتی ہو تو کرلو۔وہ ہمارے ساتھ کام نہیں کرتا بلکہ ہمارے ساتھ مل کر کام کرتا ہے۔کیونکہ وہ ایک ایجنسی سے منسوب ہے۔اور ہم لوگ آزادانہ طور پر کام کرتے ہیں۔مگر وہ ہماری ٹیم کا بھی اہم رکن ہے۔جہاں ہم لوگوں کو قانون کی مدد درکار ہو۔وہ نعمان کر دیتا ہے۔''

''کیا آپ لوگ غیر قانونی اور برے کام کرتے ہیں؟''

''ہم اچھا کام برے طریقے سے کرتے ہیں۔''

''اسکا کیا مطلب ہوا۔۔؟۔''

''آہ میں سوچ ہی رہا تھا کہ تم نے ابھی تک کسی بات کا مطلب کیوں نہیں پوچھا۔۔۔ اسکا مطلب یہ ہے ڈالے صاحبہ کہ اگر میرے کام کا ثبوت گواہوں سمیت پولیس کے ہاتھ لگ جائے۔تو مجھے جیل لازمی ہوگی۔پر میں کوئی برا کام نہیں کر رہا ہو۔میں کوئی ایسا کام نہیں کرتا ہوں۔جس سے ضمیر کی مار کھانی پڑے۔''

''اب تک کتنے لوگوں کی جان لی ہے؟۔۔۔''

''تم اس سوال کا جواب نہیں چاہتی ہو۔آگے پوچھو۔۔۔۔''

''میں اس سوال کا جواب چاہتی ہوں۔''

''اگر بتادوں گا۔ تو راتوں کو سو نہیں پاؤ گی۔ مگر یہ یقین رکھو میں نے آج تک ناحق کسی کی جان نہیں لی۔''

''آپ یہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جس کو بھی مارا ہو۔ وہ کسی نہ کسی کی ماں' باپ' بہن بھائی تو ہوگا ہی ناں۔ آپ کی نظر میں میرے والد قصوروار تھے۔ مگر میں تو بے قصور تھی۔ جو آپ نے خود مانا ہے۔ تو پھر مجھے کیوں یتیم کیا؟''

''اگر تمہارے باپ کو تمہارا اتنا خیال تھا۔ یا کسی بھی رشتے کا خیال تھا۔ تو اس نے ایک غلط راستہ کیوں چنا۔''

''چلیں میرا باپ تو آپ کا دشمن تھا۔ کیا اپنی ماں کو مارنے پر بھی کبھی دکھ یا پچھتاوا نہیں ہوا؟۔۔''

غازی نے گہرا سانس لیا۔

''اگر احمد یار خان کے بیٹے سے پوچھو گی تو اسکا جواب ہے۔ نہیں۔۔۔۔ نہ مجھے دکھ ہے۔ نہ ہی پچھتاوا۔۔ اور اگر ساحرہ کے بیٹے سے پوچھو گی۔۔۔۔ تو ہاں مجھے دکھ ہے۔ مجھے بہت دکھ ہے۔ میں سوچتا ہوں۔ کاش میری ماں ایک مضبوط عورت ہوتی۔ میرے باپ سے چاہے محبت نہ کرتی۔ پر اسکی وفادار ضرور ہوتی۔ یار ہم لوگ کسی کمپنی سے کنٹریکٹ سائن کریں یا کوئی ایپ ڈاؤنلوڈ کر رہے ہوں۔ پہلے وہ لوگ یہ پوچھتے ہیں۔ کیا آپ ہماری ٹرمز اینڈ کنڈیشنز کو مانتے ہیں؟ گوگل اکاؤنٹ ہی بنانا ہو۔ وہ یہ اتنی لمبی لسٹ اپنی پالیسی کی دکھاتے ہیں۔ اور پوچھتے ہیں۔ کیا تم مانتے ہو کہ ہماری پالیسی کی خلاف ورزی نہیں کرو گے۔ اگر آپ ہاں میں جواب دو تب وہ آپکا اکاؤنٹ پاس کرتے ہیں۔ تو یار کیا شادی کی کوئی پالیسی نہیں ہے۔ اگر اس رشتے کا احترام ہی نہیں کرنا۔ تو شادی نہ کرو۔۔۔ خاص کر عورت کو کم از کم مخلص تو ہونا چاہیے۔۔۔''

''آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں۔ مرد اگر بیوی کے ساتھ مخلص نہیں بھی تب بھی بیوی کو اسکا وفادار رہنا چاہیے۔''

''بالکل ایسا ہی ہے۔ مرد گھر کا ایمبیسیڈر نہیں ہوتا۔ نظر ایسے ہی آتا ہے۔ جیسے کسی بھی خاندان کا اصل چہرہ مہرہ مرد ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ عورت کو مرد سے بہت آگے کا مقام حاصل ہے۔ عورت مرد سے زیادہ معتبر ہستی ہے۔ عورت گھر کی خاندان کی ایمبیسیڈر ہے۔ بنیاد ہوتی ہے۔ اسلیے جب آپ کی بہن' بیٹی' بیوی یا بہو گھر کی دہلیز کسی غلط کام کے لیے پار کرتی ہے۔ تو اسکا درعمل زیادہ سامنے آتا ہے۔ مرد تو ہے ہی بے صبرا' خود پسند' وہ کہیں منہ مار بھی آئے۔ تب بھی باہر کی عورت کو کبھی وہ عزت نہیں دیتا جو اسکے گھر کی خواتین کو حاصل ہو۔''

ژالے نے اسکو درمیان میں ٹوک دیا۔۔۔

"ایسا نہیں ہے۔ میرا باپ ہر عورت کی عزت کرتا تھا۔ سوائے میری ماں کے۔۔۔۔ انہوں نے باہر کہ ایک عورت کو پانے کے لیے میری ماں پر کیچڑ پھینکا۔ تو مرد کہاں سے رعایت کے قابل ہے۔ وہ بھی اتنا ہی قصوروار ہے۔ جتنی کہ ایک عورت۔۔۔۔ ان دونوں کی وجہ سے چار خاندان تباہ ہو گئے۔ کاش میری ماں کی شادی آپ کے والد جیسے انسان سے ہوئی ہوتی۔ یا انہی سے ہی ہو جاتی۔ تو یہ سب خون خرابہ نہ ہوتا۔ بلکہ دونوں آئیڈیل لوگ تھے۔ انکا گھر ایک جنت ہوتا۔"

غازی کے چہرے سے ٹینشن دھیرے سے غائب ہو گئی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"کم آن ژالے کیا کہہ رہی ہو۔۔۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ جو محبت کرنے والے ہوں۔ انکو محبت کرنے والے ہی ملنے چاہیں۔۔"

"اسکا مطلب ہے۔ اگر میں اپنے والد کی کاپی ہوا۔ اور تم اپنی والدہ کی تو ہمارا گھر بھی جنت ہوگا؟۔۔۔"

ژالے کی سانس سینے میں اٹک گئی۔ وہ اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ژالے نے اپنا گلا صاف کیا۔۔۔۔

"آپ کے ساتھ مجھے گھر بنانا ہے یا نہیں اسکے بارے میں ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا ہے۔"

"کب تک فیصلہ ہونے کا امکان ہے؟۔۔"

"کچھ کہہ نہیں سکتی ہوں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ جب فیصلہ کر لو تو فون کر کے بتا دینا میں لینے آجاؤنگا۔ ابھی میں چلتا ہوں۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور وہاں سے چلا گیا۔

ژالے نے قدموں کی آواز دور ہوتی سنی پر مڑ کر نہیں دیکھ سکی۔۔۔ بے یقینی سے آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے۔

ٹپ ٹپ ٹپ۔۔۔۔ ایک دو پھر تین چار۔۔۔۔ پھر انکی تعداد بڑھتی چلی گئی۔۔۔۔۔

سر جھکا کر آنسو صاف کرنے میں مصروف تھی۔ جب آواز اپنے بالکل پہلو سے آئی۔

"اب رونا کس بات پر آ رہا ہے؟۔۔۔"

"کوئی ایسے بھی کرتا ہے۔ اتنی دور سے لینے آئے۔ اور ایک دفعہ بھی یہ نہیں کہا ژالے میں تمہیں لینے آیا

ہوں۔اب تمہیں مزید یہاں اکیلا رہنے نہیں دونگا۔تم میری ہو اور تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہوگا۔ایسا کچھ بھی نہیں کہا اور اٹھ کر چل دیئے اس سے اچھا تھا۔آتے ہی ناں۔۔۔"

دونوں کے کندھے مس ہو رہے تھے۔غازی کا چہرہ دروازے کی جانب تھا۔ژالے کا کھڑکی کی ہی جانب۔۔۔وہ ہلکا سا اسکی طرف جھکا نظریں سامنے آتے جاتے لوگوں پر رکی تھیں۔

"اب کیا مجھے یہ سب کچھ بولنا پڑے گا۔تب ہی تم میرے ساتھ چلوگی؟۔۔"

"سب کچھ نہ سہی کچھ تو کہہ سکتے ہیں ناں۔۔۔کم از کم اتنا ہی کہہ دیں۔۔ژالے آج کے بعد کوئی بندہ نہیں ماروں گا۔۔"

"اب تم اتنی مہنگی نہ پڑو۔۔۔۔"

ژالے کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔جسے غازی نہ دیکھ سکا۔۔

اس نے اپنا سر جھکا کر ژالے کے کندھے پر رکھا۔اور کان کے قریب سرگوشی کی۔۔۔

"ژالے میں چاہتا ہوں۔تم میرے ساتھ گھر چلو۔۔۔پلیز۔۔۔چلوگی؟۔۔"

ژالے نے ہونٹ دانتوں میں دبا کر ہلکا سا سر موڑا۔۔۔دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

ژالے نے سر دھیرے سے اثبات میں ہلا دیا۔

"شکر ہے یار اسکا مطلب ہے۔اب میں زینی کا بیٹا دیکھ سکوں گا۔"

"کیا مطلب؟۔۔"

"اسکا بیٹا پانچ دن کا ہوگیا ہے۔پر وہ مجھے دیکھنے نہیں دیتی ہے۔اسکا کہنا ہے۔جب تک ژالے یعنی تم میرے ساتھ نہیں آؤگی۔وہ اپنا بیٹا نہیں دکھائے گی۔"

صدمے سے ژالے کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔پوری کی پوری غازی کی جانب گھومی۔۔۔

"آپ کا مطلب ہے۔آپ مجھے اس لیے لینے آئے تاکہ اپنا بھانجا دیکھ سکتے۔۔۔"

"ہاں بھئی۔۔"

"اور میں پاگل یہ سمجھ رہی ہوں۔جناب عالی میری محبت میں آئے ہیں۔"

غازی نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔۔ژالے کی ٹھوڑی سے پکڑ کر اسکا چہرہ اونچا گیا۔اور اسکے چہرے پر جھکا۔ اگلا سارا کام غازی نے اپنے ہونٹوں سے لیا۔ژالے کے لبوں پر ابھی تک کافی کا ذائقہ موجود تھا۔ جسے غازی نے مٹا کر اپنی محبت کا ذائقہ وہاں چھوڑ دیا۔

سر اٹھا کر پوچھا۔

''اتنا ثبوت کافی ہے؟یا اور چاہیے۔۔۔''

ژالے کے گال لال ہو رہے تھے۔چہرے پر آتی لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے ہوئے اس نے نفی میں گردن ہلائی۔۔۔۔

''اس نفی کا کیا مطلب لوں؟اور ثبوت چاہیے؟۔۔''

''ژالے نے ایک دفعہ پھر نفی کی۔۔۔

''تو پھر چلیں۔۔۔؟۔۔''

''ژالے نے ہاں میں سر ہلایا پھر یاد آنے پر بولی۔۔۔

''مگر میں اس وقت آن ڈیوٹی ہوں۔لنچ بریک پر نکلی تھی۔''

''میں یہاں آنے سے پہلے اندر بتا آیا تھا۔ڈاکٹر ژالے غازان کا انتظار نہ کیا جائے۔''

''اس طرح تو میری نوکری چلی جائے گی۔۔''

''کوئی فکر نہیں تمہارا اسسٹنٹ بے صبری سے اپنی نوکری واپس بحال ہونے کا انتظار کر رہا ہے۔''

''کون شیر بخت۔۔؟۔۔''

''جی جناب۔۔۔''

''وہ شیر بخت کے اغوا کا کیا ڈرامہ تھا؟

غازی ہنستے ہوئے بولا۔

''وہ اغوا نہیں تھا۔وہ لوگ میرے دوست کے آدمی تھے۔جو مجھے اتنی دفعہ بلا چکا تھا۔وقت نہیں مل رہا تھا۔ اسکے پاس جانے کا تو تنگ آ کر اس نے اپنے آدمی بھیجے تھے۔کہ جہاں ملے جیسا ملے اٹھا کر لے آؤ۔میں نے کہا

میرے ساتھ خاتون ہے۔اسکو گھر چھوڑ کر آتا ہوں۔انہوں نے کہا ثبوت کے طور پر وہ لڑکا ہمارے ساتھ بھیج دو۔ اور بس۔۔۔

غازی نے اسکا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔دونوں بلڈنگ سے نکل کر باہر آئے۔

ژالے کو لگا وہ کیب روکے گا۔مگر وہ ایک بائیک کے پاس رک گیا۔جس پر دو ہیلمٹ رکھے تھے۔

''کیا ہم اس پر جائیں گے؟۔۔''

''ائیر پورٹ تک۔۔ہاں۔۔''

''مگر میں آج تک اس سواری پر نہیں بیٹھی ہوں۔اگر میں گر گئی تو۔۔۔''

''تو خیال رکھنا مجھے اپنے پیچھے مت کھینچنا۔۔۔''

ژالے نے اسکے بازو پر ایک ہاتھ مارا۔۔۔

غازی نے ہنستے ہوئے۔ایک ہیلمٹ اٹھا کر ژالے کے سر پر باندھا۔پھر اپنا لگایا۔

''میں تمہیں گرنے تھوڑی دونگا۔۔۔''

''ابھی تو ہم کوئٹہ جا رہے ہیں۔پر وہاں سب سے ملنے کے بعد میں تمہیں کہیں لیکر جانا چاہتا ہوں۔میرے ساتھ چلوگی؟۔۔''

''کہاں۔۔۔؟''

''سرپرائز ہے۔پر اتنا بتا دوں آبادی سے دور' جنگلوں میں' جہاں خاموشی ہوگی' کوئی فون نہیں ہوگا' ٹی وی نہیں ہوگا' لوگ نہیں ہونگے۔۔تنہائی ہوگی۔۔۔اور ڈھیر ساری محبت۔۔۔۔چلوگی؟؟۔۔''

ژالے اسکے دیکھنے کے انداز پر شرما رہی تھی۔اسکے کندھے میں منہ چھپاتے ہوئے۔اثبات میں سر ہلایا۔۔۔

غازی کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔۔۔

اس نے ژالے کی پیشانی چومی۔۔۔اور بائیک پر بیٹھ کر کک ماری دوسری کوشش پر بائیک سٹارٹ ہوگئی۔۔۔اس نے ریس دیکر ژالے کو پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

وہ ڈرتے ڈرتے بیٹھی۔غازی نے اسکے بازو پکڑ کر اپنی کمر میں ڈال کر حکم دیا۔۔۔

''ہم کافی سپیڈ سے جائیں گے۔اسلیے گرفت مضبوط رکھنا۔۔۔''

ژالے نے سر ہلا دیا۔

غازی نے ایک دفعہ پھر ہلکی سی ریس دیکر بریک ہٹادی۔

بائیک آگے بڑھتے ہی ژالے نے اپنا سر غازی کے کندھے پر رکھ دیا۔دو سیکنڈ بعد وہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا جا رہا تھا۔اور ژالے اسکو مضبوطی سے تھامے آنکھیں موند کر اسکی خوشبو کو محسوس کر رہی تھی۔

زندگی انسان کو تب ہی مزا دیتی ہے۔جب انسان اس زندگی کو مکمل اللہ پر خود سپردگی کے ساتھ گزارے۔جو مل گیا۔اس پر شکر ہو۔جو نہ ملے اسکا گلہ نہ رہے۔

ان دونوں کا ایک دوسرے کے بارے میں یقین تھا۔دونوں ایک دوسرے کے دل کے داغوں سے واقف تھے۔دونوں شکوہ نہیں شکر کرنے والے تھے۔

